ہر گھر کیلئے

ماہنامہ

جلد 38 شمارہ 6
جون 20016ء
قیمت-/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

یاد سردار محمود

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جون 2016ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

حنا کے بانی اور چیف ایڈیٹر سردار محمود چوہدری کے انتقال سے ہم سب پر غم کا کوہ گراں گر پڑا ہے۔ غم کی اس گھڑی میں آپ سب نے جس طرح فون، خطوط اور میلز کے ذریعے ہماری ڈھارس بندھائی ہے اور مرحوم کے مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعا کی ہے۔ اس پر ہم سب آپ کے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت کے لئے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین)

ہمیں اب تک یہ یقین نہیں آ رہا کہ مرحوم کا سایہ اب ہم پر نہیں رہا ہر لمحے گمان ہوتا ہے کہ ابھی ان کی آواز آئے گی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے اس دنیا سے جانا بھی ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی اگلی دنیا کی منزلیں آسان فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ اس ماہ سے رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آغاز ہو رہا ہے یہ مہینہ عبادتوں اور ریاضتوں کا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں روزہ دار کی مانگی ہوئی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ آپ سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں سردار صاحب کو بھی یاد رکھیے گا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مغفرت اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کی دعا کیجیے گا۔

عید نمبر:۔ جون کا شمارہ ''عید نمبر'' ہوگا، مصنفین سے درخواست ہے کہ وہ عید نمبر کے لئے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوائیں تاکہ عید نمبر میں شامل ہو سکیں۔

اس شمارے میں:۔ رمضان المبارک کی عبادات اور وظائف، بیاد سردار محمود، سونیا چوہدری اور مصباح نوشین کے مکمل ناول، سیمی کرن کا ناولٹ، عزہ خالد اور سحرش بانو، عظمیٰ شاہین اور طیبہ مرتضےٰ کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ، نایاب جیلانی اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حلقہ مہر میں بھی پردہ مہتاب میں بھی
کیا عجب حسن ہے جو گم ہے میرے خواب میں بھی

جب سفینہ کوئی ہوتا ہے رواں اس کی طرف
لہر اٹھتی ہے اچانک مرے اعصاب میں بھی

وہ کہ رکھتا ہی نہیں کوئی خدوخال اپنے
میں نے اوروں میں دیکھا اسے احباب میں بھی

میں خریدار ہوا بھی تو بھلا کس کا ہوا
وہ جو ارزاں میں بھی موجود ہے نایاب میں بھی

رنگ افسردہ کشکول بھی وہ دست بدست
طوق در طوق دمکتا ہے زرناب میں بھی

سننے والوں نے سنا ہے اسے عاصم اکثر
شور منبر میں بھی خاموشی محراب میں بھی

لیاقت علی عاصم

نام در نام مٹی جاتی ہے امت مددے
اے قریشی لقب و ہاشمی نسبت مددے

دھوپ ہے اور بہت بے سرو سامانی ہے
آیہ حق مدد دے، سایہ رحمت مددے

آسمانوں سے مسلسل ہے بلاؤں کا نزول
کوئی نیکی مددے، کوئی عبادت مددے

چشم و مژگاں بھی دھواں سینہ و دل بھی تاریک
مطلع نور خدا، مہر نبوت مددے

اپنے ہی رنگ سے بے عکس ہے چہروں کا ہجوم
مرجع خوش نظراں آئینہ صورت مددے

اب کوئی غیر نہیں اپنے مقابل ہم ہیں
اے صف آرائے احد حسن قیادت مددے

لیاقت علی عاصم

سید اختر ناز

روزے کی فضیلت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب ہے) جو شخص اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا، تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا۔

"اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب کرے گا، جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی، تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور تیسرا حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اور جو آدمی اس حصہ میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے

رہائی اور آزادی دے گا۔"

روزہ میں احتساب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

روزہ کی برکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"روزہ رکھا کرو، تندرست رہا کرو گے، (طبرانی) اور روزہ سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے، اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔"

روزہ کی اہمیت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں، یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے تا کہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔"

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، معارف الحدیث)

روزہ چھوڑنے کا نقصان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری جیسے کسی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا، وہ اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی، وہ پوری ادا نہیں ہوسکتی۔"

(مسند احمد، معارف الحدیث)

رویت ہلال

رویت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے، آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔

(زادالمعاد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر

روزہ چھوڑ دو، اور اگر (انتیس تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔"

(صحیح بخاری ومسلم، معارف الحدیث)

سحری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعا خیر کرتے ہیں۔

(مسند احمد، معارف الحدیث)

افطار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے۔" (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)

(معارف الحدیث، جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔"

(مسند احمد، ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔

ذهب الظماء وابتلت العروق و ثبت الاجر انشاء الله ط

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

معاذ بن زہیرہ تابعی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔

اللهم لک صمت و علی رزقک افطرت ط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"روزے دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔"

(ابن ماجہ، معارف الحدیث)

تراویح

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے۔

(خصائل نبویؐ)

قرآن مجید کا پڑھنا

رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے، اگر کسی عذر سے اس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کر سکیں گے تو پھر الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں، ہر رکعت میں ایک سورۃ ہو۔

(بہشتی گوہر)

تراویح پورے مہینہ پڑھنا

تراویح کا رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں پڑھنا سنت ہے، اگر چہ قرآن مجید مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روز میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا جائے تو باقی دنوں میں بھی تراویح کا پڑھنا سنت ہے۔

تراویح میں جماعت

تراویح میں جماعت سنت موکدہ علی الکفایہ ہے اگر چہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ختم ہو چکا ہو۔

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا

تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھنا چاہیے، چار رکعت کے بعد اس قدر توقف کرنا چاہیے جس قدر وقت نماز میں صرف ہوا ہے، لیکن مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے وقت کم بھی کیا جا سکتا ہے۔

(بہشتی گوہر)

تراویح کی اہمیت

رمضان المبارک میں تراویح کی نماز بھی سنت موکدہ ہے، اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے، (عورتیں اکثر تراویح کی نماز کو چھوڑ دیتی ہیں) ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

رمضان المبارک کی راتوں میں قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض فرمایا، اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح میں تلاوت قرآن پاک پڑھنے سننے کے لئے تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا (کہ موکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے، وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا، جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔"

(نسائی، حیواۃ المسلمین)

اعتکاف

احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر دی جاتی اور وہاں کوئی پردہ، چٹائی وغیرہ کا ڈال دیا جاتا یا کوئی چھوٹا سا خیمہ نصب ہوتا۔

رمضان کی بیس تاریخ کو فجر کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے باہر تشریف لاتے تھے۔

(معارف الحدیث)

جس نے رمضان کے آخری عشرہ میں دس دن کا اعتکاف کیا تو وہ اعتکاف مثل دو حج اور دو

عمروں کا ہوگا (یعنی اتنا ثواب ملے گا)۔
(بیہقی، معارف الحدیث)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرمایا۔
''معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ نہ وہ مریض کی عیادت کو جائے اور نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے متعاربت کرے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے، سوائے ان حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں۔
(جیسے رفع حاجت، پیشاب وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہیے) بغیر روزے کے نہیں۔''
(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

اعتکاف مسنون

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالالتزام رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا احادیث صحیحہ میں منقول ہے اور یہی سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ بعض کے اعتکاف کر لینے سے سب کی طرف سے کفایت ہو جاتی ہے۔

اعتکاف اور معتکف کے مسنونہ اعمال

دس دن کا اعتکاف سنت ہے اس سے کم کا نفل ہے، عورت کے لئے اپنے مکان میں اعتکاف کرنا سنت ہے۔
حالت اعتکاف میں قرآن شریف کی تلاوت یا دوسری دینی کتب کا مطالعہ کرنا بھی پسندیدہ ہے۔
(بہشتی زیور)

شب قدر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''شب قدر کو تلاش کرو، رمضان کی آخری دس راتوں کی طاق راتوں میں۔''
(صحیح بخاری، معارف الحدیث)

شب قدر کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا۔
''مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''یہ عرض کرو۔''

اللھم انک عفو..........تحب العفو فاعف عنی

ترجمہ:۔ اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں (اور) عفو کو پسند کرتے ہیں لہٰذا مجھ سے درگزر کر دیجئے۔
(معارف الحدیث)

رمضان کی آخری رات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت و بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

☆☆☆

فوزیہ شفیق

روزہ کی فرضیت

۲ ہجری میں جنگ بدر سے پہلے تدریجاً اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو اپنے بندوں پر فرض کر دیا، پہلے روزہ رکھنے یا صرف دوسرے کو رکھوا دینے کا اختیار تھا اور خود رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی جو روزہ رکھنا چاہتا رکھ لیتا اور جو چھوڑنا چاہتا چھوڑ دیتا اور روزہ کی جگہ فدیہ دے دیتا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ میں صراحت ہے۔ ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں، ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' پھر دوسری آیت سے حکم منسوخ ہو گیا اور فرمایا۔

''جو شخص بھی اس مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس مہینے کو پورے روزے رکھے۔'' (البقرہ ۱۸۵) اس کے بعد پھر یہ اسلام کا ایک اہم رکن بن گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے کلمہ شہادت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (بخاری و مسلم) کتاب و سنت کی کئی نصوص سے روزہ کی فضلیت معلوم ہوتی ہے جو رمضان المبارک کے روزوں کے لئے ترغیب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی و انکساری اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں...... اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'') سورۃ الاحزاب۔۳۵)

روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

''روزہ ڈھال ہے، بندہ اس کو آگ سے ڈھال بنالیتا ہے۔'' بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بندہ ایک دن کا روزہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکھتا ہے، اللہ عزوجل اس کے چہرے کو ستر

سال کی مسافت جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔" اس ایک روزے کی وجہ سے۔

ابوامام صدی بن عجلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ساتھ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"روزے کو لازم پکڑو کیونکہ اس جیسا (جنت میں داخل کرنے والا) عمل کوئی ہے ہی نہیں، روزہ اور قرآن سفارش ہوں گے۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے پروردگار! میں نے اس کو کھانے اور شہوت سے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول کرلے اور قرآن کہے گا میں نے اس کو رات سونے سے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔"

روزہ پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔" (متفق علیہ)

احکام

روزہ کی جو فضیلت کتاب وسنت میں وارد ہو گئی ہے یہ صرف اس کے لئے ہے جس کے عقیدہ میں کفر وشرک کی ملاوٹ نہ ہو، اخلاص و للّٰہیت ہو، ریا کاری نہ ہو اور اس کا روزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، رمضان المبارک کا چاند طلوع ہونے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے یا شعبان کی گنتی میں دن پورے ہونے کے بعد بغیر چاند نظر آنے کے بعد رمضان کا مہینہ داخل ہو جاتا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر چاند چھپا دیا گیا ہو تو شعبان کی گنتی تیس دن مکمل کرو۔" (متفق علیہ)

رمضان کے استقبال کے لئے رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو مگر ایسا شخص رکھ سکتا ہے جو مثلاً ہر سوموار، جمعرات کو روزہ رکھتا تھا۔"

روزے کا وقت

جب فجر صادق طلوع ہو جائے تو اس وقت اگر کھانے پینے کا لقمہ یا پانی وغیرہ کا گلاس پکڑا ہوا ہے اور اذان فجر شروع ہو گئی تو وہ چیز کھانے پینے کی رخصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا۔

''سحری ختم کرنے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا تو انہوں نے کہا پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر تھا۔(ترمذی)

اور روزے کا وقت سورج کا غروب ہونے تک ہے، جب سورج غروب ہو گیا تو روزہ افطار ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب ادھر سے رات آ گئی، ادھر سے دن چلا گیا اور سورج غروب ہو گیا تو روزہ دار کا روزہ افطار ہو گیا، (یعنی افطاری کا وقت ہو گیا) (بخاری ومسلم)۔

روزہ دار پر کون سی اشیاء ترک کرنا لازمی ہے

روزہ صرف کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے کا نام نہیں ہے، حقیقت میں روزہ دار وہ ہے جس نے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ کی بغاوت و نافرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے اور محرمات کے ارتکاب سے روک لیا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے جھوٹ کی بات اور اس پر عمل ترک نہ کیا، اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

کیونکہ کھانا پینا چھوڑنے کا نام روزہ نہیں بلکہ کھانے پینے کو چھوڑنے کے ذریعہ تمام محرمات کو چھڑانا مقصود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ صرف کھانے پینے سے نہیں ہے بلکہ روزہ لغو اور بے ہودہ اعمال اور عورتوں کی طرف رغبت چھوڑنا ہے، اگر کوئی آپ سے لڑائی کرے یا جہالت والا عمل کرے لے تو اس کو کہو کہ میں روزہ میں ہوں۔'' (صحیح ابن خزیمہ)۔

اسی لئے ایسے برے افعال کرنے والوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سخت عید آتی ہے۔

قرآن، تقوی اور روزہ کا تعلق

اس قوت و استعداد کا اور ان اعلا صلاحیتوں کا سرچشمہ ہے تقوی، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ اس کتاب سے وہی صحیح راہ دیکھ سکتے ہیں، راہ پر لگ سکتے ہیں اور راہ پر چل سکتے ہیں، جو تقوی رکھتے ہوں، ھدی للمتقین، دوسری طرف روزے رکھنے کا مقصد، یا یوں کہیے کہ روزوں کا حاصل یوں بیان کیا کہ لعلکم تتقون تا کہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھیے! آپ فوراً اس راز کو پالیں گے کہ روزے سے قرآن مجید کا اتنا گہرا تعلق کیوں ہے اور نزول قرآن کے مہینے کو روزوں کے لئے کیوں مخصوص فرمایا گیا، اس ماہ کی بابرکت گھڑیوں سے زیادہ موزوں وقت اس بات کے لئے اور کون سا ہو سکتا تھا کہ روزے کے ذریعے جس سے قرآن کی راہ آسان ہو اور قرآن کی امانت کا بوجھ اٹھانا ممکن ہو؟

شب قدر اور اعتکاف

''یہ وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، یہ رات اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے، اس کام کے لحاظ سے جو اس رات میں انجام پایا، ان خزانوں کے لحاظ سے جو اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور حاصل کیے جا سکتے ہیں، ہزاروں مہینوں اور ہزاروں سالوں سے بہتر ہے، جو اس رات قیام کرے اس کو سارے

گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، ہر رات کی طرح اس رات میں بھی وہ گھڑی ہے، جس میں دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں اور دین و دنیا کی جو بھلائی مانگی جائے وہ عطا کی جاتی ہے۔" (مسلم: جابر)

اگر آپ اس رات کے خیر سے محروم رہیں تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی (ابن ماجہ: انس بن مالک)

یہ رات کون سی رات ہے؟ یہ ہم کو یقینی طور پر نہیں بتایا گیا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے، یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں، بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات، یا رمضان المبارک کی کوئی بھی رات ہے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اور اگر اس قیام اور عبادت کا اہتمام کر لیا جائے تو کافی ہے، یہ ضرور ہے کہ بعض صحابہ اور صلحا کی روایات سے ستائیسویں رات کی تائید ہوتی ہے، اس رات کا واضح تعین نہ کیے جانے میں ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے۔

اس کو پوشیدہ رکھنے کا راز یہ ہے کہ آپ اس کی جستجو اور تلاش میں سرگرداں رہیں، محنت کریں، اپنی آتش شوق کو جلتا رکھیں، آخری عشرے کی ہر طاق رات میں اسے تلاش کریں، اس سے زیادہ ہمت ہو تو اس عشرے کی ہر رات میں اور اس سے بھی زیادہ ہمت ہو تو رمضان کی ہر رات میں۔

جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اس کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی رحمت اور انعامات کی طلب اور شوق میں، ہر وقت ہمہ تن جستجو بنا رہے، مسلسل کوشش میں لگا رہے، کام سے زیادہ، ارادہ اور مسلسل کوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، اگر معلوم ہو کہ یہ رات کون سی ہے تو سعی و جہد کی جو کیفیت مطلوب ہے وہ ہاتھ نہ آئے گی۔

اس رات کے قیام سے وہ سارا خیر و برکت تو حاصل ہو گا ہی جو کسی بھی رات کے قیام سے حاصل ہوتا ہے، لیکن ایک طرف تو اس عام خیر و برکت میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے، دوسری طرف مزید خیر و برکت کے دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں۔

پورا رمضان المبارک ہماری امت پر اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمارے لئے کم وقت اور مختصر عمل میں وہ ثواب اور اجر رکھا ہے جو دوسری امتوں کو طویل مدت اور بہت عمل سے حاصل ہوتا تھا، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اس کی مثال ایسی ہے کہ "امت مسلمہ کو عصر سے مغرب تک محنت کر کے اس سے کہیں زیادہ مزدوری ملتی ہے جتنی یہودیوں کو فجر سے ظہر تک اور عیسائیوں کو ظہر سے مغرب تک، کام کر کے ملی۔" (بخاری: ابن عمر)

شب قدر ہمارے رب کی اس خصوصی رحمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

قبولیت دعا کی خصوصی گھڑی تو ہر شب آتی ہے، لیکن شب قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کی شان اور تاثیر ہی جدا ہو جاتی ہے، وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی، جو اس رات میں آپ بھی کثرت سے مانگیں۔

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (احمد: ترمذی)

"میرے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا

ہے، معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے، پس مجھے معاف کردے۔"

اگر ہمت و حوصلہ ہو تو پھر آپ آخری عشرے میں اعتکاف بھی ضرور کریں، دس دن کا ممکن نہ ہو تو کم مدت کا سہی، اعتکاف، قلب و روح، مزاج و انداز اور فکر و عمل کو للّٰہیت کے رنگ میں رنگنے اور ربانیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے، اس طرح شب قدر کی جستجو کا کام بھی آسان ہو جاتا ہے، اعتکاف ہر شخص کے لئے تو ممکن نہیں، لیکن اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے اور اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ "جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔" (بخاری و مسلم)

اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ آپ کچھ مدت کے لئے دنیا کے ہر کام، مشغلے اور دلچسپی سے کٹ کر اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے وقف کریں، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر اس کے گھر میں گوشہ گیر ہو جائیں اور سارا وقت اس کی یاد میں بسر کریں، اعتکاف کا حاصل یہ ہے کہ پوری زندگی ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اللہ کو اور اس کی بندگی کو ہر چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہو۔

یہ تو ممکن نہیں کہ آپ میں سے ہر شخص دس دن کا اعتکاف کرے، لیکن ایک کام آپ آسانی سے کر سکتے ہیں، جس سے آپ اپنی استطاعت کی حد تک اعتکاف کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر لیں، وہ یہ ہے کہ آپ جب بھی مسجد جائیں تو اعتکاف کی نیت کر لیں، کہ جو وقت بھی میں یہاں گزاروں گا وہ میں نے اللہ کے لئے فارغ کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں فیاضی سے خرچ کرنا ہے۔

نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے وہ سب خرچ کرنا، وقت بھی اور جسم و جان کی قوتیں بھی، لیکن سب سے بڑھ کر مال خرچ کرنا، اس لئے کہ مال دنیا میں سب سے بڑھ کر محبوب اور مرغوب ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ہی ساری کمزوریوں کا سرچشمہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انسانوں سے زیادہ فیاض اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور داد و دہش کی کوئی انتہا نہ رہتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے قیدیوں کو رہا فرماتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ایک دانے اور ایک ایک پیسے پر جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے کم سے کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کو وہ چاہیں گے اس سے بہت زیادہ بھی عطا کریں گے، یہ وعدہ اس کے کلام میں ہے جس کی صداقت میں ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جا سکتا، سرمایہ کاری کے لئے اتنے بے پناہ منافع کا وعدہ کرنے والا کاروبار اور کہاں پایا جا سکتا ہے؟ اور اس سرمایہ کاری کے لئے رمضان سے بہتر وقت اور کون سا ہو سکتا ہے، جب فرض دیسے ہی ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور نفل فرض کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے؟

انفاق فی سبیل اللہ متقین کی لازمی صفت ہے، تقویٰ کی بنیادی شرط ہے اور تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہے، رمضان میں انفاق، روزے کے ساتھ مل کر، حصول تقویٰ کے لئے آپ کی کوشش کو کئی گنا زیادہ کارگر اور بارآور بنا دے گا۔

پس آپ رمضان میں اپنی مٹھی کھول دیں، اللہ کے دین کی اقامت و تبلیغ کے لئے، اقربا کے لئے، یتیموں اور مسکینوں کے لئے، جتنا مال بھی اللہ کی راہ میں نکال سکیں، نکالیں، بھوک اور پیاس برداشت کرتے ہیں، تو کچھ تنگی اور سختی جیب کے معاملے میں بھی برداشت کیجئے، لیکن جو کچھ دیجئے صرف اللہ کے لئے دیجئے، کسی سے بدلے اور شکریے کی خواہش آپ کے دل میں نہ ہو۔

''ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکر۔''

اس سے کیا فائدہ کہ آپ مال نکالیں، سرمایہ کاری کریں اور اپنے ہی ہاتھوں سرمایہ اور نفع دونوں ضائع کردیں۔

زکوٰۃ بھی پورا حساب کر کے اسی ماہ میں نکالیے، اسی طرح باقاعدگی بھی آ جائے گی اور ثواب بھی آپ کو ستر گنا ملے گا۔

لیلتہ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے لیلتہ القدر کہا ہے اور اسے ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے، اس رات کی واضح تاریخ کا تعین نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہیں فرماتے تھے۔

اگرچہ لیلتہ القدر کا واضح تعین نہیں کیا گیا مگر مشہور قول یہی ہے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں رات ہوتی ہے، اس رات میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب لیلتہ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر بندے کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (بیہقی)۔

اس رات میں علاوہ اور عبادات کے یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

''اے اللہ! تو یہ معاف فرمانے والا اور بڑی ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف کر دے۔''

تیئسویں شب

رمضان المبارک کی تیئسویں شب کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص ایک ایک بار پڑھے اور بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر انشاء اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

وظیفہ:۔

تیئسویں شب کو سورہٗ یسین ایک مرتبہ، سورہٗ رحمٰن ایک مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب

ماہ رمضان کی پچیس تاریخ کی شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، بعد سورہٗ فاتحہ کے سورہٗ قدر ایک ایک بار، سورہٗ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھنی ہے، بعد سلام کے کلمہ طیبہ ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے، درگاہ رب العزت سے انشاء اللہ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے ہر رکعت میں بعد سورہٗ فاتحہ کے سورہٗ قدر تین تین بار، سورہٗ اخلاص تین تین بار پڑھنے، بعد سلام کے ستر دفعہ استغفار پڑھے، یہ نماز بخشش کے لئے بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورہٗ فاتحہ کے، سورہٗ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہٗ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے، یہ نماز واسطے نجات عذاب قبر بہت افضل ہے۔

وظائف:۔

ماہ رمضان کی پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورہٗ دخان پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک اس سورہٗ کو پڑھنے کے باعث عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورہٗ فتح پڑھنا واسطے ہر مراد کے افضل ہے۔

ستائیسویں شب

ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہٗ فاتحہ کے سورہٗ قدر ایک ایک مرتبہ، سورہٗ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھنی ہے، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، اللہ تعالیٰ یہ نماز پڑھنے والے کو نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا، انشاء اللہ العظیم۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورہٗ فاتحہ کے بعد سورہٗ قدر تین مرتبہ، سورہٗ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورہٗ اخلاص ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت مانگے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ اللہ پاک معاف فرمائے گا۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورہٗ فاتحہ کے سورہٗ تکاثر ایک ایک بار، سورہٗ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، یہ نماز پڑھنے والے پر سے اللہ پاک موت کی سختی آسان کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اس پر سے عذاب قبر بھی معاف ہو جائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورہٗ فاتحہ کے سورہٗ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ یہ تسبیح مغظم پڑھنی ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لاالہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ

انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے مصلیٰ سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کو اور اس کے والدین کے گناہ معاف فرما کر مغفرت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کے لئے جنت آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا اس وقت تک موت نہ آسکے گی، واسطے مغفرت یہ نماز بہت ہی افضل ہے۔

صدقہ فطر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ المکرمہ کے گلی کوچوں میں منادی کردے کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، دو مد (تقریباً دو سیر) گیہوں کے یا اس کے سوا ایک صاع (ساڑھے تین سیر سے کچھ زائد) کسی دوسرے غلہ یا کھجور وغیرہ کا اور یہ صدقہ نماز عید کو جانے سے قبل دے دینا چاہیے۔

(ترمذی)

خوشی منانا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تم سال میں دو دن خوشی منایا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر تم کو دو دن عطا فرمائے ہیں عید الفطر اور عید الضحیٰ اور ارشاد فرمایا کہ یہ ایام کھانے پینے اور باہم خوشی کا لطف اٹھانے اور خدا کو یاد کرنے کے ہیں۔''

(شرح معانی الآثار)

رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے ایام کے روزے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت روزے بہت رکھنے کی تھی، کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل کئی کئی دن روزے رکھتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول (روزے کے معاملے میں) بھی، عجیب نرالا تھا کہ مصالح وقتیہ کے تحت میں خاص ایام کے روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی متواتر روزے رکھتے تھے اور ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہ رکھیں گے، لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سے رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ تمام ماہ کے روزے نہیں رکھے، (ایسے ہی کسی ماہ کو کامل افطار میں گزار دیا ہو، یہ بھی نہیں کیا)''

(ابوداؤد، شمائل ترمذی)

ہر ماہ میں تین روزے

حضرت معاذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے۔''

انہوں نے فرمایا۔

''رکھتے تھے۔''

میں نے مکرر پوچھا۔

''مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے۔''

انہوں نے فرمایا کہ۔

''اس کا اہتمام نہ تھا، جن ایام میں موقع ہوتا رکھ لیتے۔''

☆☆☆

ایک سوالنامے کا جواب نامہ

ابن انشاء

آج ہمیں ایک بڑا سا جہازی سائز کا کارڈ ڈاک میں ملا ہے، جس کے ایک طرف تو ہمارا پتہ لکھا ہے، مکرمی معظمی وغیرہ القابات کے ساتھ دوسری طرف کارڈ چھاپنے اور بھیجنے والے کا نام ہے۔

خدمت عوام پارٹی (غیر سیاسی)

اس کے نیچے چند سوالات بھی درج ہیں۔

۱۔کیا آپ ادارے یا محکمے کا سامان اسٹیشنری وغیرہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے گھر تو نہیں لے جاتے؟

۲۔کیا آپ اپنے دفتری اوقات کو خوش گپیوں یا دوستوں کی خاطر تواضع میں تو ضائع نہیں کرتے؟

۳۔کیا آپ دفتر کا کام ختم ہو جانے سے پہلے کھسک تو نہیں جاتے؟

۴۔کیا آپ اپنے دفتر کا کام جان بوجھ کر تاخیر سے تو نہیں کرتے؟

۵۔کیا آپ کسی عزیز یا محترمہ کو اپنے سرکاری ٹیلی فون سے مفت کال کرنے کی اجازت تو نہیں دیتے؟

۶۔کیا آپ اپنے دفتر میں کام کرنے والی خواتین کو اس نگاہ احترام سے دیکھتے ہیں جیسے اپنی خواتین کو؟

۷۔کیا تنخواہ لیتے وقت آپ کا ضمیر تو کبھی ملامت نہیں کرتا؟

بعض لوگ منفی ذہنیت کے ہوتے ہیں، ہم ان میں سے نہیں ہیں، چنانچہ پہلے پانچ سوالات کی حد تک ہمارا جواب اثبات میں ہے، بے شک اپنے ادارے کی اسٹیشنری لے جاتے ہیں لیکن اس پر ذاتی استعمال کی تہمت نہیں لگا سکتے، ایک تو اس لئے کہ زیادہ تر بچوں کے کام آتی ہے، یا اس پر دھوبی کا حساب لکھتے ہیں، سو دھوبی کی ذات اور ہماری اپنی ذات میں فرق ہے، اگر اس اسٹیشنری سے خطوط لکھتے بھی ہیں تو ہر چند کہ خود لکھتے ہیں لیکن وہ جاتے تو دوسروں کے نام ہیں، دوسرے لوگ ہماری ذات کی تعریف میں کیسے آ سکتے ہیں۔

دوسرے سوال میں لفظ ضائع کے استعمال پر ہمیں اعتراض ہے، بلکہ ہم اس پر احتجاج کرتے ہیں، خوش گپیوں اور دوستوں کے لطف صحبت سے دماغ تازہ ہوتا ہے اور اگلے روز کام کرنے کے لئے آدمی تازہ دم اور مستعد آتا ہے، اگر اگلے روز بھی وہ احباب آ جاتے ہیں تو اس سے اگلے روز سمجھئے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

تیسرے سوال کا جواب تو اثبات ہی میں ہے، لیکن کھسکنے کا لفظ یہاں بے محل ہے، ایک سینما میں کوئی صاحب فلم دیکھ رہے تھے، وہ تھی کوئی تعمیری قسم کی، چنانچہ خراٹے لینے لگے۔

پاس والے نے بیزار ہو کر ان کو جگایا اور ملامت کی کہ بھلے مانس خراٹے لے کر دوسروں کی نیند میں خلل کیوں ڈالتا ہے، چپکے سے نکل جانے میں بھی کچھ اس قسم کی مصلحت ہے، کوئی دیکھ لے اور پوچھ لے اور باز پرس کرنے لگے تو خود ہی

سوچیے اس میں کتنا وقت ضائع ہوگا اور وہ سرکاری وقت ہی ہوگا۔

چوتھے سوال کا جواب بھی ہاں ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اگر جھٹ پٹ کام کردیا جائے تو پھر دفتر کی ضرورت نہیں رہتی، تاخیر میں کئی فائدے ہیں، ایک آدمی کا کام کرنے کے لیے پانچ آدمی رکھے جاتے ہیں، ملک میں بے روزگاری کم ہوتی ہے، تاخیر کے اسباب معلوم کرنے کے لیے کمیشن بیٹھتا ہے، اس میں نیا عملہ وملہ بھرتی ہوتا ہے اس سے بے روزگاری مزید ختم ہوتی ہے، پانچویں سوال کے جواب میں ہم کہیں گے، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، جب کسی محترمہ کو ہم خود مفت کال کرتے ہیں، اگر وہ خود آ کر مفت کال کرلے تو کیا مضائقہ ہے۔

اب رہا سوال نمبر ٦، دفتر میں کام کرنے والی عورتیں اگر معمولی صورت کی یا مسن ہیں تو اخلاق کے تقاضے سامنے آجاتے ہیں کہ ان کو مائیں، بہنیں، بیٹیاں سمجھا جائے ویسے آج کل گھر گھاٹ یعنی گھر اور دفتر میں چنداں فرق نہیں رہا۔

مغرب میں تو عام بات ہے، کہ اگر کوئی سیکرٹری خوبصورت ہے تو مستقبل قریب میں اپنے افسر کی گھر والی بن جاتی ہے اور گھر اور دفتر کے پردے اٹھ جاتے ہیں، ساتویں سوال کا جواب ہے کہ جی نہیں، ملامت نہیں کرتا، کیا مجال ہے کہ کرے، البتہ تنخواہ نہ لیں تو ضرور ملامت کرتا ہے۔

یہ سوالات تو ضمنی ہیں کچھ اہمیت نہیں رکھتے، اصل چیز خدمت عوام پارٹی ہے، بلکہ اس کا غیر سیاسی ہونا ہے، ویسے۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد

ہم نے بہت سی پارٹیوں اور جماعتوں اور تحریکوں کو غیر سیاسی سے شروع ہو کر سیاست کا پنجا پکڑتے دیکھا ہے، خود اس سوالنامے میں سیاست کے جراثیم بہت ہیں، کل انہی لوگوں کے پاؤں جم گئے تو جھنڈا لے کر نکل آئیں گے کہ دفتروں میں کاہلی اور بے ایمانی اور عدم کارکردگی دور کرنے کے لیے ہمیں اپنی صفوں کو منظم کرنا چاہیے اور عوام کی خدمت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اگلے الیکشن میں کھڑا ہونا چاہیے، الیکشن کی بات آئے گی تو دائیں بازو اور بائیں بازو اور اسلام اور سوشلزم کا قضیہ ضرور اٹھے گا، ہم نے تو اس سوالنامے کے بے سوچے سمجھے جواب دے دیے، قارئین کو احتیاط چاہیے کیونکہ بات سے بات نکلتی ہے اور غیر سیاسی سے سیاسی بنتی ہے، سرچشمہ باید گرفتن بہ میل، ایک بزرگ بازار میں جارہے تھے، ایک نوجوان نے انہیں سلام کیا، وہ چپ رہے اور جواب نہ دیا، بزرگ کے ساتھیوں نے کہا۔

''بھلا آپ نے یہ غیر شرعی حرکت کیوں کی سلام کا جواب دینا چاہیے تھا؟''

بولے۔

''تم نہیں سمجھتے میں سلام کا جواب دیتا تو وہ اپنا تعارف کراتا اور کہتا، حاجی صاحب آیئے چائے خانے میں چل کر چائے پیجیے اس کی چائے پی کر اسے چائے پلانا میرا فرض ہوجاتا، اس کی میرے گھر میں آمدورفت شروع ہوجاتی، میری..... ایک جوان بیٹی ہے میں ایسے اوباش نوجوان کو اپنی بیٹی کا رشتہ ہرگز نہیں دے سکتا۔''

☆☆☆

کیوں آج سفر کی ٹھانی ہے

تحسین اختر، فیصل آباد

اس بار حنا ملا دفور شوق سے کھولا مگر بدقسمتی سے صفحہ نمبر 11 سب سے پہلے نگاہوں کی زد میں آیا، ''موسم یاد کی اداس ہوا'' میری ایک نظم کا عنوان، جب میں نے یہ نظم لکھی تھی تو جانے کس موڈ میں تھی شاید بہت اداس شاید کسی کی یاد میں ڈوب کر لکھی تھی، مگر امید نہ تھی کہ فوزیہ آپی سردار محمود صاحب کی جدائی کا نوحہ لکھیں گی تو میری اس نظم کا عنوان شعار لے کر، یقین مانیں جس طرح ان کا لفظ لفظ درد میں ڈوبا ہوا، جذبات میں بھیگا ہوا اور آنسوؤں میں پرویا ہوا تھا پڑھ کر میری اپنی آنکھیں بھیگ گئیں، ایک تو خبر اتنی غم ناک، بے شک یہ دنیا فانی ہے، یہاں سب نے چلے جانا ہے، بحیثیت مسلمان جو اس دنیا میں آیا وہ فنا ہو کر رہے گا یہ ہمارا عقیدہ ہے، مگر سب باتیں اپنی جگہ، سب نظریے برحق، سب جملے سر آنکھوں پر مگر کچھ لوگ جو بہت اپنے ہوں، دل کے قریب ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بہت خلوص اور اپنائیت کا رشتہ ہو وہ جب یوں چپ چاپ چلے جاتے ہیں تو ان کا غم ایسا ناسور بن جاتا ہے جو رستا ہی رہتا ہے، موسم کوئی سا بھی ہو اس پر کھرنڈ نہیں آتا، فوزیہ آپی کا تو اتنا تم گزرا تھا، ان کے ساتھ بس ایک خون کا رشتہ نہیں تھا باقی تمام رشتے تو تھے، انہوں نے تو دکھی ہونا ہی تھا مگر ہم جیسے لوگو جن کا ان سے روزانہ کا ملنا ملانا بھی نہ تھا، مگر محبت کا رشتہ تھا، آواز کا رشتہ تھا، ہمارے جذبات و احساسات بھی اسی ڈور سے بندھے ہیں جن سے ان کے خونی رشتوں کے، آہ، کیسا بدقسمت خاندان ہے کہ جس کے تمام چراغ ایک ایک کر کے روشنی چھوڑ گئے اور جانے کتنے گھروں اور دلوں میں اندھیرا کر گئے۔

جب میں نے نیا نیا لکھنا شروع کیا اور میرے پاس فوزیہ آپی کا ذاتی نمبر نہیں تھا بس سردار محمود صاحب کے آفس کا نمبر تھا جس پر فوزیہ آپی سے بات چیت ہو جاتی تھی، اکثر ایسا ہوتا میں فون کرتی تو سردار صاحب اٹھاتے اور جس اپنائیت سے بات کرتے مجھے خود پر بہت رشک آتا کہ میرے گنے چنے لفظوں کو انہوں نے اتنا معتبر کر دیا کہ میں اب اس ادارے میں اس طرح جانی جانے لگی ہوں، بہت نفیس انسان تھے، بہت محبت کرنے والی ہستی تھی، مگر بقول انشاء جی۔

اے دور نگر کے بنجارے کیوں آج سفر کی ٹھانی ہے
یہ بارش کیچڑ سرد ہوا اور راہ کٹھن انجانی ہے

یہ مانا کہ کوئی اپنی مرضی سے تھوڑی جایا کرتا ہے، شاید جانے والے بھی کبھی نہ چاہتے ہوں گے کہ اپنے چاہنے والوں کو یوں چھوڑ جائیں مگر، اور اس نگر کے آگے بہت سے سوال ہیں جن کے جواب نہیں ملتے ہیں۔

یہ مضمون ان الفاظ پر سمیٹتی ہوں کہ خداوند کریم ان پر مغفرت کے تمام دروازے کھول دے اور انہیں اپنی پناہ میں لے لے اور لواحقین کو

صبر جمیل عطا کرے اور آپی فوزیہ آپ کو اور سردار محمود صاحب کے اہل خانہ کو بھی خدا پاک تقویت دے بے شک اچھے لوگوں کا اس دنیا سے چلے جانا بہت بڑا صدمہ ہے، مگر دل کو سنبھالنا پڑتا ہے۔

آ محفل چپ چاپ بیٹھی ہے آ محفل کا جی شاد کریں
وہ لوگ کہ تیرے عاشق ہیں کے روز تجھ کو یاد کریں
وہ ٹھور ٹھکانے ڈھونڈ چلے وہ منزل منزل چھوڑ آئے
اب آس لگائے بیٹھے ہیں کب دستک ہو کب تو آئے

اے دور نگر کے بنجارے

سباس گل، رحیم یار خان

کچھ رشتے کسی سند کے محتاج نہیں ہوتے کچھ رشتے اور تعلق اپنے آپ ہی جڑ جاتے ہیں بنا بتائے، بنا پوچھے، بنا اجازت لئے احترام، عزت اور اپنائیت کی ڈوری میں غیر محسوس طریقے سے ہمارے لئے اہم بھی ہو جاتے ہیں ان کا پتا ہمیں اس وقت چلتا ہے جب اجل انہیں ہم سے چھین لیتی ہے دکھ اور اذیت کا اس لمحے ہونے والا احساس آنسوؤں کی صورت آنکھوں کے ساحل عبور کرتا ہوا اس کا اظہار کرتا جاتا ہے، ایسا ہی رشتہ ہمارا پچھلے سولہ برس سے انکل سردار محمود صاحب کے ساتھ ان کے ادارے کے ساتھ جڑا ہوا تھا، مئی کے حنا میں صفحہ نمبر چھ پر "آہ سردار محمود" کی سرخی کسی بریکنگ نیوز سے کم نہ تھی ہمارے لئے اس بار سال 2016ء علم و ادب سے تعلق رکھنے والی معزز، معتبر، باوقار، خوش اطوار اور ملنسار شخصیات سے جدائی کا سال بن کر طلوع ہوا اور جن شخصیات سے آپ کا براہ راست کسی حوالے سے تعلق رہا ہو ان کی موت کی خبر سننا، پڑھنا اور سہنا آسان نہیں ہوا کرتا۔

انکل سردار محمود صاحب کے انتقال کی خبر بھی ہمارے لئے کچھ ایسی ہی تھی۔

"اوہ نو، اف، سردار انکل آپ بھی چلے گئے۔"

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ جملے تھے جو سردار انکل کے انتقال کی خبر پڑھ کر بے ساختہ ہماری زبان سے ادا ہوئے تھے۔

ایک اچھا اور معتبر تعلق ختم ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو دل دکھ سے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جایا کرتی ہیں ہمارا حال دل بھی کچھ ایسا ہی ہے اس وقت لکھنے کو الفاظ بہت ہیں مگر احساس کو الفاظ میں سمونے کا ہنر تب بے ہنر بے بس ہو جاتا ہے جس کا کوئی پیارا دنیا سے چلا جاتا ہے، سردار محمود صاحب حنا ڈائجسٹ کے بانی جنہیں ہم ہمیشہ انکل کہہ کر مخاطب کرتے تھے، فوزیہ آپی سے بھی جب کبھی فون پر بات ہوتی یا خط لکھتے تو سردار انکل کا حال احوال ضرور پوچھتے اور ان کو سلام کہنا نہیں بھولتے تھے ہم۔

اے دور نگر کے بنجارے کیوں آج سفر کی ٹھانی ہے
آ محفل چپ چاپ بیٹھی ہے آ محفل کا جی شاد کریں
وہ لوگ کہ تیرے عاشق ہیں کہ روز تجھ کو یاد کریں۔

سولہ برس کا ناطہ 2016ء میں تمام ہوا، بظاہر کیونکہ اچھا رشتہ، ناطہ اور تعلق کبھی نہیں مرتا دعا بن کر زندہ رہتا ہے ہمیشہ، ہمیں یاد ہے جب ہم نے پہلی بار حنا کے آفس فون کیا تھا تو ایک بھاری بارعب، بزرگی کا لہجہ لئے مردانہ آواز نے ہماری سماعتوں کو خوش آمدید کہا تھا، ہم اتنی بارعب آواز سن کر لمحے بھر کو تو گھبرا گئے تھے، کہ یہ کون صاحب؟ ہم نے جلدی سے سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا تو وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔

''اچھا اچھا سباس صاحبہ! بات کر رہی ہیں کیا حال ہیں؟''

''الحمدللہ! بالکل ٹھیک ہوں آپ کون صاحب ہیں؟'' ہم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو وہ بولے۔

''سردار محمود بات کر رہا ہوں۔''

''سردار انکل! کیسے ہیں آپ؟ خیریت سے ہیں؟''

''جی الحمدللہ، فرمایئے۔''

سردار انکل کا بارعب انداز تھا مگر ہم اب اپنی گھبراہٹ بھول چکے تھے کیونکہ یہ جو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سردار محمود انکل ہیں ہم جن کے ڈائجسٹ میں لکھتے ہیں۔

''انکل! بلقیس صاحبہ سے بات ہو سکتی ہے؟'' ہم نے پوچھا۔

''بلقیس صاحبہ تو اب یہاں نہیں ہوتیں، فوزیہ شفیق ہوتی ہیں وہ آج آفس نہیں آئیں کوئی پیغام ہو تو بتا دیں؟''

''انکل! ہم نے اپنے ناول کے بارے میں پوچھنا تھا اس سے۔'' ہم نے مدعا بیان کیا۔

''ٹھیک ہے فوزیہ صاحبہ! آئیں گی تو میں انہیں بتا دوں گا، ہاں مگر فوزیہ اور بلقیس صاحبہ آپ کی بہت تعریف کرتے سنا تھا ان کا کہنا ہے کہ سباس گل کامیڈی بہت اچھی لکھتی ہیں ان کے جملوں میں بے ساختگی اور برجستگی ہے یہ لڑکی ایک دن بہت آگے جائے گی۔''

ہم تو اتنی تعریف سن کر شاداں ہو گئے تھے، اسی طرح کبھی جب ہم فوزیہ آپی سے بات کرنے کے لئے حنا کے آفس فون کرتے تو وہی رعب دار آواز شفیق لہجے میں ہمارا استقبال کیا کرتی تھی، پھر جن دنوں ہم اپنی پہلی کتاب شائع کروانے کی پلاننگ کر رہے تھے ہم نے محمود انکل کو فون کیا اور ان سے درخواست کی۔

''انکل! ہم اپنی ناول کو کتابی شکل میں شائع کروا رہے ہیں ہم نے سب سے زیادہ ابھی تک حنا کے لئے لکھا ہے اس لئے ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے طرز تحریر پر اپنی رائے لکھ دیجئے یہ ہمارے لئے بہت خوشی کی بات ہو گی۔'' سردار انکل ہنس کر بولے۔

''دیکھیں سباس گل! میں لکھ تو دوں گا کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر میں تنقید زیادہ لکھتا ہوں اور آپ نے ابھی اسٹارٹ لیا ہے لکھنے میں، میں نہیں چاہتا کہ آپ میری تنقید کی وجہ سے ڈس ہارٹ ہو جائیں بس اسی لئے معذرت چاہوں گا باقی آپ حنا میں لکھتی ہیں قارئین آپ کو پڑھتے ہیں پسند کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ اچھا لکھتی ہیں تو شائع ہو رہی ہے ناں۔''

''بہت شکریہ انکل!'' ہم نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''آپ کہیں تو میں کسی بڑے ادیب سے آپ کی کتاب پر تبصرہ وغیرہ لکھا کر دے سکتا ہوں یہاں لاہور میں بہت سے ادیب میرے حلقہ احباب میں شامل ہیں آپ مسودہ مجھے بھجوا دیں میں ان کو دے دوں گا وہ پڑھ کر پہلی فرصت میں ہی رائے دیں گے اس لئے آپ کو تین چار مہینے انتظار کرنا ہو گا، اگر اتنا لمبا انتظار کر سکیں تو ٹھیک ہے۔''

سردار انکل کی اس پرخلوص پیشکش پر ہمیں دلی مسرت ہوئی تھی مگر ہم اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ہم نے شکریہ کے ساتھ سردار انکل سے اپنے لئے دعاؤں کی درخواست کی تو بولے۔

''ضرور کیوں نہیں، خوش رہیں اللہ آپ کو بہت کامیاب کرے۔'' انہوں نے فوراً ہی دعا کا پھول توڑا اور ہمارے ہاتھ میں تھما دیا اور آج یہ

وقت آیا ہے کہ ہم ان کی دعاؤں کے پھول انہیں واپس لٹانے کے لئے دلگیر و نم دیدہ سے بیٹھے ہیں، اب وہ اس جہاں میں ہیں جہاں صرف دعاؤں کے پھول ہی ان کی روح کو سکون دے سکتے ہیں، معطر کر سکتے ہیں، مہکا سکتے ہیں، مغفرت اور بلندی درجات کی دعاؤں کے پھول، اتنے برس کی وابستگی کا یہ قرض بھی ہے ہم پر اور ہمارا فرض بھی ہے کہ سردار محمود انکل کی مغفرت و روح کے سکون کے لئے قرآن پاک پڑھ بخشیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اہل خانہ کو ان سے جڑے ہر فرد کو صبر و حوصلہ عطا کریں اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین۔

محبت، احساس، رعب و دبدبے، خلوص میں گندھے اس انسان کی نذر چند احساسات، جو دلوں میں یاد بن کر رہ گئے ہے۔

دل کے پیڑ کا پتا پتا زرد ہوا ہے
آنکھ کا دریا بہتے بہتے سوکھ گیا ہے
جس کی آس میں پنچھی اڑ کر آتے تھے
وہ بوڑھا برگد آخرش دم توڑ گیا ہے
دنیا جانے کتنے رنگ دکھاتی ہے؟
اس ہستی کا رنگ تو چاہت میں رنگا ہے
مان، بھروسہ، رعب، محبت، حکم و ادا
کیا کیا نہ اک آن میں گل اب روٹھ گیا ہے
حنا میں آتے جاتے ہم یہ سوچتے تھے
ان کی اک آواز میں لمحہ جی اٹھتا ہے
جانے والے لوٹ کے آنا بھول گئے ہیں
لیکن ان کے گھر کا در تو کھل ہوا ہے
جنت کے جن رستوں پر وہ چلے گئے ہیں
ان رستوں کا بھید کسی پہ کب کھلا ہے؟
سردار جو اپنے کنبے کو اکیلا چھوڑ گئے ہیں
میری طرح سے ان کا بھی دل دکھا ہوا ہے
ابدی دنیا میں آپ کو سارے سکھ ملیں گے
دعا کا دیپ ہتھیلیوں پر جلا ہوا ہے

محبتوں کا ایک اور در بند ہوا

عقیلہ ہاشمی، لاہور

یہ غالباً 1999ء کا ذکر ہے جب میں نے نیا نیا تحریر کی دنیا میں قدم رکھا تھا، میرا ایک افسانہ تھا "سلگتی چاندنی" جسے میں نے بڑی ہی محنت اور پوری لگن سے لکھا تھا، لکھ کر کافی دفعہ اسے میں نے خود پڑھا پھر اسے اپنی بڑی بہن عقیلہ کو تنقیدی جائزہ لینے کے لئے کہا۔

عقیلہ نے کافی اچھا ریسپونس دیا میں بہت خوش ہوئی اور اسے کسی پرچے میں بھیجنے کا سوچا، ذہن میں پہلا نام "حنا ڈائجسٹ" کا ہی آیا، ابا جی (عامر حسین شاہد) سے بات کی تو انہوں نے بڑی محبت سے پوسٹ کرنے کی ذمہ داری لی یوں وہ میرا پہلا افسانہ پوسٹ کر دیا گیا۔

دس بارہ دن بعد میں نے حنا کے آفس میں بڑے ڈرتے ڈرتے فون کیا، نا جانے کیسے لوگ ہوں، کیسا بی ہیو کریں، میں نے انہوں اپنا نام بتایا اور افسانے کے بارے میں پوچھا۔

وہ آواز اتنی شفیق، اتنی مہربان کہ میرا ڈر پل میں جیسے اڑن چھو ہو گیا، ان کے اپنے افسانے کے بارے میں کہے ہوئے الفاظ آج بھی میری سماعتوں میں گونج اٹھتے ہیں اور مجھے اک نیا ولولہ اور آگے لکھنے کا حوصلہ سا ملتا ہے، انہوں نے کہا۔

"بیٹا! کیا آپ اس سے پہلے بھی کسی پرچے میں لکھتی رہی ہو؟" میں نے جواب دیا۔

"نہیں سر! یہ سب فرسٹ ٹائم ہی ہے، یہ تحریر میری زندگی کی پہلی تحریر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بیٹا! میں نے بہت سارے لکھنے والے

دیکھے ہیں، لیکن کسی کی پہلی تحریر میں ایسا سلجھا پن میری نظروں سے نہیں گزرا، ایسی مکمل اور جامع تحریر، کسی قسم کا کوئی جھول نہیں۔''

ہاں اور ایک بات، انہوں نے کہا کہ حنا کے اسٹاف میں شامل ایک لڑکی کو آپ کی تحریر نے رلا دیا ہے۔

یہ الفاظ یہ کمینٹس میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھے، ان کا ایسا کہنا میرے لئے اس قدر موثر ثابت ہوا اور آگے لکھنے کا ایسا حوصلہ ملا جو آج تک قائم ہے، اگر وہی شفیق ہستی میرے الفاظ کی اچھائیاں کم اور برائیاں زیادہ گنوا دیتی تو شاید آج طیبہ ہاشمی کہیں گم نامی کی زندگی گزار رہی ہوتی، ایسے لوگ جو دوسروں کے لئے چراغ کی مانند ہوتے ہیں ان لوگوں کا دنیا سے چلے جانا کسی عظیم دکھ اور نقصان سے کم نہیں ہوتا، خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

میں اپنی گھریلو زندگی میں اتنی مصروف تھی کہ باہر کی دنیا سے تقریباً ناطہ ٹوٹ سا گیا تھا، عقیلہ ہاشمی اگر مجھے فون کر کے نہ بتاتی تو شاید ان کی موت کا مجھے پتہ ہی نہ چلتا۔

ادب کے حوالے سے میں بہت سے لوگوں سے ملی ہوں لیکن نئے لکھنے والوں کو جتنا اچھے طریقے سے وہ گائیڈ کرتے تھے، ایسا ہنر شاید ہی کسی میں ہو۔

ان کی موت کی خبر سے اک شاک سا پہنچا، حنا بہت اچھا جا رہا ہے اور ہمیشہ اچھا جاتا رہے گا لیکن اب وہ ایک ایسے باپ سے محروم ہو گیا ہے جس نے اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا جس کی راہ نمائی میں آج وہ ایسے مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اس کی الگ پہچان بن گئی ہے۔

ایک ادارے کو چلانے میں بہت سارے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن ان سارے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے والا صرف ایک ہوتا ہے اور وہ سردار محمود صاحب تھے، میری دعا ہے حنا دن دگنی اور رات چگنی ترقی کرے اس پر کبھی بھی برے وقت کا سایہ نہ پڑے اور خدا انکل سردار محمود صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اور ایک بات خدا ان کے لگائے ہوئے اس شجر کو اتنا توانا کر دے کہ صدیوں تک لوگ اس کی چھاؤں سے خود کو مستفید کرتے رہیں آمین۔

اے دور نگر کے بنجارے

ام سعدی، ملتان

بہت زیادہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک اور چراغ جلا کے روشنی کرنے والے ہاتھ منوں مٹی تلے جا سوئے۔

سردار محمود صاحب کا جانا بہت بڑا المیہ ہے، پہلے ابن انشاء پھر محمود ریاض صاحب اور اب سردار محمود صاحب، اللہ پاک انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کے اہل خانہ کو صبر دے۔

وہ تو چلے گئے دنیا والوں کو اداس کر کے لیکن آسمانوں میں ان کا شاندار استقبال ہوا ہوگا، بے بہا خوش آمدید کہا ہوگا اور جب جب حنا ڈائجسٹ پبلشرز ہوگا اس میں شائع ہونے والی بہترین کہانیوں سے کہیں کوئی ایک نیکی کا عمل کیا جائے گا، کہیں کوئی دل بدلے گا، کہیں کوئی مسکراہٹ کھلے گی تب بھی اس کا اجر سردار محمود صاحب کو بھی جائے گا۔

کے لئے کہ یہ دکھ صرف حنا سے وابستہ لوگوں یا سردار صاحب کی فیملی کا ہی نہیں بلکہ وہ سب لوگ جو حنا کو پڑھتے ہیں ان کو بھی دکھ ہے اللہ تعالیٰ سردار محمود صاحب کی فیملی کو صبر دے آمین۔ ☆☆

اُم مریم

چھٹی قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟

منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سراپا قہر و غضب ہے۔

حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

ساتویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

جو چشم سرزن چو ذرہ حیراں
ہمیشہ گریہ عشق آمد

(کسی حیران و مرتعش شمع کی مانند میں عشق آتش میں گریہ کرتی پھر رہی ہوں)

وہ رو رہی تھی، اس کی آنکھوں میں اضطراب وحشت اور سرخی تھی، ملال، پچھتاوا اور بے کسی مجبوری اور ناکامی، اب نہ اک اجڑی بچھڑی عورت تھی، وہ شہزادیوں جیسا غرور تمکنت اور شان اشغا آج مفقود تھا، اس نے لرزتے ہاتھوں سے جس تصویر کو سیدھا کیا، وہ ہوش ربا شخصیت کے مالک پہلی نظر میں پسند آ جانے والے بے خد خوبرو چہرے کے مالک شخص کی تھی، وہ...... جس سے اس نے عشق کیا تھا، وہ جس کو بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا، بڑے جتنوں سے...... جو دوسری دنیا کا شہزادہ تھا، جو نصیب کی یاوری سے ملتا تھا، جسے اس نے خود...... اپنی حماقت سے کھو ڈالا۔

یکا یک از دل دو چشم جادو
بعد فریبم بیرد تسکین

(اپنی چشم فسوں گر کے طلسم ہزار اثر سے اس نے یکا یک میرے دل و دماغ کا سارا قرار چھین لیا) وہ ہچکیوں سے رونے لگی، اس بے درد کی تشبیہ آنکھوں کے آئینوں میں ایسے سجی تھی کہ کوئی اور بھاتا ہی نہ تھا، اس کی نگاہیں وجاہت کے اس نمونے کو بے خود دیکھتی تھیں اور کبھی تھکتی نہ تھیں، سیر نہ ہو پاتیں جو اس کی دسترس میں رہ کر بھی ہمیشہ اس کا بن کر نہ رہ پایا۔

کیسے پڑی ہے جو جا سنائے پیارے پی کو ہماری بتیاں
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

اس نے ایک بار پھر اضطرابی وحشی کیفیت کے زیر اثر بوتل اٹھالی، کمرے میں صرف ایک لیمپ چل رہا تھا، جس کی ملگجی روشنی میں کمرے میں موجود ہر شے کے سائے لمبے ہو کر ساری فضا کو پراسرار اور سوگوار بنا رہے تھے، تنہائی کا جان لیوا احساس تھا جو اس کے رگ و پے میں محشر برپا کر رہا تھا، وہ بری طرح بکھر رہی تھی، لہو رنگ آنکھوں میں غشہ دکھ اضطراب مترشح تھا، ماضی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں ڈولنے لگا، چند دن یا چند ماہ قبل، جب فیصلے کی تیرانی اس کے حلقوم میں نہیں اتری تھی، تب جب اس کے گمان تلک بھی نہ تھا، وہ ایسا کر گزرے گا، وہ تو مان کی یقین کی ایسی بلندی پہ کھڑی تھی، جہاں سے گرنے کا تصور بھی نہیں ہوا کرتا۔

''مجھے واپس جانا ہے صاحب! ڈیڈ کو میری ضرورت ہے، میں بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''میرے بغیر رہ لو گی؟'' صاحب بولے تھے، ان کا انداز سرد مہر تھا، مگر اس کے احساسات تک سلیمان کی سرد مہری نہیں پہنچ سکی تھی، پہنچتی بھی کیسے، اسے تو خود پہ اپنے حسن پہ اپنی دولت پہ اپنے نسب پہ بہت مان تھا اور اپنے بخن پہ بہت یقین بھی، وہ اس وقت بھی خود سے کتنی مطمئن تھی، گہرا سرخ کرتا پاجامہ، کہنی تک آتی آستین اور ان سے آگے کلائیوں تک سونے کی چوڑیوں سے بھرے ملائم دودھیا بازو، آنکھوں میں سنہرا پن اور چہرے کے اطراف کھلے بالوں کی کی ریشمی موٹی لٹوں کا جال وہ اپنے سحر انگیز سحر سے آگاہ بھی مگر یہ زعم دھرا رہ گیا، فیصلہ کن لمحہ سامنے آن کھڑا تھا،

جدائی بیچ میں دراڑیں ڈالتی گئی اور اسے خبر نہ ہو پائی کسی بھی بربادی و تباہی کی، ایسے دبے پاؤں طوفان آیا کہ وہ بچاؤ کی کسی تدبیر پہ بھی قادر نہ رہی۔

''میں جا رہی ہوں، مجھے معلوم ہے آپ میرے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔''

اس نے فیصلہ سنا دیا، اس کا اعتبار اس کا مان اسے کہتا تھا وہ صرف اسی کا ہوا ہے، اس کا رہے گا، اسی کے سامنے ہارے گا، اس کے سامنے سر جھکائے گا، مگر فیصلے کی صلیب اس کے سینے میں گڑھ گئی اور وہ اگلا سانس نہ لے سکی، اس نے جانا، زندگی کتنی تلخ ہے اسے ہلکا جس نے لیا، سخت حماقت کی، پھر یہ اپنے سبق خود اپنے انداز میں پڑھاتی ہے، یہ انداز بہت اذیت ناک ہوتے ہیں، کچے برتن کی طرح گراتی ہے، ٹھیکرے ٹھیکرے کر دیتی ہے، پھر گراتی ہے، پھر گراتی ہے لیکن جوڑتی نہیں، دوبارہ سے گوندھ چاک پہ چڑھا دیتی ہے، رنگ و روغن کر کے بیل بوٹے سجا کے دوکان میں سجا دیتی ہے، وہ بجھتی تھی، حواس گئے تو سانس بجھی گئی، سانس تو جڑی تھی، وہ لاکھ خودکشی کرتی، خود کو ختم کرتی، اسے ختم نہیں ہونا تھا، سانس کو چلنا تھا تو چلنا تھا، پھر کوئی زندگی میں رہے نہ رہے، یہ لڑکھڑائے گا، یہ تھکے گا مگر تھم کے چل بھی پڑے گا، وہ بھی جی رہی تھی اس کے بغیر، اس کے باوجود کہ اب جینا نہیں چاہتی تھی، سانس پھر بھی چلتی تھی، حالانکہ اس نے نہیں چاہا تھا کہ چلے، مگر اسے کسی پہ اختیار نہیں تھا، نہ صاحب کے چلے جانے پہ، نہ سانس کے چلنے پہ، وہ واقعی تھی بے اختیار ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ہم سے وفا کے بارے میں جو چاہے پوچھ لو
لیکن وفا کی کیا ہے سزا یہ نوید پوچھنا
راہ وفا میں ہم پہ جو گزری وہ پوچھ لو
منزل پہ کیا معاملہ ہوا یہ نہ پوچھنا
چاہت کی داستاں تو ہے ذاتی معاملہ
توڑا ہے کس نے عہد وفا یہ نہ پوچھنا
رستے میں کون کون ملا پوچھ عشق سے
کس کس کا ساتھ چھوٹ گیا یہ نہ پوچھنا
کیا ہم نے زندگی کو دیا یہ سب کو ہے خبر
کیا زندگی نے ہم کو دیا یہ نہ پوچھنا

رات کی قیامت برپا تھی، وہ کیسے بیتی کیسے کٹی، یہ بس وہ جانتی تھی یا اس کا رب، صرف دکھ دینے والا توہین آمیز احساس ہی ہمراہ نہیں تھا، اک ملال بھی تھا اک پچھتاوا بھی تو اک عہد بھی تھا، اک عزم بھی، وہ اب خاموش نہیں رہے گی، یہ بھی ظلم کی اک صورت تھی اور اللہ ظلم سہنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

رات جانے کب کیسے آنکھ لگ سکی تھی اس کی، اب اٹھی تو آدھے سے زیادہ لحاف صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا، وہ اک کونے میں سکڑی پڑی تھی، ذرا سا کسمسائی تو لحاف کا یہ کونہ بھی سرک

گیا، سردی کا احساس اتنا گہرا تھا کہ خود بخود آنکھ کھل گئی، نگاہ بے خودی و بے اختیاری کے عالم میں سامنے اٹھی۔
بستر خالی تھا، مطلب منیب اٹھ چکا تھا، اس نے اٹھتے ہوئے دوپٹہ کھینچ کر شانے پہ ڈالا، ہوا کی شوریدہ سری کے باعث سال خوردہ کھڑکی کا پٹ از خود کھل کر چوں چوں کی آواز سے آگے پیچھے جھولتا تھا، اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کرنی چاہی، باہر دھند لے غبار کے سوا کچھ نظر نہ آیا، اوس قطرہ قطرہ پگھل کر کھڑکی کے پٹ سے گرتی تو بارش کا گمان ہوتا، غانیہ نے زور سے پٹ بند کر دیا اور خود پلٹ کر واش روم میں وضو کے لئے چلی آئی، پانی سرد اور یخ بستہ تھا، وضو کرتے وہ باقاعدہ کپکپانے لگی، نماز ادا کرتے دعا مانگتے بھی یہ کپکپاہٹ اس کے وجود کا مستقل حصہ بنی رہی، جائے نماز لپیٹتے اس کی نگاہ پھر کھلی کھڑکی پہ پڑی، صبح کی برفیلی ہوا کے جھونکے کمرے میں آتے اسے چھو کر گزر رہے تھے، فضا میں کہر یا غبار پھیلا ہوا تھا، جو موسم کی شدت کا پتا دیتا تھا، صحن کے پچھواڑے میں لگے درخت اسی غبار میں چھپے ساکن کھڑے تھے، کہیں نزدیک سے ہی کسی بلی کے نوزائیدہ بچے کی مدہوم آواز بھی وقفے وقفے سے سناٹے کو توڑ جاتی، اسے حمدان کا خیال آیا، اس کی بے قراری یاد آئی، اسے اپنے نہیں اس بچے کے حق کے لئے ضرور اس شخص کے مقابل کھڑے ہونا تھا۔
''کیا میں ایسا کرسکوں گی؟'' اس نے سوچا خود سے سوال کیا اور خود ہی خائف بھی ہونے لگی، اسے اس شخص کا تنفر اور آنکھوں کی برودت یاد آئی، اسے لگا وہ اس شخص سے نہیں لڑ سکے گی، وہ بنا مقابلے کے ہی ہار تسلیم کررہی تھی، یہ احساس تکلیف دہ تھا، اتنا تکلیف دہ کہ آنکھ کب بھیگی کب برسی خود فراموشی کی کیفیت نے اس پہ آشکار نہ ہونے دیا، نہ یہ خبر ہونے دی کہ اندر آتا منیب اسے اس کی آنکھوں سے بہتے سیل رواں سے ٹھٹکا ہے، اپنی جگہ پہ ساکن ہوگیا ہے، کچھ دیر وہ یونہی اس کے چہرے کو دیکھتا رہا، جو مظلوم و معصوم تھا، جاذبیت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا، مگر پھر یہ چہرہ اپنے خدوخال بدل لیتا، یہ مزید نم آنکھیں اپنی سحر انگیزی کھو کر کسی اور آنکھوں میں ڈھل جاتیں، وہ آنکھیں جو نینایں کی تھیں، جو دھوکہ دیتی تھیں، اعتبار ریزہ ریزہ کرتی تھیں، دکھ دیتی تھیں، ہاں جن سے اسے نفرت تھی، اس وقت بھی اس کا دماغ تناؤ کا شکار ہوتا چلا گیا۔
''یہ صبح صبح کس کا سوگ شروع ہوگیا یہاں؟'' تنک کر کہتا وہ اس کے سر پہ آ چڑھا تھا، غانیہ نے ہڑبڑا کر چہرہ اٹھایا، آنسوؤں سے تر چہرہ جسے دیکھ کر ہی منیب کا پارہ چڑھا تھا، اس وقت بھی اس کی نظریں خشمگیں تھیں۔
''تمہیں اتنی جلدی اپنی غلطی کا احساس ستانے لگے گا، یہ تو میرے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا۔'' وہ پھنکارا، اس کے لہجے میں عجیب سا تمسخر تھا۔
''بہر حال، تم جتنی جلدی یہاں سے جاؤ گی، مجھے اتنی ہی زیادہ خوشی ہوگی۔'' گہری کاٹ دار نظریں سرگوں کو کاٹتا سنگلاخ لہجہ، سفاکانہ الفاظ کا استعمال وہ اس خوبی اور بے زاری سے کرتا کہ جیسے اپنے سینے میں دل نہ ہو، یا جس کے لئے کررہا ہے اس کا دل پتھر ہو، پتھر کا ٹکڑا ایسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، انسان متنفس اپنی انا کی تسکین اسے اس عمل پہ جنونی عمل پہ اکسائے جاتی ہے، وہ بھی

ایسے ہی مجنونانہ احساسات سے مغلوب تھا، ورنہ اک وقت تھا جب وہ سرکشوں اور کوئی اور زور آور تھی، تب وہ اس کی کوتاہیوں سے سمجھوتہ کرنے پہ بھی آمادہ تھا، تب بات برداشت کرنے کی تھی، مگر اب وہ گزارہ بھی نہیں کر پا رہا تھا، ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں، جو بے زبانوں کو زبان والے ہی نہیں زبان دراز بھی بنا جاتے ہیں مگر انہیں اپنی غلطی کا پھر بھی احساس نہیں ہو پاتا، وہ پھر بھی دوسروں کو ہی غلط ثابت کرنے پہ تلے ہوتے ہیں، اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

''منیب صاحب! میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی، جانے کو یہاں نہیں آئی، مگر آپ نکال دیں تو ظاہر ہے رہ بھی نہیں سکوں گی، دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ اس شادی کو روکنے کو اگر آپ زور آور با اختیار مرد ہو کر کچھ نہیں کر سکے تو میں اک بہر حال کمزور لڑکی تھی، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ کے گھر تک چلی آئی ہوں تو یہ آپ کی ذہنی سطح ہے، آپ کی سوچ کا لیول ہے، میں اسے محبت کے سوا کوئی نام نہیں دوں گی، آپ مجھے ہرانا چاہتے ہیں، تو آپ مجھے ضرور ہرا دیں گے، وجہ میری کمزوری نہیں آپ کی نفرت کی زور آوری ہوگی، اس کے باوجود میں آخری حد تک اپنی محبت اپنا گھر بچانے کی جدوجہد کروں گی، باقی جو قسمت اور میرے اللہ کو منظور ہوا میں اسے قبول کروں گی۔''

وہ اک دم سامنے ڈٹ گئی، جو کچھ رات بھر سوچا تھا، دماغ میں پکا تھا، ابلتا رہا تھا، سب اک دم سے سامنے ڈھیر کر دیا، منیب صحیح معنوں میں بھونچکا تھا، جس سے جواب میں ایک لفظ کی توقع نہ ہو وہ آپ کو کھری کھری سنا دے، آپ پہ فرد جرم عائد کر دے، سزا تجویز کر دے تو ایسی ہی کیفیت ہوئی ہوگی جو اس وقت منیب کی ہوئی، اس سے قبل کہ وہ سنبھلتا غانیہ پلٹ کر کمرے سے ہی نکل گئی، وہ ہونٹ بھینچے مٹھیاں بھینچے کھڑا رہ گیا، کیا شک تھا اگر وہ اس وقت سامنے ہوتی تو اس کا خون پی جاتا، گلا گھونٹ دیتا، مگر اس گستاخی پہ بھی درگزر سے کام نہ لیتا۔

☆☆☆

کنیز کے ولیمہ پہ جانے کو منیب نے کوسٹر کا انتظام کیا تھا، بھا کی ساری فیملی اور پانچ افراد وہ خود شہر سے چاچو اور نفیسہ وغیرہ تو اپنی گاڑیوں پہ آئے تھے، سفر تو لمبا نہیں تھا مگر ان لوگوں کی تیاری ہی ختم ہونے میں نہ آتی تھی، منیب کا موڈ آف ہونے لگا، اب تو ابا جی کو بھی فکر نہیں تھی، صحن میں چاچو کے ساتھ محفل جمائے بیٹھے حقہ گڑگڑائے جاتے، ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی، جس سے بھاپ اٹھ اٹھ کے بھی تھم گئی، مگر ان کی باتیں ختم ہوتی تو اس پہ توجہ جاتی۔

ولیمہ کی تقریب کے لئے غانیہ نے اماں کا پسند کیا ہوا تیز جامنی رنگ کا جوڑا استری کیا تھا، جس پہ سلور میکش اور سلور ہی موتی ستاروں کا بہت جھلملاتا ہوا کام تھا، جیولری میں صرف بڑے بڑے سلور جھمکے یا نازک سا سلور گلوبند، مگر اماں کو پھر بھی اس کی تیاری ادھوری لگتی تھی جبھی اسے چوڑیاں کنگن وغیرہ پہننے پہ اصرار کر رہی تھیں، جبکہ غانیہ متامل تھی، منیب اسے ٹوک چکا تھا، وہ اس شخص کے مخالف کیسے چل لیتی، جبکہ اس کے ساتھ زندگی کا طویل سفر طے کرنے کا عہد باندھے تھی، اماں کے اصرار کے باوجود جب وہ بہانے بنا کر انہیں بہلانے کی کوشش میں مصروف تھی، منیب کو پھر سے تاؤ آنے لگا۔

''اتنی ضدی کیوں ہو تم؟ جہاں باقی سولہ سنگھار کر لئے ہیں چوڑیاں پہننے میں کوئی حرج ہے؟'' کسی ضروری کام سے وہ بہت عجلت میں اندر آیا تھا، مگر اسے ضرور ڈانٹ ڈالا، اصل غصہ تو اس کی صبح کی زبان درازی کا تھا، جو ہر حال نکلنا تھا، غانیہ نے گردن موڑ کر عاجزانہ انداز میں اسے دیکھا، جس کی نظروں کی خفا تپش اس کا چہرہ جھلسانے کے درپے تھی۔

''مم...... مگر آپ نے خود منع کیا تھا...... کہ...... جیولری نہ پہنوں۔'' اٹکتے ہوئے ہی مگر اس نے بات مکمل کر لی، منیب کی اسے دہکتی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا۔

''شٹ اپ۔'' اس کا ہاتھ غانیہ پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا۔

''تم جتنی فرمانبردار ہو، جتنی مظلوم ہو، سب پتا ہے مجھے۔'' وہ غرایا، غانیہ سہم کر رہ گئی تھی۔

''جاہل عورت ہو تم، ورنہ اک سمجھدار خاتون کو معلوم ہوتا ہے کہ سسرالی تقاضے کیسے نبھانے ہیں اور شوہر کی مرضی کا خیال کیونکر رکھنا ہوگا، مگر تم تو اپنے دکھوں کی تشہیر کی عادی ہو تم یہ سب کیوں کرو گی بھلا؟'' وہ پھر اسے جھاڑ جھپاڑ رہا تھا، اس کی کوتاہیاں گنوا رہا تھا، وہ نم آنکھیں جھکائے یہ لعنت ملامت سہتی دراز کھول کر چوڑیوں کا ڈبہ نکال رہی تھی، عجلت دگھبراہٹ میں چوڑیاں پہنتے جانے کیسے اس کا ہاتھ زخمی ہو، مگر منہ سے کراہ بھی نہ نکلی۔

منیب باہر چلا گیا تو غانیہ ہائی ہیل کا جوتا پہن کر کمرے سے نکل آئی، تیار حالت میں اس کی منتظر بھر جائی اور تائی ماں نے اک ساتھ اسے باہر آتے دیکھا، مگر واری صدقے صرف اماں ہوئی تھیں۔

''ماشاء اللہ، چشم بددور۔'' انہوں نے والہانہ انداز میں اٹھ کر اس کا ماتھا چوما، وہ بے دلی سے مدہوم سا مسکرائی۔

''چلیں۔'' سہیل کلائی پہ رسٹ واچ باندھتا ہوا واپس آ گیا۔

''کاکا کدھر ہے؟ فضہ پتر بیٹھ گئی گڈی وچ؟'' تایا جی کو سب کی فکر تھی۔

''ہاں جی ہاں جی، سب بیٹھ گئے، آپ بھی آ جائیں ابا جی۔'' سہیل کے تسلی دلانے پہ ابا جی گھٹنوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے بامشکل اٹھے، سردی شروع ہوتے ہی انہیں جوڑوں کے درد کی شکایت ہو جاتی تھی، سہیل کمروں کو تالے لگا چکا تھا، چابیاں بغلی جیب میں ڈالتے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا، غانیہ ان سب لوگوں کے ہمراہ بیرونی دروازہ پار کر کے گاڑیوں تک آئی، جہاں سب انہی کے منتظر تھے، کوسٹر کی فرنٹ سیٹ پہ منیب کی گود میں بیٹھا حمدان غانیہ کو دیکھتے ہی مچل کر اترا تھا اور اس کی جانب بھاگا۔

''یار من! بیٹے کہاں جا رہے ہو؟'' منیب سخت چڑا تھا، بچے کی اس حرکت پہ۔

''آتا ہوں پپا! مما سے مل لوں۔'' وہ لحہ بھر کو تھم کر جواب دیتا پھر سے اچھلتا کودتا آ کر غانیہ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

''میری پیاری مما!'' وہ معصوم تھا، محبت کے خزانے لٹانے میں بلا کا فیاض، اس کا ہاتھ پکڑ کر وفور جذب سے چوما، غانیہ کی بے ساختہ نگاہ اٹھی، وہ شخص ہونٹ بھینچے نظر آیا، نگاہ چار ہونے پہ از حد ناگواری سے چہرہ پھیر لیا، غانیہ کے چہرے پہ اک رنگ آ کر گزرا۔

''میں رات کو آپ کے ساتھ سونا چاہتا تھا، بٹ چاچو کہتے تھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، آرام کرنے دو، آپ کو کیا ہوا تھا مما؟ اور چاچو سے بولیں میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا، بلکہ سر دباؤں گا تو آپ کو بہت آرام ملے گا۔''

غانیہ نے جھک کر اسے پیار کیا تو حمدان نے لمحے کے توقف کے بغیر اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے تھے، ٹی پنک ہائی نیک نما جرسی پہ بلیک ہڈ والا بہت خوبصورت سا جیکٹ بلیو جینز میں ملبوس وہ باپ کا دوسرا عکس لگتا تھا، سرخ و سفید اور بے تحاشا حسین، غانیہ نے اسے اٹھا کر گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''آپ صبح آ جاتے ہمارے پاس، ناشتا اکٹھے کرتے۔'' وہ اسے بہلا رہی تھی، حمدان کی آنکھیں چمکیں۔

''نیکسٹ ٹائم ایسا ہی کروں گا مما، اب بھی میں آپ کے ساتھ بیٹھوں گا، بلکہ پپا سے کہتا ہوں یہاں آ ئیں ہمارے پاس بیٹھیں۔'' اسے نئی فرمائش سوجھ گئی، ظاہر ہے غانیہ اس بات کا کیا جواب دیتی، اسامہ وہیں سے پکارنے لگا، سہیل مسکرا دیا تھا، بھر جائی کے ماتھے کی شکنیں البتہ بڑھنے لگیں۔

''جا، وے اویس، اپنے ابے دے کول بیٹھ، اتھے جگہ نئیں ہے گی۔'' انہوں نے بڑے بیٹے کو دھموکا جڑا، جواباً اک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا، اویس بہت بدتمیز بچہ تھا، بہن بھائیوں کو بنا قصور غلطی کی دھنک کے رکھ دینا ماں باپ تک کو کسی خاطر میں نہیں لاتا تھا، وہ بولا تو حمدان کی منیب کو پکارتی آواز از خود دب گئی۔

''پپا سنتے ہی نہیں ہیں۔'' وہ بسورا، غانیہ نے اس کے سر کو سہلایا۔

''ایسے ہی ٹھیک ہے بیٹے! یہاں ویسے بھی جگہ کم ہے۔''

''یار سن، ادھر آؤ آپ۔'' منیب کا لہجہ سخت تھا، تنبیہی تھا، صاف لگتا تھا، اس کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا ہے، حمدان نے گردن موڑ کر گاڑی کا دروازہ کھولے منتظر باپ کو بسور کر اور کچھ خفا نظروں سے دیکھا۔

''سوری پپا! مگر مجھے مما کے پاس ہی رہنے دیں، پلیز نیور مائینڈ۔'' بچے کے انداز میں لجاجت بھر گئی، حمدان کے جواب سے مخفی خیزیت بھابھو ہی اخذ کر سکتی تھیں، انہوں نے ہی ٹھٹھا بھی لگایا۔

''ہاہائے وے، ماڑ کیسے نہ کرے، تو اس کی پوری بڈھی پہ قبضہ جما کے بیٹھ گیا ہے، اک شیشے سے جو جھلک نظر آئی تھی، وہ بھی گوا دی، اینا وڈا ہو کے گود میں چڑھا بیٹھا ہے، جا پراں بیٹھ۔'' انہوں نے اک طرح سے حمدان کو دھکا ہی دے دیا، جو غانیہ کو قطعی نہیں بھایا، جبھی چپ کر رہ گئی۔

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اس نے رکھائی سے کہا اور حمدان سے گرد بازو بھی لپیٹ لیا، بھر جائی کے عتاب سے حمدان کو بچاتے اسے منیب چوہدری کی خشمگیں نگاہوں کا خیال نہ رہ پایا، جہاں قہر برس رہا تھا، مصلحت آمیز خاموشی کے ساتھ وہ لب بھینچے واپس اپنی جگہ پہ آیا، اماں بہو کی پوتے کے لئے محبت پہ نثار ہوتیں دعاؤں کے ڈونگرے برسا رہی تھیں۔

''جیتی رہ دھیئے، دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو، سدا سہاگن رہو۔'' سہیل نے اپنے برابر نشست سنبھالتے بڑے بھائی کو مسکرا کر شوخ نظروں سے دیکھا، جس کے تاثرات میں قہر کے سارے رنگ چھلک رہے تھے، اس کی پور پور میں زہر دوڑ رہا تھا۔

(یہ میرے بیٹے کے ذریعے مجھ تک پہنچنا چاہتی تھی، مگر غانیہ بی بی میں تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔)

''ساری دعائیں ہی آپ کے فائدے کی ہیں، کچھ مسکرا ہی دیں ذرا سا۔'' سہیل نے چٹکلا چھوڑا تھا، منیب نے چونک کر اسے اک نظر دیکھا اور سر جھٹک دیا، سہیل کھڑکی سے باہر متوجہ ہو گیا، جہاں دھند دھیرے دھیرے اتر کر سورج کی کرنوں کو راستہ دیتی محسوس ہوئی تھی، ماحول اجلا تو ہوا تھا مگر دھند کی اجارہ داری ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔

''مما! جوزف ہے نا میرا روم میٹ، اس کی مما کے پاس اک بہت چھوٹا بے بی بوائے آیا ہے، جوزف نے اپنے بردار کی پکچر بھی دکھائی تھی مجھے، بٹ مجھے بے بی بوائے سے زیادہ بے بی گرل اچھی لگتی ہیں، آپ بس میرے لیے بے بی ڈول لینا اوکے؟'' حمدان، غانیہ کی گود میں چڑھا بیٹھا اس سے مسلسل مخاطب تھا، اس کی کبھی چوٹیوں سے کھیلنے لگتا کبھی جھمکوں کو چھیڑتا، اسے ننھی سی گڑیا جیسی یہ مما بہت پیاری لگ رہی تھی، غانیہ کسی گہری سوچ میں گم تھی، اس فرمائش پہ محض ہنکارا بھرا، اس کی غائب دماغی صاف محسوس ہوتی تھی، مگر منیب چوہدری ضرور سر تا پا جھلس کر رہ گیا تھا، اس پہ آگ لگانے تیل ڈالنے کو سہیل کی معنی خیز کھنکاریں اور ہنسی۔

''یہ اپنا کامریڈ خاصا فاسٹ ہے بھئی، آپ کے حصے کی باتیں بھی خود کرنے لگ گیا ہے، لمحہ فکریہ ہے آپ کے لئے تو۔'' اس کی مسکراہٹ جو بے حد شریر تھی مچلی جاتی تھی، منیب کے ضبط کی انتہا ہوئی، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔

''اترو، ضروری نہیں ہے کہ تم فضول بکواس کرو اور میں برداشت بھی کروں۔'' اس کا برہم لہجہ سہیل کے اوسان خطا کر کے رکھ گیا، دانت بھینچے غرا غرا کر کہتا آواز کا والیوم نیچا رکھے آرڈر کرتا وہ ہرگز کسی لحاظ کے موڈ میں نہیں تھا، سہیل نے بے حد عاجزانہ انداز میں اسے دیکھا۔

''سوری ویرے، میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' وہ خفت سے چور سرخ چہرے سمیت کہنے پہ مجبور ہوا۔

گو کہ وہ خود ڈرائیو نہیں کر رہا تھا، البتہ ڈرائیور ضرور اس کے حکم کا غلام تھا، اس عزت افزائی سے اور کوئی باخبر ہوا ہو یا نہ ڈرائیور ضرور باخبر تھا، ڈبی دار مفلر کانوں کے گرد لپیٹے مسکراتی مونچھوں کے ساتھ اسے دیکھتا گو کہ وہ اس گوشمالی کی اصل وجہ سے آگاہ نہیں تھا، مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا، اس طرح اچانک کو سٹر رکنے پہ اماں اور بھرجائی کے ساتھ ابا جی اور غانیہ بھی چونک گئی تھیں، بھا البتہ سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے خراٹے لینے میں مگن تھے مگن رہے۔

''او کی ہویا؟ گڈی تے خراب نئیں ہو گئی؟'' ڈرائیور سگریٹ سلگائے اطمینان سے سونے لگا رہا تھا، ابا جی کی للکار پہ سنبھلا۔

''او کچھ نئیں باجیو۔'' سگریٹ منہ میں دبا کر وہ پھر گاڑی بڑھا چکا تھا۔

حمدان غانیہ کو میسر پا کر اتنا نہال تھا کہ ہر بات اس سے کر لینے کا متمنی نظر آتا تھا، غانیہ بھی اس کی معصومانہ باتوں سے لطف کشید کر رہی تھی، جبھی پوری توجہ اس کی جانب مرکوز تھی، معاً کسی احساس کے تحت اس کی لمبی پلکیں اٹھیں، بیک ویو مرر میں سے اس کی نگاہ منیب کی سحر طراز نگاہوں سے ٹکرائی تو سینے میں موجود دل اس بھرپور توجہ کو محسوس کر کے بے طرح دھڑ دھڑایا، پلکیں لرز کے بے ساختہ جھکیں، پھر جب بھی بے ساختہ و بے اختیار اس کی نگاہ اٹھی، وہ اسے اپنی سمت متوجہ ہی ملا، دل عجیب سے احساسات سمیٹ لایا، یہ تو ماننے والی بات نہ تھی وہ اس کے حسن سے گھائل ہو گیا، اس کے علاوہ دوسری وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی اس پہرے داری کی۔

وہاں ولیمے کی تقریب کے دوران اس کی توجہ کا مرکز وہی رہی تھی، غانیہ کنفیوز تو تھی ہی کچھ اور بھی اعتماد سے عاری نظر آنے لگی، کنیز کے سسرال میں بھی اسے خصوصی توجہ سے نوازا گیا تو وجہ اس کا نئی دلہن ہونا ہی نہیں وکیل باؤ کی دلہن ہونا اور شہر کی بے حد حسین لڑکی ہونا بھی ٹھہرا تھا، وہ گلاب کی ایسی منہ بند کلی تھی جو ہر کسی کی توجہ و ستائش کا باعث ٹھہرتی ہے، غانیہ اس توجہ پہ اس ستائش کو پا کر ہرگز خوش نہیں تھی، بلکہ اک بے چینی محسوس کر رہی تھی، منیب نے حمدان کو دوبارہ اس کے پاس بھی نہیں آنے دیا، یہ بات اور بھی اس کے لئے اضطراب کا باعث تھی۔

واپسی پہ کنیز اور اس کا شوہر بھی ان کے ہمراہ تھے، کنیز کی خوشی اس کے چہرے و آنکھوں سے ہی نہیں اس کی بات بے بات چھلکتی ہنسی سے بھی عیاں تھی، غانیہ کا دل بہت بھاری ہوتا جا رہا تھا، گھر پہنچنے تک وہ تھکن سے چور تھی مگر کمرے میں آ کر چادر اتارے بغیر بیگ میں کپڑے رکھنے لگی، وہ جانتی تھی رسم کے مطابق مما پپا اسے ساتھ لے کر جائیں گے، اگر منیب کوئی عار نہ سمجھتا تو وہ بھی ضرور جاتا اور حمدان بھی، لیکن وہ صرف اپنی تیاری کر رہی تھی، کہ یہ بہت تلخ سہی مگر حقیقت تھی کہ حمدان کے حوالے سے کسی معمولی فیصلے کا بھی اختیار اس کے پاس نہیں تھا، دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ اس نے سوئیٹر اور گرم شال رکھ کے بیگ کی زپ بند کی، ابھی سیدھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ منیب دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔

''یہ بیگ؟'' منیب نے جوتے کی نوک سے بیگ کو ہلکی سی ٹھوکر لگاتے استفہامی مگر سرد نظروں سے دیکھا، غانیہ ہراساں ہوئی، اس سوال کا مقصد سمجھ نہیں آیا، جبکہ وہ سب جانتا بھی تھا۔

''مم...... مجھے جانا ہے مما پپا کے ساتھ۔'' اس شخص کی نظریں ایسی تھیں، تاثرات ایسے تھے کہ غانیہ کی زبان لڑکھڑا گئی، بات مکمل نہ ہو سکی، اس نے تھوک نگل کر حلق تر کرتے اس شخص کو اک نظر دیکھا، جس کے چہرے پہ خوفناک تاثر تھا، بلا کی سرد مہری تھی۔

''ہمیشہ کے لئے؟''

سوال تھا کہ زہریلا خنجر، جو اس بے دردی سے اس کے سینے میں گاڑھا کہ وہ اگلا سانس لینا بھول کر فق چہرے سے اسے دیکھنے لگی، جو پتھر کا بنا تھا، جہاں کوئی نرمی نہ تھی، کوئی گنجائش نہ تھی، جبھی اسے مزید کانٹوں پہ گھسیٹنے میں تامل نہیں کیا۔

''ہمیشہ کے لئے جانا چاہتی ہو تو ضرور چلی جاؤ، مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' اس کا لہجہ سنگلاخ سفاک اور سنگین تھا، غانیہ کو لگا وہ ابھی چکرا کے گر جائے گی، ایسا ہی بے جان ہوتا جا رہا

تھا اس کا جسم، وہ یکدم نیچے بیٹھ گئی۔
"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" منہ پہ ہاتھ رکھے وہ بے ساختہ و بے اختیار رو دی، اس شخص کو لمحوں میں جان نکال لینے کے کتنے فن آتے تھے، ہر ستم نئے انداز میں ڈھاتا تھا، ایسے کہ وہ گمان تک نہ کر پا رہی ہوتی۔
"شٹ اپ" وہ دھاڑا اور غضبناک انداز میں ٹھوکر مار کر بیگ دور پھینک دیا، اس کے چہرے پہ صرف سختی تھی۔
"پوچھا تم نے مجھ سے؟ اجازت لی؟ تم بساؤ گی یہ گھر؟ صلاحیت ہے تم میں اتنی؟ گھروں کو بسانے میں ہمت اور قربانی دینی پڑتی ہے اور تم......"
"آئی ایم سوری، مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کر دیں منیب!" ڈری سہمی روئی کانپتی لڑکی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی تھی، منت کرتی تھی، منیب کے اندر جانے کب سے بھڑکتی آگ پہ اس عجز و انکساری و گڑگڑاہٹ نے پانی کے چھینٹوں کا اثر ڈالا، تسکین کا معمولی سا احساس کہیں اندر بسی بے چینی و اضطرار میں اترا، اس پہ تلخ اور کڑی نگاہ ڈالتا معافی کے اشارے کو اک لفظ ادا کیے بغیر وہ پلٹ کر پھر باہر چلا گیا، غانیہ آنسو پونچھتی اٹھی، ٹھوکر سے الٹ جانے والے بیگ کو سیدھا کر کے کپڑے واپس نکالے، الماری میں پہنچا دیئے، بیگ بند کر کے بیڈ کے نیچے رکھتے وہ یکسر فراموش کر چکی تھی کچھ دیر قبل وہ یہاں سے جانے کو کتنا بے چین تھی، اس شخص کے غیض بھرے انداز نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا۔
"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں غانیہ! شام ڈھل چکی ہے، موسم بھی خراب ہو رہا ہے۔" صوفے پہ بیٹھی وہ کسی سوچ میں گم لگتی تھی، جب فضہ نے آ کر اسے ہڑبڑا ڈالا۔
"میں ساتھ نہیں جا سکوں گی فضہ! تم یہ بات ذرا طریقے سے ماما پاپا کو سمجھا دو، ایکچوئیلی حمدان کو اک آدھ دن تک ہاسٹل واپس جانا ہے، کنیز بھی کل چلی جائے گی تو...... اچھا نہیں لگتا۔" وہ ایسے فراٹے سے بولی، گویا پہلے سے سوچ کر بیٹھی ہو کیا وضاحت پیش کرنی ہے، فضہ اسے دیکھتی رہ گئی، اس کے بدل جانے بہت بدل جانے کا اسے پھر سے یقین ہوا تھا، نظریں نا چاہتے ہوئے بھی شاکی پن سمیٹ لائیں۔
"تم اک دن میں ہی بیگانی ہوگئیں غانیہ! آئی تو میں بھی بہت تھوڑے دنوں کو تھی اور جانا بھی بہت دور تھا مگر خیر...... یہ تمہارے سسرال کا معاملہ ہے تو ہمیں ہی سمجھوتہ کرنا پڑے گا، کوشش کرنا میرے واپس جانے سے پہلے اک چکر ضرور لگا لو۔" فضہ نے حتی الوسیع اپنا لہجہ نرم رکھا تھا، شکایت کا رنگ نہیں آنے دیا، اس کے باوجود غانیہ کا دل بھرا گیا تھا، وہ اٹھ کر بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔
"میں ضرور آؤں گی۔" بہت چاہا مگر اس کی آواز پھر بھی نمی سمیٹ لائی، جسے محسوس کرتے ہی فضہ نے انداز تبدیل کیا۔
"بھئی تمہارے وکیل صاحب نہ روکتے تو چلو ہم کچھ اکٹھا وقت گزار لیتے، مگر اب مجبوری ہے، ملکیت کے سارے اختیارات ان کے قبضے میں ہیں، سچ بتاؤ تو انہوں نے ہی روکا ہے نا

تمہیں؟'' غانیہ کچھ نہیں بولی، ہونٹ کچلتی آنسو پیتی رہی، نضہ نے بغور دیکھا اور گال تھپکا تھا اس کا۔
''خوش نظر کیوں نہیں آتی ہو غانیہ! حالانکہ محبت کی فاتح ہو تم تو۔''
''میں خوش ہوں۔'' وہ گھٹی آواز میں تسلی دینے لگی۔
''اگر تم حیدان اور کنیز کے بہانے کے سوا منیب صاحب کا کہتی کہ انہوں نے روکا ہے تو مجھے ضرورت نہ پڑتی یہ سب کہنے کی غانیہ؟'' نضہ نے تاسف سے وضاحت کی، غانیہ ایک دم کنفیوز ہوگئی۔
''ریئلی انہوں نے ہی روکا ہے۔'' جھکی لرزتی پلکوں کے ساتھ وہ لاچاری کے عالم میں یقین سونپ رہی تھی۔
''اور کیا کہا تھا مجھے بتاؤ۔'' نضہ مائل بہ شرارت ہوئی، مسکراہٹ دبائے اسے بے اوسان کیا، غانیہ ایک دم جھینپ گئی۔
''اب تم بھی تنگ کرو گی مجھے؟''
''کہاں جی، تم نے تو سارے حقوق ہی وکیل صاحب کو عنایت کر دیے، ہماری مجال۔'' غانیہ کا رنگ سرخ پڑا تھا، جانے کس جذبے کے تحت۔
''تم خوش ہو غانیہ؟ من پسند ساتھی عورت کی سب سے بڑی خوش بختی کی علامت ہوا کرتا ہے۔'' نضہ کے سوال نے اسے گم صم کر ڈالا، جبھی محض سر ہلانے پہ اکتفا کر پائی۔
''وکیل صاحب بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں تم سے جتنی تم کرتی ہو؟'' نضہ کے انداز میں پھر شرارت اتری۔
''اب تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟ جاؤ تم۔'' وہ بری طرح کنفیوز ہوئی تھی جبھی اسے دھکا دیا، نضہ گئی تو حمدان آ گیا تھا، وہ اس کا بری طرح اسیر لگتا تھا۔
''تھینک گاڈ کہ آپ نہیں گئیں، ورنہ پپا تو مجھے جانے بھی نہ دیتے آپ کے ساتھ۔'' وہ آتے ہی اس سے لپٹ گیا۔
''میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی میری جان!'' جواباً وہ اس کے ریشمی بالوں والا سر وارفتگی سے چومنے لگی، بے لوث محبت، بے لوث خدمت کے جذبے کو جنم دے رہی تھی، وہ اس بچے کی خاطر ہر مشکل سہنے کا عزم باندھ لیتی تو کبھی نہ تھکتی۔
''آپ نے کہا جان اور پپا مجھے یارمن کہتے ہیں، مما یارمن کا کیا مطلب ہوا؟ جبکہ نام تو میرا حمدان ہے، منصف حمدان ہے نا؟'' وہ اچک کر اس کی گود میں گھس گیا تھا، ننھے منے معصوم ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے سوال پہ سوال داغنے لگا۔
''ہاں بیٹے بہت پیارا نام ہے آپ منصف حمدان، دنیا کا سب سے پیارا نام۔'' وہ اسے خوش کرنا چاہتی تھی، حمدان واقعی کھلکھلانے لگا۔
''تو پھر پپا یارمن کیوں کہتے ہیں؟ اس کے مینگ کیا ہوتے ہیں؟''
''پیار سے کہتے ہیں بیٹے! اس کے مینگ آپ اپنے پپا سے پوچھنا۔''
''کیوں...... آپ کو نہیں آتے؟'' وہ مایوس ہوا، غانیہ مسکرا دی، سر کو نفی میں ہلا دیا۔

''میں آج آپ کے ساتھ سوؤں گا، آپ بھی یہاں آجائیں ناں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پہ زبردستی لے آیا، غانیہ خائف بھی ہوئی مجبور بھی نظر آنے لگی۔

''بیٹے آپ لیٹ جاؤ، مجھے نماز پڑھنی ہے ابھی۔'' اس نے پہلوتہی کی، حمدان کا منہ لٹک گیا۔

''اچھا..... نماز پڑھ کے آجائیں، میں ویٹ کررہا ہوں آپ کا۔''

''او کے بیٹا۔'' غانیہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس پہ لحاف درست کیا اور وضو کرنے چلی گئی، وضو کرکے آئی تو حمدان تکیے کے سہارے بیٹھا نیند کے جھونکوں کے باعث بار بار اِدھر اُدھر لڑھک جاتا، چونکتا زبردستی آنکھیں کھولتا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا، غانیہ بے اختیار مسکرادی، بڑی دل آویز اور پرشفقت تھی یہ مسکان، اس دوران ممی اور پپا آکر اس سے ملے، مما قدرے اداس لگیں اسے، بے چین بھی۔

''بیٹے آپ لیٹ جاؤ، میں نماز پڑھ لوں۔'' اس نے پکڑ کر لٹانا چاہا، حمدان کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں، فوراً ہی تن کر بیٹھ گیا۔

''جلدی پڑھ لیں۔''

''ہاں پڑھ رہی ہوں۔'' غانیہ نے جائے نماز بچھا کر نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئی تو حمدان سو چکا تھا، اسے معصوم فرشتے پہ ٹوٹ کر پیار آیا، جھک کر اس کی پیشانی چوم رہی تھی جانے کس جذبے سے مغلوب دو آنسوؤں کے قطرے بے تابی سے پھسل کر بچے کے گلابی گال بھگو گئے، وہ ماں تو بن گئی تھی، مگر ممتا کے خزانے سے انمول موتی بے بہا لٹانے پہ قادر نہیں تھی، اس کی ممتا کو پابندیوں کی ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا۔

☆☆☆

غضب ہے جستجو دل کا یہ انجام ہو جائے
کہ منزل دور ہو اور راستے میں شام ہو جائے
یہ عالم ہو تو ان کی بے حجابی کی ضرورت کیا
نقاب اٹھنے نہ پائے اور جلوہ عام ہو جائے
ابھی تو دل میں ہلکی سی خلش محسوس ہوتی ہے
بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے

رات کو وہ دانستہ کمرے میں تاخیر سے آیا، شاید اس کے سامنے سے گریزاں تھا، لازمی آجاتی نہ اگر اباجی بیٹھک میں حقہ گڑگڑاتے کھانستے نہ جاگ رہے ہوتے، چائے کے دو مگ اور بے تحاشا سگریٹ پی کر وہ بالآخر اٹھ کھڑا ہوا، اسے یقین تھا وہ سو چکی ہوگی، سو تو وہ واقعی ہی چکی تھی مگر اس کا اطمینان پھر بھی رخصت کرکے رکھ گئی، اپنے معمول کے کام نپٹا کر اس نے بستر کا رخ کیا تو غیر ارادی نگاہ اس پہ اٹھ گئی، صوفے پہ وہ مکمل بے خبری کی گہری نیند میں گم تھی، لحاف آدھے سے زیادہ سرک کر نیچے فرش پہ ڈھیر تھا حسب معمول ساتھ ہی اک بازو بھی نیچے لٹک رہا تھا، ریشمی بالوں کا سیاہ آبشار کچھ سینے پہ بکھرا تھا تو کچھ لٹکتے بازو کے ساتھ فرش پہ ڈھیر تھے، وہ بالکل بے خبر تھی، مکمل طور پہ غافل، مگر اسے خود میں محو و مگن کرلیا تھا، کچھ ایسے کہ وہ خود سے بے نیاز ہوا خود کو اپنی انا کو۔

فراموش کر گیا، اس کی نگاہ میں گہرائی و آنچ ہی نہیں مردانگی کے رنگ بھی اترنے لگے، خوابیدہ حسن دو آتشہ تھا، منیب چوہدری کے حواس سلب ہونے لگے، اب اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسے ہی ساحرانہ حسن کی مالک تھی یا وہ پہلی بار اسے دھیان سے دیکھ رہا تھا، یا اس نظر سے دیکھ رہا تھا کہ اندر سے اٹھتے سوالوں نے پریشان کر دیا۔

(اس کے بال اتنے لمبے ہیں) وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، بالکل سفید رنگت سرخ یاقوتی ہونٹ آنکھوں کے پپوٹوں پر ٹھہری ہلکی ہلکی سرخی، قدرت نے اس کی آرائش کا سامان اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، اسے مصنوعی سہاروں کی حاجت ہی نہ تھی جیسے، اس سادگی میں بھی ایسا قیامت خیز حسن رکھتی تھی، کہ وہ ٹکٹکی باندھے دیکھتا جاتا تھا، اس نے کہا تھا، وہ مت بھولے کہ اسے اس کا حسن متاثر نہیں کر سکتا، اب وہ اسی حسن کی آگ میں جل رہا تھا، جیسے اسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا تو دانستہ اس سے نظریں چرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، مگر اِدھر اُدھر کچھ بھی ایسا قابل دید نہ تھا ماسوائے اس کے چہرے کے، نگاہ بھٹک کر پھر وہیں اٹکی۔

رات کے دوسرے پہر کی فسوں خیزی اس پتھر دل شخص کے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگی تھی، اسے خود پہ اختیار کھوتا محسوس ہوا، جو وہ کھونا نہیں چاہتا تھا، مگر جیسے بے بس تھا، کسی نادیدہ جکڑن میں جکڑا جا چکا تھا، اسی بے خودی کی کیفیت میں وہ اس پہ جھکا اور بہت قریب سے اسے دیکھا، تو یہ سحر انگیزی کچھ اور شدت سے اسے جکڑنے لگی، کوئی طویل مسافت اس نے طے کی تھی، نہ میلوں آگے تک سفر کیا پھر بھی اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے، سانسوں نے ماحول کے ساتھ کوئی گٹھ جوڑ کر لی تھی گویا، رات کی یہ تنہائی اور دلکشی اسے بہت پیار سے من مانی پہ اکسا رہی تھی، اس کا دل شدتوں سے چاہا، استحقاق کا احساس اندر سے پوری شدت سے اٹھ رہا تھا کہ ان خود ساختہ فاصلوں کو سمیٹ دے اور اس ساحرہ کو اس جادوگرنی کو اپنے بازوؤں میں بھرے جس نے اسے اپنے سحر اپنے فسوں میں باندھ لیا تھا، یہ خواہش اتنی شدت رکھتی تھی کہ وہ خود کو اس کی سمت ہاتھ بڑھانے سے روک نہیں سکا، مگر ایک انا بھی تھی، زخمی بلبلاتی انا، جو تڑپ کر جاگی اور بڑے دھڑے سے اس احساس کے دامن کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا، وہ چونک گیا، اسے یاد آیا، بروقت یاد آیا، اسے یہ فاصلے برقرار رکھنے ہیں، ورنہ نیناں کی طرح وہ اس کے سامنے بھی پسپا ہو جاتا ہار جاتا، اس کی ہار ہی غانیہ کی جیت تھی اور اب کے اسے ہار کسی طور بھی منظور نہیں تھی، وہ اس لڑکی کو جتا کر دوسری نیناں کی فتح نہیں ہونے دے سکتا تھا، اس کے اندر سے وہی نفرت اٹری اور پورے وجود میں پھیل گئی، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور اپنے بستر پہ جانے کی بجائے دروازہ کھول کر باہر نکلتا چلا گیا، غانیہ ہنوز اسی بے خبری کے عالم میں تھی، یہ جانے بنا کہ کوئی اس کی موجودگی کی وجہ سے کیسے پل صراط سے گزر گیا ہے۔

☆☆☆

اس نے مین لائٹ آف کی اور نکلتے ہوئے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا، اس کا رخ اپنے کمرے کی بجائے لان کی طرف تھا، سیاہ تاروں بھری رات کی چادر پورے آسمان پر پھیل چکی تھی، فضا میں پھولوں کی مہک رچی تھی اور ہلکی پھلکی خنکی اس باس کو چہار اطراف پھیلا رہی تھی۔

مگر اس وقت اس کا ذہن اس کی حسیات ہر احساس پر خوشبو سے بیگانہ تھی، وہ پشت پہ ہاتھ باندھے گھاس پہ ٹہلتا تھا اس کا سایہ دراز تھا۔

''روشنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مون، بالکل ٹھیک نہیں، ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرانا پڑا ہے، تم فی الفور آجاؤ، بلکہ میری اصلاح ہے بچی کو اس کی ماں کے حوالے کر دو، اتنے چھوٹے بچے کو ماں سے الگ کر دینا زیادتی نہیں ظلم عظیم ہے۔''

کل شام اسے آپا کا فون آیا تو وہ یکدم کتنا بھڑک گیا تھا۔

''ایسا کبھی سوچیے گا بھی نہیں آپا، میں اپنی بچی پہ اس عورت کی جھلک نہیں پڑنے دوں گا، آپ دینے کی بات کرتی ہیں۔''

اب وہ کتنا عرصہ ہوا ان سے بھی درشتی وسختی سے بات کرنے لگ گیا تھا، انہیں دکھ کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا۔

''پاگل مت بنو مون، بچی کو خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو تم اس کی ماں......''

''مرگئی ہے اس کی ماں اور اگر روشنی کی زندگی ہوئی تو اسے کچھ نہیں ہوگا، آپ پریشان نہ ہوں۔'' ان کی بات کاٹ کر وہ دوٹوک دبنگ لہجے میں کہہ گیا، آپا ششدر ہوتی رہ گئیں، اتنا سنگدل اتنا سفاک تو کبھی نہیں رہا تھا وہ، ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''اگر بچی کو ماں سے ملنے نہیں دو گے تو بیٹے کا منہ دکھائے گی وہ تمہیں؟ دستبردار ہو جاؤ گے بیٹے سے۔'' اس کے فیصلہ کن انداز سے نالاں وہ ڈانٹ کر بولیں اور مون چونک کر رہ گیا، اسے یاد آیا پچھلے دو ماہ سے وہ اپنے بیٹے سے نہیں مل سکا، آپا سے سلسلہ منقطع کر کے اس نے ادھر رابطہ بحال کیا تھا، بات دانستہ ملازم سے کی اور بہت آسانی وسہولت سے اپنا مدعا کہہ ڈالا۔

''میں ایزد سے ملنا چاہتا ہوں کچھ دنوں میں آؤں گا، اپنی مالکن کو بتا دینا۔'' اور مالکن کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اسے انکار کر دیتی، سو ایسا ہی ہوا، ادھر سے اذن مل گیا، مون کے کشیدہ اعصاب پہ عجیب سی تسکین غالب آئی۔

(تو اکڑ نکل گئی ہے محترمہ کی۔) سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ جیسے خود سے سلگا۔

(اتنی سی نرمی پہلے برتی ہوتی تو آج اس سمجھوتے پہ مجبور نہ ہوتی تم) وہ مضطرب ہوتا دھواں بکھیر رہا تھا، تصور میں وہ لڑکی زبردستی چلی آئی، جس کے وجود میں نرم صبحوں کی تازگی تھی، ساون کی دھوپ جیسی تیزی، سرما کی خوشگوار شاموں کا گلال گھلا تھا، جو ہنستی تھی تو بہتے جھرنوں کا سا ترنم گونجتا تھا، مندر میں گھنٹیاں بجتی تھیں، جو خفا ہونا، اس سے خفا ہونا جانتی ہی نہ تھی، جو شکوہ کرتی تھی تو ایسے گویا اس کا ناز اٹھانا ہی ہو، اسے یاد آیا اک بار اس نے شکوہ کیا تھا۔

''میں دوپہر سے بالکونی میں کھڑی آپ کا انتظار کر رہی تھی صاحب! میں نے آپ کو نیچے فٹ پاتھ پہ آتے دیکھ کر ہاتھ بھی ہلایا تھا، مگر آپ نے میری جانب دیکھا ہی نہیں، مجھے معلوم ہو گیا تھا، آپ کو یورپی لباس نہیں پسند اس لیے میں نے آپ کے لیے مشرقی لباس پہنا تھا، میرے کانوں میں جھمکے تھے، جن پہ فانوس کی رنگ برنگی روشنیاں منعکس ہو رہی تھیں۔'' وہ جواباً مسکرایا تھا، اس کی مسکراہٹ شوخ تھی، دلنواز تھی۔

''کوئی بات نہیں، تب نہیں دیکھا، اب تو دیکھ رہا ہوں، اس وقت بھی تم نے مشرقی لباس ہی پہنا ہوا ہے۔'' وہ اسے بہلا رہا تھا، وہ بہل بھی گئی تھی، وہ ایسی ہی تھی، معصوم سادہ بے ریا، شدت پسند، بہت حد تک جنونی۔

''ایسے لباس آپ کو کیسے لگتے ہیں صاحب؟'' وہ اشتیاق سے مچل کر پوچھ رہی تھی، تب مون نے اس کے لباس پہ دھیان کی نگاہ کی، وہ سیاہ رنگ کے ایک دیدہ زیب لباس میں ملبوس تھی، جس کا گلا گول شیشوں کے بلوچی کام سے مزین تھا، جہاں وہ بیٹھے تھے، میز پہ گلدان میں بہت سے پھول نفاست سے سجائے گئے تھے، گلدان کے دونوں جانب بلور کا ایک ایک شمع دان رکھا تھا، جن میں درجنوں موم بتیاں روشن تھیں، شمعوں کی لو تھرتھرائی اور ان کا سایہ اس کے بلوچی لباس کے گول شیشوں میں منعکس ہو کر جھلمل جھلمل کرنے لگتا۔

''بہت اچھے خالص پاکستانی۔''

''اپ تنے ہی خالص صاحب جتنے آپ خالص پاکستانی ہیں؟'' اس کی مسکراہٹ میں شرارت کی پھلجھڑیاں تھیں۔

اس نے سر جھٹکا، گویا ہر یاد جھٹکی، رات کا پچھلا پہر تھا ہر سو ہو کا عالم، اس کی تھکی ہوئی آنکھیں لمحہ بھر کو بند کیں، جو یوں جلتی تھیں گویا کسی نے جلتے انگارے رکھ دیے ہوں، اندر پھر فون کی گھنٹی بج رہی تھی، اس نے قدموں کا رخ موڑ لیا، فون بج بج کر بند ہوتا پھر بجنے لگتا، یہاں تک کہ اس نے ریسور اٹھالیا۔

''مون!''

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام، جیتے رہو، بہنوں کو تو ساری عمر اپنی شکل کو ترسایا ہی تھا، اب بیٹی سے بھی یہی سلوک کرو گے؟ آئے نہیں تم؟ ماں تو بد نصیب میسر نہیں مگر باپ تو......''

''میں کل آؤں گا آپا! انشاء اللہ۔'' انہوں نے ان کے شکوؤں شکایت پہ بند باندھنا چاہا۔

''اور دوسری بات کا جواب بھی دے دو، مہربانی ہوگی۔'' وہ کلس کر کہہ رہی تھیں۔

''کون سی بات؟'' وہ یکسر بھولے بیٹھا تھا، آپا کو غضب کا جلال آیا۔

''شادی کا کہا تھا کہ......''

''مجھے ضرورت نہیں ہے شادی کی آپا۔''

''جانتی ہوں، مگر بچی کو ہے ماں کی ضرورت۔'' انہوں نے تڑخ کر کہہ دیا، وہ سر جھٹک کر رہ گیا، بھلا سوتیلی ماں کو شوہر کے بچوں سے کیا غرض، آپا کیوں نہ سمجھتی تھیں یہ بات۔

''اگر تم نے مثبت جواب نہ دیا مون تو میں اپنی مرضی کی لڑکی سے......''

''آپا......!'' وہ بولا، بات قطع کی تو اس کی آواز بہت دوٹوک لہجہ گمبھیر تر اور دباؤ والا تھا۔

''میں آرمی چھوڑ چکا ہوں، بہت اہم فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، مجھے اس قسم کی فضولیات میں ڈال کر ڈسٹرب نہ کریں پلیز۔''

''کیسا فیصلہ؟'' وہ ششدر ہوئیں، ذرا سا گمان شادی کا بھی آیا، مگر وہ خود ہی تو لفظ فضولیات

کہ گراس گمان کورد بھی کر چکا تھا۔
"سیاست میں آنے کا فیصلہ، میں اپنی پارٹی بنا رہا ہوں۔" فیصلہ آشکار ہو گیا، وہ سر پکڑ کر بیٹھی رہ گئیں، انہیں لگا وہ بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گیا ہے دیوانہ لڑکا۔

☆☆☆

وہ عجیب مشکل میں آپڑا تھا، بلکہ شدید اذیت سے دوچار تھا، اس کے گمان تلک بھی یہ نہیں تھا وہ معمولی سی لڑکی اس جیسے مضبوط اعصاب کے بندے کو ایسے بھی آزمائش سے دوچار کر سکتی ہے، اس رات کمرے سے جس حالت میں نکلا تھا وہ دوبارہ جاتے خوف آتا تھا، سچی بات ہے یہ خوف اسے اپنی ذات سے تھا، اس رات سردی بھی قہر کی تھی، وہ پل رکنا دشوار تھا، کجا پوری رات گزارنا، اس کچھ نہ سوجھا تو بھینسوں کے باڑے میں آ گیا، جہاں ایک بوسیدہ کمرہ اور پرانا بستر موجود تھا، جب تک ابا جی کو دل کی بیماری لاحق نہیں ہوئی تھی، ڈھور ڈنگروں کی نگرانی کو وہ وہاں سویا کرتے، بیماری کے بعد اس نے سختی سے انہیں وہاں سونے سے منع کرتے نوکر کا انتظام کر دیا، جو نہ صرف بھینسوں کے لئے چارہ کاٹتا دودھ دوہتا تھا بلکہ رات کی نگرانی پہ بھی مامور ہوا۔
گو کہ ابا جی بہت بڑبڑائے تھے، اسے سنائی بھی تھیں کہ وہ شوخا ہو گیا، نوکر رکھتا ہے، پیسہ جو بہت آ گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔
وہ کان لپیٹے رہا، ظاہر ہے اتنی ذمہ داریوں کے ساتھ اب وہ یہ کام بھی کرنے سے رہا تھا، سہیل ویسے بھی ذرا سست تھا، جبھی تو نہ پڑھ سکا تھا ڈھنگ سے نہ کوئی نوکری کر پایا۔
یہ تو غنیمت تھا کہ ان دنوں بھینسوں کا رکھوالا لڑکا آج کل ماں کی بیماری کے باعث دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا، وہ رات وہاں منیب کی بسر ہو گی باڑے میں، مگر کب تک۔
اگلے دن وہ منہ اندھیرے ہی اپنے تئیں سب کی نظر سے بچ کر نکلا تھا مگر قسمت کہ پہلا سامنا ہی سہیل سے ہو گیا، جو دودھ کی بالٹی پکڑے باڑے کے دروازے پہ کھڑا اسے دیکھ کر اچنبھے میں گھر گیا۔
"آپ ادھر کدھر سویرے سویرے۔" منیب جھنجھلایا مگر بولا کچھ نہیں، باہر سردی کا احساس گہرا تھا، وہ مسجد والے پل کی طرف ہولیا، دور سے نظر آتے مسجد کے مینار دھند لے غبار میں پراسرار لگ رہے تھے، نماز گو کہ لیٹ ہو چکی تھی مگر وہ قضا پڑھ کر ہی گھر آیا تو رخ سیدھا کچن کی جانب تھا، جہاں اماں کی بجائے وہ مصروف نظر آئی، جس بے بخت کو بھاگتا وہ رات سے خوار ہوا جاتا تھا۔
"اماں...... کہاں ہیں آپ؟" اس پہ عصیلی قہر بھری نگاہ ڈالتا وہ وہیں سے پلٹ گیا، عنانیہ حمدان کے لئے دودھ گرم کر رہی تھی، اسے دیکھ کر چائے کا پانی بھی دوسری سائیڈ پہ رکھ دیا، اس کی نظریں ہی عنانیہ کو گڑبڑا کے رکھ جاتی تھیں۔
"ناشتہ بنا دیں فٹافٹ۔" انہیں دیکھتے ہی وہ عجلت میں نظر آنے لگا۔
"اتنی جلدی کا ہے کی پتر؟" اماں کی حیرانی دیکھنے والی تھی، وہ بھنویں اچکا کر انہیں دیکھنے لگا۔
"لیٹ ہو جاؤں گا خواہ مخواہ۔"
"تو کیا تو کم پہ جا رہا ہے؟" انہوں نے ٹھٹک کر سوال کیا، منیب کی پیشانی پہ شکنیں آئیں۔

''کیا نہیں جانا تھا مجھے؟ آپ کی بہو کے اعزاز میں مستقل گھر بیٹھ جاؤں؟'' بدمزاجی کا عالم دیکھنے والا ہوا، وہ تو ان کے گلے پڑ گیا تھا، اماں بوکھلائیں۔

''اچھا اچھا، بنائی ہوں، جا تیار ہو کے آ۔'' انہوں نے جان چھڑوائی اور کچن کو ہولیں، وہ غصہ میں سر جھٹکتا اندر آیا تھا، یہ اطمینان کافی تھا کہ وہ فساد کی جڑ کمرے میں موجود نہ تھی۔

''آپ کی چھٹیاں ختم ہوگئی ہیں یارمن! آپ جانتے تھے یہ بات پھر بھی تیار نہیں ہوئے۔''

''میں اب ہاسٹل نہیں رہوں گا پیا! ادھر ہی اسکول پڑھوں گا، مما جو آ گئی ہیں۔'' بچہ نت نئے کھلونوں میں مگن رہ کر بولا، منیب کا البتہ دماغ گھوم گیا۔

''واٹ نان سنس منصف حمدان آپ فضول بات کا کب پیچھا چھوڑو گے، آپ کو وہیں چلنا ہے، وہیں رہنا ہے، کچھ تبدیل نہیں ہوا نہ ہوگا، انڈر اسٹینڈ؟'' نہ الفاظ نرم تھے، نہ لہجہ پھر بچہ کیسے سنبھلا رہتا، باپ کی بے اعتنائی کہاں دیکھی تھی، اتنا سہا اس قدر گھبرایا کہ زار و قطار ہچکیوں سے رو پڑا، غانیہ جو دودھ کا گلاس اس کے لئے لائی تھی، منیب کے رویے پہ شاکی و متاسف ہوئی بے اختیار آگے بڑھی اور روتے ہوئے حمدان کو اپنے ساتھ لگالیا، سر چوما، پیار کیا۔

''ریلیکس بیٹے! یہ دیکھیں مما آپ کے لئے کون سا فلیور ڈال کر دودھ لائیں، پی کے بتاؤ۔'' منیب نے گردن موڑ کر اس مداخلت پہ اسے کھا جانے والی غصیلی تند نظروں سے گھورتے حمدان کو کلائی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس سے الگ کر دیا۔

''تم...... تم ہوتی کون ہو میرے بیٹے کو مجھ سے بدگمان کرنے والیں؟'' اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں، غانیہ تھرا سی گئی، حیرت سے پوری کھلی آنکھوں سے اسے دکھ میں ہنتلا ہو کر دیکھا۔

''مم...... میں تو......''

''شٹ اپ۔'' وہ زور سے دھاڑا، حمدان سہا ہوا کھڑا تھا، ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھتا۔

''آئندہ ہمارے بیچ آنے کی کوشش نہ کرنا، اپنی اوقات مت بھولو تم، زبردستی ہماری زندگی میں شامل ہونے والی بے مایا عورت ہو تم...... مت بھولا کرو۔'' وہ غرا غرا کر کہہ رہا تھا، غانیہ کھڑی کھڑی شل ہوگئی، ایک بار پھر اتنی تضحیک، اس کا دل چاہا ڈوب مرے،

''پپا مت ڈانٹیں اتنی زور سے مما کو...... پلیز۔'' حمدان سسکیاں بھرتا ہوا منمنا رہا تھا، مگر وہ شخص بھلا کسی کی سنتا تھا، غانیہ اک لفظ مزید بولے بنا آنسو چھپاتی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

''اور تم......'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں حمدان سے مخاطب ہوا۔

''کل تیار رہنا، نو آرگومنٹ او کے۔'' بچہ مزید سہم گیا، منیب قہر ساماں تاثرات کے ساتھ کپڑے لئے واش روم میں گھس گیا، تیار ہو کر آیا تو حمدان صوفے پہ بیٹھا تھا، معصوم چہرے پہ آنسوؤں کے نشان تھے، اس کا دل ڈول گیا، اس عورت کی وجہ سے اپنے بیٹے سے سختی برتنی پڑی تھی۔

''یارمن!'' وہ جوتے اور موزے اٹھا کر بیڈ کے کنارے ٹکتا بھاری آواز میں اسے پکار رہا تھا۔

''جی پپا!'' حمدان نے لمبی پلکیں اٹھائیں، باپ کو دیکھا، جو ہونٹ بھینچے تھا۔
''پپا کو غصہ آ گیا تھا بیٹے، سوری آئندہ آپ کو نہیں ڈانٹیں گے۔'' حمدان ایک دم دوڑ کر اس کے پاس آ گیا، بازو سے چہرہ ٹکا کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی لاڈ کا پیار کا اک انداز تھا۔
''مگر آپ نے مجھے تو نہیں ڈانٹا پپا، مما کو ڈانٹا ہے، ان سے سوری کر لیں، انہیں منا لیں پلیز۔'' وہ اس کا بھی باپ بن بیٹھا، ایسا ہی نادر مشورہ دیا تھا، منیب قدرے کھسیانا نظر آیا، اگلے لمحے پھر پتھریلا تاثر چہرے کا حصہ تھا۔
''ابھی پپا بہت جلدی میں ہیں، واپسی پہ آپ سے بات کریں گے اوکے۔'' وہ اس کا گال پیار سے چھوتا اٹھ کھڑا ہوا، حمدان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ لیا، مسکرانے لگا۔
''آپ واپسی پہ مما کے لئے ریڈ روز لیتے آیئے گا پپا، وہ مان جائیں گی، میرا دوست ہے نا جوزف، وہ کہتا ہے اگر کوئی روٹھ جائے تو ریڈ روزز دے کر منا لو، ایسے مان جائے گے۔'' معصومیت سے کہتے اس نے چٹکی بجائی، منیب کے بھینچے ہوئے ہونٹ مزید سختی سے باہم پیوست ہوئے، وہ محض اس کا سر تھپک سکا۔
''آپ دودھ پی لو، بوائل ایگ ضرور کھانا۔'' حمدان نے سر ہلا کر تائید کی تھی، اپنا بیگ اٹھا کر وہ کچن میں آیا تو پھر اس سے سامنا ہو گیا، اماں ناشتہ تیار کیے بیٹھی تھیں، چائے کی پیالی، ابلے انڈے، دیسی گھی کا پراٹھا، اچار، رات کا سالن، منیب کی نظر نا چاہتے ہوئے بھی چائے چھان کر پیالیوں میں نکالتی غانیہ پہ پڑی، آنسوؤں کی نمی سے بھیگا چہرہ سرخ ڈوروں والی متورم آنکھیں سرخ ہوتی ستواں ناک گلابی مائل سفید چہرے کی چمکیلی رنگت نے اسے پھر ڈسٹرب کیا، اتنا ڈسٹرب کہ اسے اپنا زخمی دل ان سرخ ڈوروں میں جکڑتا الجھتا محسوس ہوا، وہ خود کو آسانی سے سنبھال نہیں سکا۔
''تو بیٹھ کے کر ناشتہ، میں تیرے ابے اور دادی کو چا دے آؤں۔'' اماں اسے دیکھ کر بولیں اور دونوں چائے کی پیالیاں اٹھالیں، وہ خاموش رہا، اماں کے جانے کے بعد بھی اسی طرح پتھرایا ہوا سا کن بیٹھا تھا، غانیہ نے اپنا کام کرتے اس کے اس انداز کو تحیر آمیز انداز میں دیکھا، البتہ کچھ بولی نہیں، اماں نے اسے لسی کا گلاس منیب کو دینے کی ذمہ داری سونپی تھی، جو اس نے پوری کی، گلاس بھرا اور جھک کر اس کے سامنے سجے ناشتے کے لوازمات کے ساتھ رکھ دیا، ابھی سیدھی نہ ہوئی تھی کہ منیب نے اس کا ہاتھ اچانک بہت درشتی بہت جارحانہ انداز میں جکڑ لیا۔
''کیا یہ ممکن ہے کہ میں گھر لوٹوں تو تمہارا یہ مکار منحوس چہرہ مجھے نظر نہ آئے۔'' غانیہ جو اس اچانک حملے سے ہی سنبھل نہ پائی تھی، الفاظ کی سنگ باری پہ گھائل ہوتے آنسوؤں سے نم چہرہ کو اٹھا کر زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا، کتنی بے بس تھیں یہ نظریں اگر وہ سمجھتا، مگر وہ سمجھتا کہاں تھا۔
''نہیں...... کیونکہ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔'' وہ جواباً بھرائی آواز میں کہتی آنسو روکنے کو ہونٹ بھینچ گئی جو پھر بھی بہہ نکلے تھے، توہین تذلیل کا ہر نیا انداز اس کے اندر نئے دکھوں کو جنم دیتا تھا، منیب نے بے حد تنفر سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کر آندھی طوفان کی مانند کچن سے نکل گیا، غانیہ سسکیاں روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ غصے میں طیش میں تیز تیز چلتا بسوں کے اڈے پہ پہنچا تو پہلی بس پھر بھی نکل چکی تھی، چھپر ہوٹل کے سامنے سڑک پہ رات بھر گرنے والی اوس کی نمی تھی، مسافر کچھ چائے پی رہے تھے کچھ پی چکے تھے اور سگریٹ کے سوٹے لیتے بس کا انتظار کرتے تھے، اس نے بھی یہی شغل اپنایا، یعنی سوٹے لگانے کا، دھواں اڑاتے اس نے نگاہ گھمائی، دھند آلود کچے راستوں کے پار کچے اور نیم پختہ مکانات کا اک سلسلہ دھندلے غبار میں گم ہو جاتا تھا، تانگے والے کا گھوڑا ہنہناتا یا چھپر ہوٹل کا مالک اپنے چھوٹو کو وبکتا تو ماحول ایک دم گرما جاتا، ورنہ خاموشی تھی، سڑک سیدھی اور سپاٹ تھی، مزید دس منٹ کے انتظار کے بعد دور سے دھند میں بس کی ہیڈ لائٹس چمکتی نظر آنے لگی تو منتظر مسافر اپنے اپنے مشاغل ترک کرتے سڑک کی جانب آتے بس پہ لپکنے کو تیار ہو گئے، بس گیلی سڑک پہ پھسلتی آ رہی تھی، سال خوردہ بس کے کھڑکیاں دروازے سب بجتے تھے سوائے ہارن کے۔

''آؤ وکیل باؤ۔'' کنڈیکٹر اسے پہچانتا تھا، مرعوب بھی لگتا تھا، ہمیشہ پروٹوکول دیتا، یعنی سیٹ ضرور دیا کرتا، مسافر کنڈیکٹر نہیں تھے، نہ اس کو پہچانتے تھے، نہ اس سے مرعوب ہی تھے، جبھی دھکم پیل کرتے اک دوسرے سے آگے چڑھے جاتے، اک نو عمر لڑکا بھاگا آیا اور اپنے سامان کا تھیلا کھڑکی کے راستے پھینک کر پھرتی سے بس میں سوار ہو گیا۔

منیب بہت سکون سے اندر آ کر بیٹھا تھا اور اپنا دھیان جمانے کو اخبار کھول لیا پھر اس کا سارا دن بھی خجالت میں گزرا، وہ جیتا ہوا کیس اپنے کمزور دلائل کی وجہ سے ہارنے کے قریب ہوا تو جھنجھلاہٹ بڑھ گئی، یہ سب اس فضول بکواسی لڑکی کی وجہ سے ہو رہا تھا، یہ اس کا پختہ یقین تھا، واپسی پہ رکشہ ڈرائیور سے کرائے کی وجہ سے جھگڑا ہوتے ہوتے رہا، بس کو جبھی بڑی مشکل سے پکڑ سکا، اس کا ایک پیر پائیدان پہ دوسرا زمین پہ ہی تھا جب سر پہ ڈبی دار مفلر لپیٹے کنڈیکٹر نے سال خوردہ ہلتی اور بجتی بس کے سائیڈ پر زور سے ہاتھ مار کر چلایا اور ڈرائیونگ سیٹ کے کنارے پر براجمان بس کے معمر ڈرائیور نے پوری طرح رکنے سے بیشتر ہی بس پھر دوڑا دی، وہ گرتا گرتا بچا، جیسے تیسے اندر پہنچ گیا سگریٹ نہیں تھی، ایک دو مسافر اگر اترتے تو دس اور چڑھ جاتے، لوگ اک دوسرے میں پھنسے نہیں دھنسے پڑتے تھے، تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی مگر کنڈیکٹر کا بس نہ چلتا تھا راہ چلتوں کو بھی بس اٹھا کر بس میں سوار کر لے، سواری چڑھانے تک جو کنڈیکٹر میٹھی زبان کے پھول برساتا نہ تھکتا تھا، مسافر کے اندر قدم رکھتے ہی آنکھیں ایسے ماتھے پہ رکھ کے جگہ نہ ہونے کی شکایت پہ سواریوں کے گلے پڑتا کہ اس کا تربوز جیسا سر دو ٹکڑے کرنے کو منیب کا بے اختیار دل چاہنے لگتا۔

خدا خدا کر کے بس شہر کے مضافات سے نکلی تو رش بھی قدرے کم پڑا، اسے سیٹ بھی جیسے تیسے مل گئی، مگر یہ اطمینان اور سکون کا عالم زیادہ طوالت اختیار نہیں کر سکا اور خاک میں مل گیا کہ بس چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رک گئی، کنڈیکٹر نے باہر نکل کر سرسری طور پہ انجن کا معائنہ کیا۔

''بس خراب ہو گئی ہے، آگے نہیں جا سکتی۔'' کہہ کر اس نے شلوار کے نیفے سے ایک سگریٹ نکالا اور سلگا کر زمین پر ایسے بیٹھ گیا جیسے اس کا اس بس سے کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو، مسافروں کے

بڑبڑانے سے یکسر بے پرواہ ہو کر، منیب کا دماغ کھول تو پہلے ہی رہا تھا اب تو جیسے غیض سے بری حالت ہونے لگی، اک بار تو جی میں آئی جا کر کنڈیکٹر کو چھیٹی لگا دے مگر خود پہ ضبط کرنا پڑا، دو گھنٹے مزید گجل خرابی کے بعد وہ شوگرمل کو گنے سپلائی کر کے واپس گاؤں جانے والی ٹرالی میں لفٹ لے کر پہنچا تو رات مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی، سردی اسے ہی نہیں وہ چھینکوں سے بھی بے حال ہو رہا تھا، لہلہاتے کھیتوں اور سرو کی قطاروں سے پرے گھر میں وہ یقیناً اس کی منتظر تھی یہ سوچ ہی اس کے مزید تناؤ کو بڑھا رہی تھی، موسم کی شدت کا اثر تھا کہ چوک اور گلیاں سنسان پڑی تھیں، گلی نیم تاریک تھی، کسی کسی گھر کے آگے بلب روشن تھا، بس دروازہ پہ دستک دینے کی بجائے اس نے دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان میں موجود خلا میں بمشکل انگلیاں گھسا کر خود ہی زنجیر گرا دی، ہلکے سے چھناکے کے ساتھ زنجیر دروازے سے ٹکرائی تو دیوار کے ساتھ اپنے منہ سے اپنے بدن کو کھجاتی بلی نے ایک دم لمبی قلانچ بھری اور دیوار پر چڑھ گئی، برتن دھو کر اسٹینڈ پہ لگاتی غانیہ جو اسی کی آمد کی بے چینی سے منتظر تھی، کچن کی کھڑکی سے ہی اسے آتے دیکھ کر بے اختیار ریلیکس ہوئی، منیب کمرے میں جا چکا تھا اس کی ہمت نہیں تھی پیچھے جانے اور نئے سرے سے توہین کرانے کی، جبھی وہیں کھڑی رہی، صحن میں تین چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں، شام میں اماں نے جو یہاں بیٹھ کر سبزی بنائی تھی، ان کے بچے کھچے اجزا وہیں بکھرے تھے، اس نے چار پائیاں ایک ایک کر کے کھڑی کر کے دیوار سے لگائیں اور جھاڑو اٹھا کر فرش صاف کرنے لگی، وہ کھانا پکانے میں مصروف تھی بھا کے بچوں نے مل کر گھر کا خوب حشر کیا تھا، کپڑے واشنگ مشین میں کم اور باہر زیادہ لٹک رہے تھے، وہ ایک کے بعد دوسرا کام سرانجام دے رہی تھی جب کمرے سے چیزیں پٹخنے کی آواز آئی پھر وہ خود باہر آ گیا تھا، پہلے بے کار مصروفیات میں مگن غانیہ کو چبھتی نظروں سے گھورا پھر غصیلے و برہم انداز میں اماں اور حمدان کو زور زور سے آوازیں دیں، غانیہ کے ہاتھ سے صفائی کا کپڑا (جھاڑن) چھوٹ گئی، کام بھولے وہ متوحش وہیں کھڑی اسے دیکھے گئی، اتنی ہمت اب بھی مفقود تھی کہ خود آگے بڑھ کر مخاطب کرے۔

''اس گھر میں کسی کو ہوش ہے کہ میں صبح کا نکلا ہوا اب لوٹا ہوں تو مجھے بھی کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے، حد ہے یعنی بے حسی کی بھی۔'' کمرے سے باہر آتیں اماں پہ نظر پڑتے ہی وہ برس پڑا تھا، خشمگیں نگاہیں پھر بھی غانیہ پہ ہی تھیں، جس کی گھبراہٹ ظاہر ہے مزید بڑھی تھی، اماں نے استعجابی و متحیر نگاہوں سے پہلے اسے پھر غانیہ کو دیکھا اور قدرے جھنجھلائیں۔

''کی ہو گیا پتر، کیوں چیخ رہا ہے؟'' اماں کے رسان سے کیے گئے سوال پہ منیب کا پارہ مزید چڑھا، بامشکل خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھ سکا۔

''حمدان کو بھیج دیں میرے پاس، اور کچھ نہیں چاہیے۔'' اب کے وہ بولا تو لہجہ شاکی اور عجیب سی بے بسی لئے تھا، جیسے اماں نے محسوس کیا ہو یا نہیں، غانیہ ضرور اضطراب کا شکار ہونے لگی۔

''بھیجتی ہوں۔'' اماں وہیں سے پلٹ گئیں، منیب پہلے ہی کمرے میں پھر سے گھس چکا تھا، وہ ہاتھ مسلتی ہوئی مضطرب بے چین کچن میں آئی تھی، روٹی تازہ پکائی، سالن گرم کیا، ٹرے سجا کر لے جانے سے قبل چائے کا پانی رکھ دیا، غانیہ اندر آئی تو منیب کمرے میں نہیں تھا، اسے قدرے سکون

ہوا، جھک کر ٹرے رکھ رہی تھی جب وہ شخص واش روم سے برآمد ہوا۔
''کھانا کھالیں۔'' اسے دیکھے بغیر وہ منمنائی، منیب نے جواب میں اسے سلگتی نظروں سے دیکھا۔
''مل گئی فرصت؟'' بالآخر صبر تمام ہوا، وہ پھنکارنے لگا۔
''جی!'' غانیہ دھک سے رہ گئی، تو وہ اس کی توجہ کا طالب تھا، اسے یقین آکر کیسے دیتا، منیب خود بھی چونک گیا، یہ کیا کہہ بیٹھا تھا، اسے خود پہ غصہ آیا، جبھی ہیر برش زوردار آواز سے ڈریسنگ ٹیبل پہ پٹخ دیا، تب ہی حمدان دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوا تھا، دونوں کی توجہ ہٹ گئی۔
''آپ بہت لیٹ آئے پپا! میں آپ کا ویٹ کرتے کرتے سو گیا تھا۔'' باپ سے لگ کر وہ بسورنے میں مصروف ہوا، غانیہ چپکے سے باہر نکل گئی، چائے بنا کر لائی تو دونوں باپ بیٹا کھانے کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مگن تھے۔
''میں نے مما کے ساتھ مل کر جانے کی ساری تیاری مکمل کر لی ہے پپا۔'' بچہ چہک کر بتا رہا تھا، منیب نے چونک کر اسے دیکھا۔
''یہ آپ کے ساتھ جا رہی ہیں؟'' غانیہ پہ اک طنزیہ نگاہ ڈال کر وہ طنز سے ہی بولا تھا، حمدان پہلے تو حیران ہوا پھر اسی قدر افسردہ۔
''کون مما؟ یہ کیسے جا سکتی ہیں ساتھ پپا، مما کوئی ہاسٹل میں تھوڑی رہتی ہیں، گھر پہ اپنے بچوں کا ویٹ کرتی ہیں ان کے لئے کھانا پکاتی ہیں، مما بھی گھر پہ میرا ویٹ کریں گی، ہے نا مما۔''
''بالکل بیٹے۔'' وہ مسکرائی اور دودھ کا گلاس میز پہ اس کے نزدیک رکھ دیا۔
''دودھ پیئے بغیر آپ نے ہرگز نہیں سونا اوکے۔'' چائے کا مگ ساتھ میں پیناڈول اس شخص کے پاس رکھتے وہ حمدان سے مخاطب تھی، جبکہ پیناڈول دیکھ کر منیب چونک کر اسے دیکھنے لگا، اس کے سر میں شدید درد تو تھا، وہ دوا لینے کا سوچ بھی رہا تھا، مگر اسے بنا کہے کیسے معلوم ہو گیا، وہ یہی سمجھنے سے قاصر رہا، نہیں جانتا تھا، محبت ایسا طاقتور جذبہ ہے جو بنا کہے سب احوال سے آگاہ کر دیا کرتا ہے، اب وہ ابلے ہوئے انڈے چھیل رہی تھی، نفاست سے سلیقے سے کاٹ رہی تھی، نمک کالی مرچ چھڑک کر اسی خاموشی سے سرد کر کے اٹھ گئی، خاموش محبت، خاموش خدمت، کتنی اثر پذیر ہو سکتی تھی کوئی نہیں جانتا تھا، مگر وہ مگن تھی، بنار کے بنا تھکے۔
''آپ کہاں جا رہی ہیں مما، مجھے آپ کے ساتھ سونا ہے۔''
منیب نے چائے بھی پی، انڈے بھی کھا لئے، دوا بھی لے لی، اب وہ منتظر تھی پچھلے دنوں کی روٹین کے مطابق وہ جائے تاکہ غانیہ اطمینان سے لیٹ سکے، مگر وہ بستر میں گھسا تھا تو نکلنے کا نام نہیں لے رہا تھا، اس پہ حمدان کی بے چینی۔
ابھی کل ہی اماں نے کمرے میں دو لحاف دیکھ کر ایک اٹھوا لیا تھا، یہ کہہ کر کہ دوسرے لحاف کی کوئی ضرورت نہیں، میں کمرے میں کوئلوں کی انگیٹھی رکھ دیا کروں گی، ٹھنڈ خود بخود ختم ہو جائے گی، انہوں نے ایسا ہی کیا بھی تھا، منیب کی عدم موجودگی کے باعث غانیہ کو کوئی مسئلہ بھی درپیش نہ ہوا، مگر اب مسائل ہی مسائل تھے، حمدان ہی اسے نہیں پکار رہا تھا، وہ صوفے پہ بغیر لحاف کے کیسے

کیونکر سو پاتی، وہ جتنی الجھن میں تھی، وہ شخص اسی قدر لاپرواہ اور مطمئن نظر آتا تھا۔

''مما آ بھی جائیں۔'' حمدان بسورنے لگا، وہ جمائیوں پہ جمائیاں لے رہا تھا، باپ کے ساتھ بستر میں گھسا اس کا منتظر، حالانکہ باپ کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہ تھی، مگر وہ پھر بھی اس کی کو محسوس کرتا اس خلا کو پر کرنا چاہتا تھا، غانیہ کو اس پل اس شخص کی خاموشی اور اس کی نظروں کی تپش سے جی بھر کے کوفت محسوس ہوئی، آخر وہ اس کا ضبط کیوں آزمانے پہ تل گیا تھا، نئے سرے سے تذلیل کا ارادہ باندھے بیٹھا ہوگا، آخر صبح جواب دے کر وہ گستاخی کی مرتکب تو ہوئی تھی بہر حال۔

''مما!'' حمدان اب کے زور سے چیخا ساتھ پیر بھی پٹخے، غانیہ کا گیان دھیان ٹوٹ گیا، واضح بے بسی اس کے چہرے پہ نظر آئی۔

''آپ یہاں آ جاؤ حمدان، میں آپ کو سلا دیتی ہوں۔'' وہ ملائمت سے بولی تھی، دل میں ٹھان چکی تھی، ہرگز اس شخص کو اپنی توہین کا موقع فراہم نہیں کرے گی، اسے دیکھے بغیر بھی وہ منیب کی نظروں کے ارتکاز کو پوری شدت سے محسوس کر سکتی تھی۔

''وہاں صوفے پہ کب سوتے ہیں مما! سوتے تو بیڈ پہ ہیں، آپ یہاں آ جائیں، آ جائیں نا پلیز۔'' حمدان کی پھر وہی ضد، اس شخص کی سابقہ خاموشی اور غانیہ کا گریز اور بے بسی اپنی جگہ پہ قائم رہے۔

''ابھی مما نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہے حمدان، اگر لحاف میں آ گئیں تو انہیں بھی آپ کے ساتھ نیند آ جائے گی، نماز پڑھ کے پر اس میں آپ کو اپنے ساتھ سلاؤں گی۔'' وہ اسے بہلا رہی تھی اور حمدان بہلتا ہی نہ تھا، تب منیب کو بہت سرد مہری سے اس بحث کو ختم کرنا پڑا۔

''کسی کو اتنا مجبور نہیں کرتے بیٹے، اس کام پہ خاص کر، جسے کوئی کرنا نہ چاہے، آپ چپ کر کے سو جائیں پلیز، پپا کی طبعیت ٹھیک نہیں، اس شور سے ان کے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اپنی بات مکمل ہونے سے قبل وہ سر تک کمبل تان گیا تھا، غانیہ اس کی آواز میں موجود کاٹ کو محسوس کرتی اپنی جگہ پہ لخت لخت ہوتی گئی، اس کے بعد حمدان بھی کچھ نہیں بولا تھا، غانیہ کٹتے دل کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی، جانے کتنی دیر بیٹی اسی تاسف میں مبتلا رہ کر بالآخر وہ اٹھی تھی، جھک کر حمدان کو بیڈ سے اٹھانا چاہ رہی تھی جب منیب نے لحاف سے چہرہ باہر نکالا، اسے اس کے مقصد کو سمجھتے آنکھیں یکدم سلگ اٹھیں۔

''اس جھوٹی ہمدردی کی قطعی ضرورت نہیں ہے یہ اس محرومی کے ساتھ بڑا ہوا اور اس محرومی کو قبول کرے یہی اس کے حق میں بہتر ہے، تم جا سکتی ہو، جو عورت اچھی بیوی نہ بن سکے وہ اچھی ماں کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔'' منیب کا انداز جتنا بھی ٹھہرا ہوا تھا، مگر بے حد خفا اور شاکی بھی تھا، غانیہ اپنی جگہ پہ پتھر کی ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ردا کی ضرورت
عزہ خالد

پھپھو نے بات نہیں کی تھی، بم پھوڑا تھا ماما آنکھیں اور منہ پھاڑے حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں اور چچی کو دیکھ کر تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے عمارت کی دونوں منزلیں ان کے سر پر آ گری ہوں۔

پاپا اور چاچو کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی تھے، لاریب آپی جو چکن بریانی کی چمچ منہ تک لے کر جانے والی تھیں، وہ چمچ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

ہاں بس ایک احمر تھا جو مزے سے کھانا کھا رہا تھا وہ ایسے بھی گھریلو مسائل سے دور رہتا تھا، یہ گھریلو مسئلہ تو نہیں تھا، ماما اور چچی کے تاثرات دیکھ کر تو لگ رہا تھا یہ کوئی عالمی مسئلہ ہے، اس گہرے صدمے سے سب سے پہلے چچی باہر آئی تھیں۔

''ارے بی بی، یہ کوئی عمر ہے ایسی باتوں کی، اس عمر میں تو لوگوں کو شوگر ہوتا ہے دمہ ہوتا ہے اور تمہیں محبت ہوگئی ہے۔'' یہ بندوق، رائفل اور چھریاں چاقو تو یونہی بدنام ہیں لوگ تو زبان سے سامنے والے کو ایسے چھلنی کر دیتے ہیں کہ نہ وہ زندوں میں رہتا نہ مردوں میں، صدف نے دکھ سے سوچا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، یہ کوئی عمر ہے شادی کی۔'' ماما کو بھی ہوش آیا تھا انہوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ ڈالا تھا۔

''ناک کٹ جائے گی ہماری۔''

''ہائے میرے سسرال والے کیا کہیں گے۔'' لاریب آپی کی شادی کو چھ ماہ ہوئے تھے، ان چھ ماہ میں وہ ہر چھوٹی بڑی بات پر اس ایک جملے کی گردان کرتی پائی جاتی تھیں، ان کی ہر بات سسرال سے شروع ہو کر سسرال پر ختم ہوتی تھی۔

''تم نے ہماری دی آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے ہماری محبت کا یہ صلہ دیا تم نے۔'' پاپا کے کہے جملے پر صدف سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''کون سی آزادی؟'' پھپھو گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھی صبح نو بجے کالج جاتیں اور ایک بجے دو بجے تک گھر آ جاتی تھیں، پھر پورا دن گھر پر ہوتی تھیں، ماما اور چچی کی طرح سازشی ڈراموں میں ان کا کوئی انٹرسٹ نہیں تھا، سوشل لائف بھی نہیں تھی، بس ان کا ایک ہی شوق تھا کتابیں پڑھنا۔

وہ ہرگز بھی ''پھاپھے کٹنی'' ٹائپ نند نہیں تھیں، وہ کم گو اور شرمیلی سی تھیں، صدف کو انہیں دیکھ کر پرانی فلموں کی ہیروئنز یاد آ جاتی تھیں۔

جس بات پہ ہنسنا ہوتا تھا اس پر پھپھو صرف مسکراتی تھیں اس نے کبھی بھی پھپھو کو آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے نہیں دیکھا تھا۔

اور جہاں تک رہی بات محبت کی، تو اس نے آج تک پاپا یا چاچو کو پھپھو سے مسکرا کر بات کرتے تک نہیں دیکھا تھا جبکہ میں تو جب تک آذر بھائی کے کان نہیں کھا لیتی تھی مجھے سکون نہیں ملتا تھا دو سال سے آذر بھائی دبئی تھے اور وہ روز ان سے بات کرتی تھی۔

''تم ہمارا تماشا بنوا دو گی، ہم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔'' چاچو کیسے چپ رہ سکتے تھے بھلا، صدف نے دیکھا تھا پھپھو کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، وہ کرسی دھکیل کر اٹھی تھیں اور بڑی خاموشی سے وہاں سے چلی گئیں تھیں۔

وہ اپنا مقدمہ لڑے بغیر چلی گئی تھیں، صدف کو ان سب کے رویے سے بہت دکھ ہوا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ پھپھو اپنی زندگی کی سینتیس بہاریں دیکھ چکی تھیں، پر کہاں لکھا تھا کہ سینتیس

سال کی عمر میں شادی کرنے سے بھابیوں کی ناک کٹ جاتی ہے اور بھائی کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتے۔

''دیکھ لیا اپنی بہن کو اس عمر میں کیا چاند چڑھانے جارہی ہے۔'' چچی نے چچا کو مخاطب کیا تھا وہ چپ رہے تھے۔

''ماما میرے سسرال والے تو ہنسیں گے مجھ پر، پھپھو کو کیا سوجھی اس عمر میں۔'' چچی، ماما اور لاریب آپی کو گھنٹے دو گھنٹے اسی ٹاپک پر بات کرنی تھی، اس کا دل کھانے سے اچاٹ ہو گیا تھا، احمر کھانے کے ساتھ ساتھ اپنا سیل فون بھی چیک کر رہا تھا، وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے کھڑی ہوئی تھی

''تم کہاں چلی، کھانا تو ٹھیک سے کھاؤ۔'' اس کے اٹھنے کا ماما نے فوراً نوٹس لے لیا تھا۔

''میں نے کھانا کھا لیا ہے، اپنے کمرے میں جارہی ہوں، صبح کالج میں ٹیسٹ ہے اس کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ جانتی تھی ماما کے لیکچر سے بچنے کے لئے ٹیسٹ کا بہانہ چلے گا ورنہ وہ اسے غذائی کمی کا شکار ہونے والے پانچ سو چھ سو لوگوں کی کہانی ضرور سنائیں گی۔

''جاؤ شاباش اچھے سے تیاری کرنا۔'' ماما نے مسکراتے ہوئے کہا تھا وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں ٹہلتے ہوئے وہ پھپھو کے بارے میں سوچ رہی تھی، اسے پھپھو سے ہمدردی تھی، وہ چاہتی تھی کہ پھپھو کی شادی ہو جائے اور وہ نارمل زندگی گزار دیں سب کی طرح ہنسیں مسکرائیں۔

پر ماما، پاپا، چاچو، چاچی اور لاریب آپی اس اسٹوری میں ولن کا کردار ادا کر رہے ہیں اور جس کہانی میں اتنے ڈھیر سارے ولن ہوں وہاں ہیرو اور ہیروئن کا ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ کاٹ کر وہ تھک گئی تو صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''مجھے پھپھو کی مدد کرنی چاہیے...... پر کیسے؟'' وہ ان کی مدد کرنا چاہتی تھی، مگر یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے مدد کرے۔

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی سب گھر والے اپنے کمرے میں جا چکے تھے، لاؤنج میں خاموشی کا راج تھا، وہ کچن آئی اور دو کپ چائے بنا کر کپ ٹرے میں رکھے اور پھپھو کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، ان کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

''کون؟'' کافی دیر بعد پھپھو کی آواز آئی تھی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ خوب زور و شور سے رویا گیا ہے۔

''پھپھو میں ہوں صدف۔'' کہہ کر وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔

پھپھو کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھی تھیں، اس نے لائٹ آن کی، پھپھو سامنے راکنگ چیئر پر بیٹھی تھیں۔

''یہ میں آپ کے لئے چائے لائی ہوں۔'' چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' پھپھو نے کپ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

''ضرورت تھی، مجھے معلوم تھا آپ کو اس وقت چائے اور ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔'' وہ عین ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی، پھپھو نے مسکرانے کی کوشش کی تھی پر وہ ناکام رہی اپنی اس کوشش میں۔

''آپ فکر مت کریں اللہ سب بہتر کرے

گا۔'' صدف نے انہیں تسلی دی، دوسری طرف خاموشی تھی شاید انہیں کسی بہتری کی امید نہیں تھی۔

''مجھے ایک شکایت ہے آپ سے، آپ اپنے حق کے لئے لڑی کیوں نہیں، کیوں خاموشی سے اٹھ کر آگئیں۔''

''اپنوں سے کیسے لڑ سکتا ہے انسان، اپنوں سے لڑ کر نہ تو جیت کر کوئی خوشی ہوتی ہے نا ہار کر۔''

''سوری پھپھو آپ کی سوچ بہت پرانی ہے، اب وہ دور نہیں رہا، آج کوئی کسی کو کسی کا حق بن مانگے نہیں دیتا، بلکہ مانگنے پر بھی نہیں دیتا، اس لئے اپنا حق چھیننا پڑتا ہے، پاپا اور چاچو آپ کا حق کھا رہے ہیں انہوں نے کبھی آپ کے ہاتھ پر دو پیسے نہیں رکھے مانا کہ آپ کو پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ برسر روزگار ہیں پر آپ کے ان اپنوں نے کبھی اپنے ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔''

''آپ کیوں ان سو کالڈ اپنوں کے غم میں گھل رہی ہیں یہ آپ کی زندگی ہے، آپ اپنا اچھا برا سمجھتی ہیں، آپ اپنی زندگی کے فیصلے خود کریں، اپنی مرضی سے۔'' میمونہ نے حیرت سے صدف کو دیکھا تھا، جسے وہ بچی سمجھتی تھیں اسے اتنی بڑی بڑی باتیں آ گئی تھیں۔

پھپھو کو خاموش دیکھ کر وہ چائے پینے لگی تھی، چائے ختم ہو گئی تھی پھپھو کسی نادیدہ نقطے پر نظریں جمائے سوچ میں گم تھیں وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ میری باتوں پر غور کیجئے گا، یقیناً کوئی اچھا فیصلہ کریں گی۔'' دروازے تک پہنچ کر اس نے مڑ کر کہا تھا اور پھر دروازہ پار کر گئی تھی۔

☆☆☆

لاریب آپی نے میکے میں اپنا قیام بڑھا دیا تھا وہ حتمی فیصلے کے بغیر نہیں جانے والی تھیں۔

انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں ان کے جانے کے بعد ماما پاپا ان کے سسرال کا سوچے بغیر پھپھو کی شادی کے لئے ہاں نہ کر دیں، ان کی بھی سب کی طرح سر توڑ کوشش تھی کہ پھپھو کی شادی نہ ہو، وہ اکیلی ان کے حق میں لڑنے کھڑی ہو گئی تھی۔

''تم چپ کرو، تمہیں اس بارے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' چچی کے انداز پر اسے غصہ تو بہت آیا تھا پر وہ پی گئی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی، آپ لوگ کیوں ضد لگا رہے ہیں، پھپھو کے لئے رشتہ آیا ہے، ہاں کریں ان کی شادی ہو جائے گی وہ اپنے گھر کی ہو جائیں گی۔''

''اس کی عمر نہیں رہی شادی کی اب، لوگ ہنسیں گے۔''

''لوگ ہنسیں گے ہی نا، ہنسنے دیں، ہمارے کسی عمل سے کسی کے چہرے پر مسکراہٹ آ جائے گی، کتنی بڑی بات ہے یہ۔'' میں نے انہیں چڑانا چاہا تھا۔

''فضول باتیں مت کرو، لوگ باتیں بنائیں گے۔''

''لوگ تو اب بھی باتیں بناتے ہیں کہ آپ دونوں بھابھیوں نے نند کی شادی نہیں ہونے دی اب تک۔''

''ک.....ک.....کون کہتا ہے یہ سب؟'' چچی نے غصے سے پوچھا تھا۔

''لوگ۔''

''چھوڑو تحسین لوگوں کی تو عادت ہے، پتہ نہیں کیا اول فول بکتے رہتے ہیں۔'' ہر بات پر ''لوگ کیا کہیں گے'' جیسی اسٹرونگ ریزن دینے والی ماما کے دیورانی کو شانت رہنے کو کہا تھا، اس نے ان دونوں خود غرض خواتین دیکھا تھا وہ افسوس سے سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی، اس کا

رخ احمر کے کمرے کی طرف تھا اس نے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔

''کون؟'' اندر سے سوال کیا گیا تھا۔

''میں ہوں صدف۔'' کچھ دیر بعد دروازہ کھولا تھا، احمر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا اس کا خیال تھا کہ صدف آج بھی پہلے کی طرح ماما پاپا کا کوئی پیغام لے کر آئی ہوگی اور پیغام دے کر یہیں سے پلٹ جائے گی۔

''مجھے کام تھا تم سے۔'' اسے یوں دروازہ پر کھڑے دیکھ کر اس نے کہا تھا، احمر نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کے لئے راستہ دیا تھا، سامنے کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

''میں وارڈ روب سیٹ کر رہا تھا۔'' اس نے اس بے ترتیبی کی وجہ بیان کی تھی، وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''ہاں بولو۔'' احمر ابھی تک کھڑا تھا۔

''بہت ضروری بات کرنی ہے وہ یوں کھڑے کھڑے نہیں ہوگی بیٹھ جاؤ۔'' احمر کو تجسس ہوا تھا ایسا کون سا خزانے کا راز بتانے آئی تھی وہ۔

''پھپھو والے معاملے کا تو پتہ ہوگا تمہیں۔''

''کون سا معاملہ؟'' اس سوال کرتے دیکھ کر صدف کو شدید حیرت ہوئی تھی کیا وہ اتنا بے خبر تھا، آج کل ماما اور چچی کا فیورٹ ٹاپک یہی تھا۔

''پھپھو شادی کرنا چاہتی......''

''ہاں سنا تھا شاید میں نے۔'' احمر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑے عام سے انداز میں کہا تھا۔

''تم نہیں چاہتے کہ پھپھو اپنے گھر کی ہو جائیں۔'' احمر کو جیسے ہی بات سمجھ آئی تھی اس کا نفی میں ہلتا سر رک گیا تھا۔

''یہ میرا ہیڈیک نہیں ہے ماما بابا جانیں پھپھو جانیں۔'' احمر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ ہماری پھپھو ہیں ہمیں ان کے لئے سوچنا چاہیے ہمارے ماں باپ کی سوچ بس اس نکتے پر رک گئی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔'' لوگ تو اب بھی چپ نہیں رہتے پھپھو کو دیکھ کر حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ ان کی اب تک شادی کیوں نہیں ہوئی۔''

''لوگوں کا کام تو باتیں بنانا ہے لوگ تو تب تک بولتے رہیں گے جب تک ہم ان کی سنیں گے، اس گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے ان کی فکر ہو، میں چاہتی ہوں کہ تم میرا ساتھ دو، ہم دونوں مل کر پھپھو کی شادی کرواتے ہیں۔''

''پھپھو شادی کس سے کرنا چاہتی ہیں؟'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''پھپھو کے کولیگ ہیں ابراہیم انور نام ہے ان کا، ان کی پہلی بیوی کی ڈیتھ ہو چکی ہے، انہوں نے پھپھو کو پرپوز کیا ہے۔'' اس نے پھپھو سے لی تمام معلومات اس تک پہنچائی تھیں۔

''میں ماما پاپا سے بات کروں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں نے سب سے بات کر کے دیکھ لی ہے کوئی بھی بات سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔''

''تو پھر......؟'' احمر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا صدف نے اسے اپنا پلان بتایا تھا۔

''کیا؟ اس کے بعد تو ماما پاپا ہمیں گھر سے نکال دیں گے پھپھو سمیت۔'' اس کا پلان سن کر وہ چلایا تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا، اس کے بعد ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچے گا پھپھو کو دھوم دھام سے رخصت کرنے کے علاوہ۔''

''مگر......''

''اگر مگر کو چھوڑو، یہ سوچو ہماری اس ذرا سی کوشش کے بعد پھپھو کی زندگی میں سنور آ جائے گی، وہ اپنے گھر کی ہو جائیں گی۔'' احمر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''کچھ عجیب نہیں لگے گا ہم اپنی پھپھو کی شادی کروائیں گے۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد احمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''بالکل عجیب نہیں لگے گا، تم بتاؤ تم میرا ساتھ دو گے یا نہیں؟''

''ساتھ تو دوں گا مگر......''

''مگر......؟''

''تم ایک مرتبہ سوچ لو کہیں......''

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے اور اب جا رہی ہوں پھپھو کو منانے۔''

پھپھو نے شروع میں انکار کیا تھا پر دوسری طرف صدف تھی جس نے انہیں منا کر ہی دم لیا تھا۔

☆☆☆

پھپھو کا نکاح ابراہیم انور سے ہو گیا تھا اس نکاح کے گواہوں میں احمر اور صدف بھی شامل تھے۔

صدف نے پھپھو کے کان میں وہ تمام ڈائیلاگز اڈیل دیئے تھے جو انہیں گھر جا کر کہنے تھے۔

''میں نے ابراہیم انور سے نکاح کر لیا ہے۔'' پھپھو نے آج تو بیچ میں ہی بم پھوڑ دیا تھا۔

چچی کے سر پر تو آج بیچ میں عمارت گر ہی گئی تھی جیسے، ماما اور باقی سب سکتے میں چلے گئے تھے، سوائے احمر اور صدف کے جو کھانا کھانے کے ساتھ سب کے تاثرات نوٹ کر رہے تھے۔

''یہ......یہ......یہ......کیا کہہ رہی ہو؟'' آج چچی سے پہلے ماما ہوش میں آئی تھیں۔

''وہی جو آپ سن رہی ہیں۔''

''پر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔'' ماما کو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''آپ کی ناک کٹنے سے بچا لی بھابھی میں نے۔'' طنزیہ لہجے اشارہ ماما کی طرف تھا۔

ایک ایک کر کے سب سکتے سے نکلتے گئے تھے، سبھی حیرت سے پھپھو کو دیکھ رہے تھے پھپھو نے اپنا مقدمہ لڑا تھا اور کیا خوب لڑا تھا صدف نے ان کی نظر اتاری تھی۔

اور پھر ایک ہفتے بعد گھر اس بڑے سے لان میں ایک تقریب منعقد کی گئی تھی اور پھپھو کو بڑے دھوم دھام سے ابراہیم انور کے سنگ رخصت کر دیا گیا تھا، وہ بہت خوش تھی اس کی کوششوں سے پھپھو کی شادی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''اے ہیلو تھینک یو نہیں بولو گی مجھے۔''

پھپھو کو رخصت کر کے ماما اور چچی رشتے دار خواتین کے ساتھ بیٹھی خاندانی سیاست ڈسکس کر رہی تھیں پاپا اور چاچو ملکی سیاست اور وہ ان سب سے دور ہٹ کر بیٹھی اپنے کارنامے پر خوش ہو رہی تھی تبھی احمر وہاں آیا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیونکہ وہ تمہاری بھی اتنی ہی پھپھو ہیں جتنی میری۔''

''اچھا...... سنو ایک اور شادی کروانی ہے۔''

''میں نے کوئی میرج بیورو نہیں کھولا ہوا۔'' چڑتے ہوئے اس نے کہہ تو دیا تھا پر پھر فوراً

تجسس ہوا اسے۔

''ویسے شادی ہے کس کی؟''

''میری۔''

''تمہاری؟'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کس سے کر رہے ہو؟'' بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''تم سے۔''

''م......م...... میں...... میں۔''

''اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو، اتنا برا ہوں کیا میں؟'' اسے یوں حیران پریشان دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''برے تو نہیں مگر......'' اس نے ایک نظر غور سے اسے دیکھا تھا احمر بہتر نہیں بہترین تھا دوسری نظر اس کی چچی پر پڑی تھی۔

(چچی جیسی ساس)

''مگر کیا؟'' احمر نے بے تابی سے پوچھا تھا وہ اس کے جواب کا منتظر تھا، دوسروں کے لئے خود کو ہلکان کرنے والی یہ لڑکی سیدھا اس کے دل میں گھر کر گئی تھی، وہ پاپا سے بات کرنا چاہتا تھا پر پہلے اس کی رائے جاننا بھی ضروری تھا، اگر وہ انکار کرتی تو یقیناً احمر کو دکھ ہوتا۔

صدف کی نظر چچی کے ساتھ بیٹھی ماما پر پڑی تھی، (چچی اگر میری ساس بنیں گی تو ماما بھی تو احمر کی ساس بنیں گی اور ان دونوں خواتین میں کچھ اتنا خاص فرق نہیں ہے، ان دونوں کی نیچر ایک ہی جیسی ہے)

''ہنس کیوں رہی ہو؟'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''ایسے ہی؟''

''کچھ پوچھا تھا تم سے؟'' اسے اپنے سوال کا دوٹوک جواب چاہیے تھا۔

''تمہیں چچا سے بات کر لینی چاہیے۔'' مسکراتے ہوئے کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی تھی، کچھ دیر سوچنے کے بعد احمر کو اس کی بات سمجھ آ گئی تھی، وہ مسکراتا ہوا اسے جاتا دیکھ رہا تھا، پھپھو کی لو اسٹوری کا ہیپی اینڈ کرتے ہی اس کی اپنی زندگی میں لو اسٹوری کی ہیپی اسٹارٹنگ ہو گئی تھی۔

اسٹارٹ اچھا تھا تو یقیناً اینڈ بھی اچھا ہی ہونا تھا۔

☆☆☆

ادھورے خوابوں کا محل
مصباح نوشین

دوسری قسط

اسی وقت پولیس کا گاڑی کا سائرن بجنے لگا تھا حبشیوں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی تھی مگر ایک حبشی کو میکس نے پکڑ لیا تھا دوسرے حبشی ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے یقیناً انہیں بھی پولیس پکڑ سکتی تھی، پریت پچھلے پندرہ منٹ سے پیا کا نکڑ پر کھڑی انتظار کر رہی تھی جو دو منٹ کا کہہ کے ابھی تک نہیں آئی تھی فضا میں پولیس کے بجتے سائرن اور مرکزی سڑک پر لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر پریت کو انہونی کا احساس ہوا تھا اس نے فوراً سپر اسٹور جس کا نام انہوں نے اے لی سپر سٹور رکھا تھا گاڑی فوراً ان کی جانب موڑ لی تھی مگر آگے کا منظر دیکھ کر پریت کو اپنے اوسان خطا اور ہاتھوں پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی، چند پولیس اہلکار ایک نوجوان لڑکے کی مدد سے بے ہوش پیا کو اٹھاتے گاڑی میں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے، حواس باختہ سی پریت فوراً بھیڑ کو چیرتی پیا تک پہنچی تھی، میکس کروک نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا وہ یقیناً پریت ہی تھی جو اس کی ایگزیبیشن والے روز اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

''کیسے ہوا یہ سب؟'' پریت بے ہوش پڑی پیا پر نگاہ جمائے پوچھ رہی تھی۔

''چند ایک حبشیوں نے سٹور لوٹنے کی کوشش میں پیا کو زخمی کر دیا ہے وہ تو اتفاق سے میں یہاں سے گزر رہا تھا جو میری نظر پڑ گئی ورنہ شاید بہت دیر ہو جاتی۔'' میکس نے ہسپتال پہنچ کر پیا کو ایمرجنسی میں ایڈمٹ کروانے کے بعد تسلی سے پریت کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

''تھینکس اے لاٹ، میکس اگر آپ نہ ہوتے تو یقیناً بہت دیر ہو جاتی۔'' ساری تفصیل سننے کے بعد پریت نے تشکر سے کہا تھا۔

''پلیز ایسا کہہ کے مجھے شرمندہ مت کریں،

مکمل ناول

انسانیت کے ناطے یہ تو میرا فرض تھا اور فرائض کی ادائیگی میں شکریہ کیسا؟'' جواباً وہ بہت اپنائیت سے بولا تھا تبھی ایک ڈاکٹر اور نرس باہر نکل کر ان کے نزدیک آئے تھے۔

''مریض کا خون بہت بہہ چکا ہے اور ہمیں فوری طور پر بلڈ کی ضرورت ہے O پازیٹو بلڈ کا فوری طور پر انتظام کریں، ہمارے بلڈ بینک میں ختم ہو چکا ہے۔''

''او پازیٹو تو میرا بھی ہے، ڈاکٹر میں بلڈ دینے کو تیار ہوں۔'' وہ پریت کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر ان کے ساتھ چل پڑا پریت اس کی حرکات وسکنات اور افراتفری دیکھ کر رہ گئی تھوڑی دیر بعد جسی سنگھ بھی آ گیا تھا پریت نے ساری صورتحال اور پیا کی کنڈیشن بتاتے اسے میکس کروک کے متعلق بتایا تھا۔

''بلڈ میکس نے دیا ہے۔'' جسی کے کہنے میں بے حد حیرت پنہاں تھی۔

''سارے چارجز بھی اس نے ادا کیے ہیں۔'' پریت نے جسی سنگھ کی حیرت میں مزید اضافہ کیا۔

''کیا بات ہے پریت! انسانیت کے جذبے سے لبالب بھری شخصیت کا مالک ہے پھر تو...... حالانکہ اتنا مشہور بندہ ہے پر غرور نام کو نہیں۔'' اپنے سادہ انداز بیان میں اس نے ایک بڑی بات کی تھی سکھ برادری چاہے جتنا مرضی پڑھ لکھ جائے پر اپنے اقدار، رواج اور زبان کی اہمیت کو کبھی بھی نہیں بھولتے، جذبہ دوستی اور ہمدردی وخلوص اس قوم کی رگ رگ میں سینچ سینچ کر بھرا ہوا ہے۔

''ہاں میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ میکس کروک کی ذات عاجزی وانکساری کا منبع ہے، آج جس طرح سے اس نے پیا کی مدد کی وہ واقعی میں قابل تعریف وتحسین ہے۔''

''پر مجھے ایک بات بہت پریشان کر رہی ہے پریت!'' جسی سنگھ نے پیشانی مسلتے فکرمندی سے کہا تھا۔

''کون سی بات؟'' پریت کو بھی تجسس ہوا تھا۔

''میکس کروک کیتھولک ہے جبکہ پیا مسلمان، کیا خبر ایک مسلمان لڑکی کو اجازت نہ ہو ایک غیر مسلم سے بلڈ لینے کی۔'' جسی سنگھ نے ایک خاص اور اہم نکتہ اٹھایا تھا جس پر شاید باقی کسی کی سوچ ہی نہ جاتی، پریت کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''ہائے بابا جی تسی پاگل ہو گئے او، انسانیت کا رشتہ سب سے بڑا رشتہ ہے اور جب کسی کی زندگی کا سوال ہو تو ایسے چھوٹے موٹے مسائل نظرانداز ہو جاتے ہیں اور پھر جتنا میں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے تو اس میں مجھے وہ خیر کا دین لگا ہے اور ایسے نازک وقت کے حساب سے بھی یقیناً کوئی نرمی ہوگی ان کے مذہب میں۔''

''تو ٹھیک کہہ رہی ہے پریتو!'' جسی سنگھ نے اس سے متفق ہوتے کہا تھا۔

''کتنی مرتبہ کہا ہے کہ مجھے پریتو نہیں پریت کہا کریں مگر آپ بھی ناں جان بوجھ کے مجھے جلاتے رہتے ہیں۔'' پریت کے خفا خفا انداز پر جسی سنگھ کو بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔

''اوئے تجھے جلانے کا بھی تو اپنا ہی مزہ ہے۔'' انہوں نے پریشان بیٹھی پریت کو چھیڑ کر اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔

انہیں وہاں بیٹھے تقریباً ایک گھنٹے سے زائد ہو گیا تھا تبھی نرس نے انہیں آ کر پیا کے ہوش میں آ جانے کی خوشخبری سنائی تھی، میکس ابھی لیبارٹری میں تھا، جسی سنگھ نے اس کے لئے گرما

گرم کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس منگوائے تھے کہ خون دینے کے بعد جسم میں بے حد نقاہت محسوس ہوتی ہے، پریت پیا کی جانب بڑھی تھی مگر اس سے پہلے ہی پولیس اس کا بیان ریکارڈ کرنے کے لئے پہنچ چکی تھی، وہ پیا کے پاس جانے کے بجائے میکس کے پاس چلی آئی تھی جہاں جسی اسے کافی کے ساتھ ایک آدھ اسنیکس کھلانے کی کوشش کر رہے تھے اور میکس تھا کہ ضدی بچے کی طرح سے اینٹھ رہا تھا۔

''لو دیکھ لو پریت، تمہارے فیورٹ پینٹنگ آرٹسٹ تو بہت ضدی واقع ہوئے ہیں کچھ کھا رہے ہیں نہ پی رہے ہیں۔'' پریت کو اپنے نزدیک آتے دیکھ کر فوراً جسی نے شکایت لگائی تھی۔

''یہ تو بالکل بھی اچھی بات نہیں ہے میکس! دو ڈریس بلڈ کی دینے کے بعد کچھ نہ کچھ آپ کو لازمی کھانا پڑے گا اور یہ ڈاکٹر کی ہدایت ہے جس پر عمل ہر اچھے اور فرمانبردار مریض کو کرنا چاہیے۔'' وہ جسی سنگھ کے ہاتھوں اسنیکس والی پلیٹ تھامتے بولی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں پریت! بس میں نہ تو نقاہت محسوس کر رہا ہوں نہ ہی میرے دل کو گھبراہٹ ہو رہی ہے بلکہ میں تو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں بہت خوشگوار موڈ ہو گیا ہے سکون سا محسوس کر رہا ہوں۔'' اس نے کھلے دل سے اعتراف کرتے بے حد دوستانہ انداز میں بتایا تھا پریت کو حیرت بالکل بھی نہیں ہوئی کہ میکس کو ایسا ہی محسوس ہونا تھا مقابل اس کی پسندیدہ ترین ہستی جو تھی۔

''او کے فی الوقت مجھے اجازت دیجئے کل مجھے اٹلی کے لئے نکلنا ہے، ابھی مجھے پیکنگ بھی کرنی ہے۔'' اس نے کافی کا خالی مگ ٹیبل پر رکھتے اجازت طلب کی تھی۔

''ارے پہلے پیا سے تو مل لیجئے۔'' پریت نے فوراً کہا تھا۔

''ازشی از او کے ناؤ؟'' اس نے جاتے جاتے مڑ کر پوچھا تھا، پریت نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

پاکستان میں بیٹھی اماں کو نجانے کیوں کل کا سارا دن اور رات ہول اٹھتے رہے تھے، ان کا دل طرح طرح کے واہموں اور اندیشوں سے گھبرا ہوا سا تھا ایک دھڑکا سا تھا جوان کے دل کو لگا تھا جانے کیوں مگر رہ رہ کر ان کی پیاسی ممتا پیا کے لئے تڑپ رہی تھی، وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھیں، فی الفور، زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں اپنے کسی فیصلے پر پچھتاوا ہوا تھا اور وہ پیا کو اتنی دور بیاہ کر بے حد پچھتا بھی رہے تھیں اگر وہ ان کے پاس ہوتی تو فوری طور پر اس کی خیریت سے آگاہ ہو جایا کرتی مگر اب وہ سات سمندر پار بیٹھی تھی کہ جہاں دن اور رات کے اوقات میں ہی دن رات کا فرق تھا، جب پیا کے ہاں دن ہوتا ان کی رات ہو رہی ہوتی اور جب وہ جاگ کر دن کے امور سر انجام دے رہی ہوتیں تب پیا آرام کے مزے لوٹ رہی ہوتی تھی، شام کو واثق گھر آیا تو انہوں نے بڑی بے تابی کے ساتھ اسے پیا کو کال کرنے کا کہا تھا، کچھ اس انداز میں کہ خود واثق بھی گھبرا گیا تھا۔

''خیریت چچی جان!'' نمبر ملاتے ہو متوحش پوچھ رہا تھا۔

''پتا نہیں خیریت ہے بھی کہ نہیں بیٹا، مجھے تو طرح طرح کے واہمے ستا رہے ہیں۔''

''اچھا آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو گا انشاء اللہ۔'' اس نے گھر کا نمبر ڈائل کیا تو وہ بند تھا

اس نے پیا کا نمبر ٹرائی کیا تو وہ بھی بند تھا۔
''نمبرز آف جا رہے ہیں لینڈ لائن کوئی اٹھا نہیں رہا۔''
''ہائے اللہ خیر کرنا میرے بچوں کے ساتھ، ان کا فون تو کبھی بھی آف نہیں جاتا آج کیوں جا رہا ہے، تم نے فرحاب کا نمبر ملایا؟''
''ہو گیا ہو گا کوئی مسئلہ چچی جان! آپ جانتی تو ہیں پیا کی لاپرواہ فطرت کو، بزی ہو گی اپنے کسی کام میں اور سیل فون کسی نہ کسی کونے یا صوفے کے نیچے پڑا دہائی دے رہا ہو گا، ہاں فرحاب بھائی کا ملا کر پتہ کرتا ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد فرحاب سے بات چیت کرنے کے بعد انہوں نے چچی جان کو تسلی کروائی تھی۔
''فرحاب بھائی تو کسی کام سے بوسٹن گئے ہوئے ہیں صبح لوٹیں گے، میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ پیا سے رابطہ کر کے کہیں کہ آپ سے بات کر لے، ویسے وہ اسے اپنے کسی سکھ دوست کی فیملی کے پاس چھوڑ کر بوسٹن گئے تھے، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔'' واثق نے اماں کو تسلی دی تھی مگر ان کا وہمی دل پھر بھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

''گیٹ ویل سون پیا!'' میکس کروک نے اس کے زرد سے کھنڈے خوبصورت و حسین چہرے کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے کہا تھا، پیا کو شدید چوٹیں آئی تھیں حبشی کا طرح طرح کے سٹونز سے مزین پلاٹینم کی انگوٹھی والا بھاری ہاتھ پوری قوت سے پیا کی ناک پر لگا تھا شکر تھا کہ ناک کی ہڈی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی مگر اس کی ناک دائیں نتھنے سے بائیں تک پھٹ گئی تھی اس پر اسٹیچز لگائے گئے تھے، یہی حال کنپٹی کی چوٹ کا بھی تھا مگر وہاں اسٹیچز لگانے کی نوبت نہیں آئی تھی مگر اس کی ناک اور سر سے کافی سے زیادہ خون بہہ گیا تھا اور اسے ری کور کرنے میں یقیناً چند دن لگنے تھے۔
''تھینکس اے لاٹ فار ایوری تھنگ!'' پیا نے بمشکل تمام خود کو بولنے پر آمادہ کرتے کہا۔
''یہ تو میرا فرض ہے پلیز ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔'' اس نے مروت سے زیادہ شاید دل لگی نبھائی تھی شام سے جانے کتنی ہی بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتے اس نے خود کو شاباش دی تھی اس نے بغیر اس کے علم میں لائے اس کا پورٹریٹ نہیں بنایا تھا وہ شادی شدہ تھی اور اس کا شوہر بے حد ماڈرن نظر آنے کے باوجود بھی بے حد پوزیسو اور کنزرویٹو خیالات کا مالک تھا، اس کے علاوہ تمام دیگر معلومات جوزف نے اسے شام کو بتائی تھیں اس دن وہ کانٹی نینٹل ڈیپارٹمنٹ سے لوٹ رہا تھا جب ایک آخری بار وہ اس کا چہرہ دیکھ کر اپنے جنون کو پرکھنا چاہتا تھا کہ آیا اس چہرے کو پورٹریٹ کرنا اس کے لئے ناگزیر ہے یا اس خواہش سے دستبردار ہوا جا سکتا ہے مگر اسے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا گلاس ونڈو سے نظر آنے والا منظر اتنا دلخراش تھا کہ اس کے اپنے بھی ہوش اڑ گئے تھے، وہ حبشی مردوں اور عورتوں کی فطرت سے بخوبی آگاہ تھا، وہ جانتا تھا کہ پیہ کی لاج میں وہ اس کے خوبصورت وجود کا کیا حشر کر سکتے ہیں سو اس نے فوراً گاڑی سے نکلنے سے پہلے پولیس کو کال کی تھی بہت بچپن ہی میں وہ کراٹے میں بلیک بیلٹ رہ چکا تھا اور اس روز اس نے اپنی اسی صلاحیت سے فائدہ اٹھاتے اس حبشی کو پکڑا تھا جس نے پیا پر ہاتھ اٹھایا تھا اور پھر اسے ہسپتال لانے اور بلڈ ڈونیٹ کرنے تک وہ سب کچھ میکانکی انداز میں ہوا تھا اس کے ذہن میں اور کوئی سوچ نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ پیا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

وہ پیا کو اس حالت میں دیکھ کر بے حد پریشان تھا اس کے ذہن پر بس پیا ہی سوار تھی، کچھ دیر کو اس نے سوچا کہ وہ اپنا اٹلی جانا کینسل کر دے وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ اس کے آرگنائزر کا فون آ گیا تھا، وہ اس سے ایگزیبیشن کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے اٹلی کے لوگوں کے میکس کروک کی اپنے ملک میں ایگزیبیشن پر بے حد جوش وخروش کے بارے میں بتا رہا تھا، اٹلی جو فن پاروں کی زرخیز زمین تھی جہاں آرٹ سڑکوں پر بکھرا ملتا ہے میکس نے اٹلی میں سڑکوں پر پینٹنگز بنی دیکھی تھیں اور اس قدر خوبصورت آرٹ کہ کیا ہی کوئی آرٹسٹ ایزل پر بنا پایا ہوگا، وہ لوگوں کو اس کی آمد کے متعلق خوشی اور جوش و جذبات کے ساتھ ساتھ اس قدر انتظار پر اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا پایا تھا وہ انہیں انکار نہیں کر پایا تھا سو اس نے اپنی ایگزیبیشن ختم ہوتے ہی وہاں سے واپسی کا قصد کرنے کا سوچا تھا حالانکہ اسے فلورنس کے علاوہ روم میں بھی اپنی ایگزیبیشن کرنا تھی پر اب اس کا ارادہ بدل گیا تھا۔

☆☆☆

واثق کے فون کے بعد فرحاب نے پیا کا موبائل نمبر ٹرائی کیا تھا وہ بند تھا پھر اس نے سپر سٹور پر کال کی تو وہاں کسی نے بھی نہیں اٹھایا گھر پر کیا تو بھی یہی حال تھا فرحاب نے سوچا گھر کو لاک لگا کر وہ بریت کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی ہوگی، لیکن پھر بھی اسے اپنا سیل فون تو اپنے پاس رکھنا چاہیے تھا، اسے پیا کی لاپروائی پر غصہ آ رہا تھا، اس نے جس وقت جسی بھاء جی کو کال کی تو اس وقت پیا دوبارہ بے ہوشی میں چلی گئی تھی کچھ ڈاکٹرز نے اسے خود بھی پرسکون رہنے کے لئے انجکشنز دیئے تھے، جسی بھاء جی کے بتانے پر فرحاب کو شدید صدمہ پہنچا تھا اس کی ابھی اپنے سپر اسٹور کی انشورنس بھی مکمل نہیں تھی اور روبری کے دوران یقیناً وہاں توڑ پھوڑ بھی ہوئی ہوگی پھر پیا کو جو شدید چوٹیں آئیں تھیں اس کے علاج معالجے میں بھی کافی رقم خرچ ہونا تھی پولیس کیس میں وکیل کی فیس الگ بھرنی پڑتی، فرحاب شفیق نے لمحوں میں سارا حساب لگایا تھا وہ ایک کاروباری ذہن کا بندہ تھا جو نقصان کسی بھی طور پر گوارا نہیں کرتا تھا اس کے حالات بھی ایسے نہ تھے۔

''پیا اب کیسی ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''بہتر ہے، مگر ابھی ہوش میں نہیں ہے۔'' جسی بھاء جی نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے اسے تسلی دی تھی وہ جانتے تھے کہ فرحاب شفیق اپنی بیوی کے زخمی ہونے کی خبر سن کر بے حد مضطرب ہوا ہے حالانکہ وہ پیا سے زیادہ ان تمام اخراجات کے لئے پریشان ہوا تھا جو اس سارے کھڑاک کی صورت اسے بھرنے پڑتے، مگر فرحاب شفیق اپنے جذبات اور عزائم کو ہوا تک نہ لگنے دینے والا بندہ تھا، سو اس نے تاثر یہی دیا کہ وہ پیا کے لئے فکر مند ہوا ہے۔

''او کے، میں جلدی ہی پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''نہیں تم اپنا کام ختم کر کے لوٹو، یہاں سارا معاملہ میں سنبھالوں گا ڈونٹ وری بھرجائی جی اب پہلے سے بہت بہتر ہیں۔'' جسی بھاء جی نے اسے تسلی دی تھی مگر فرحاب شفیق کو اب سکون کہاں آنا تھا بیٹھے بٹھائے اتنا خرچ اس کے حصے میں آ چکا تھا۔

''نہیں یار! کام تو میرا بھی تقریباً ختم ہو چکا

ہے میں آج رات ہی ٹکٹ بک کرواتا ہوں صبح تک انشاء اللہ میں پہنچ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے یار، جیسے تمہاری مرضی۔'' جسی بھاء جی نے فون بند کیا تھا، فون بند کرنے کے بعد اس نے پاکستان فون کر کے بے حد پریشانی کا مظاہرہ کرتے پیا اور اپنے گھر والوں کو اطلاع کی تھی۔

☆☆☆

فرحاب شفیق کو دیکھ کر پیا خود پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی اور بے اختیار رو دی تھی، فرحاب شفیق نے بے حد نرمی سے اس کا سر سہلاتے اسے خاموش کروایا تھا، چند لمحے کے لئے پیا کی مخدوش حالت دیکھ کر اسے اپنی سوچ پر بے حد شرمندگی ہوئی تھی، کچھ بھی تھا وہ اس کی بیوی تھی جو اس سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی وفادار بھی تھی، حالانکہ اس نے تو عرصہ ہوا عورت ذات پر اعتبار کرنا تو دور کی بات اسے درخور اعتنا سمجھنا ہی چھوڑ دیا تھا، افراح کی ذات سے ملنے والے صدمے نے اسے اس قابل چھوڑا ہی کہاں تھا وہ تو شادی کے نام سے ہی خائف تھا مگر پاکستان جانے پر اماں کی منت سماجت اور پھر خاندان کی شادی میں پیا کو دیکھ کر اس کا دل ایک مرتبہ پھر عورت ذات کے لئے گداز ہوا تھا، اس کا دل ایک مرتبہ پھر اپنی زندگی کو رنگوں سے مزین کرنے کو چاہا تھا اور پھر پیا کی ذات نے اسے مایوس بھی نہیں کیا تھا وہ بے حد مخلص، بے ریا اور سادہ لڑکی تھی جو زمانے کی چالاکیوں سے لاعلم بس سیدھے راستے کی مسافر تھی، ہیر پھیر یا راستہ بدلنے کی اسے عادت ہی نہ تھی۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ پی! مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی۔'' وہ اس کا ہاتھ نرمی سے سہلاتے ہوئے اب کی بار دل سے کہہ رہا تھا، پیا نے اس کے الفاظ سے نئی زندگی کی لہر اپنے پورے وجود میں دوڑتی محسوس کی تھی۔

''اب آپ آ گئے ہیں ناں اب میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' نقاہت کی وجہ سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا مگر پھر بھی اس نے فرحاب شفیق کو جواب ضرور دیا تھا۔

''آپ ناصر سے ملے کیا؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔

''میں سیدھا ہسپتال ہی آ رہا ہوں، کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''اتفاق سے اس روز میں نے ناصر کو چار بجے ہی کیش بینک میں جمع کروانے کو بھیج دیا تھا، سٹور میں اس وقت اکیلی تھی جب وہ حادثہ ہوا لیکن شکر ہے کہ کیش بچ گیا۔''

''اوہ پی! تم کتنی سمجھدار ہو، تم جانتی ہو وہ ہمارے چھ مہینے کی سیونگز اور پرافٹ تھا جو میں نیا سٹور شروع کرنے کی غرض سے جمع کر رہا تھا۔'' فرط جذبات سے مغلوب ہو کر فرحاب شفیق نے پیا کا ہاتھ چوم لیا تھا، وہ اکثر اسے بہت لاڈ میں پی کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور ایسا اکثر واثق بھائی بھی تو کہا کرتے تھے۔

''طبیعت خراب تو نہیں اب تمہاری۔'' پیا نے اس کے پوچھنے پر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''آر یو شیور کہ تمہیں کوئی درد یا تکلیف نہیں ہے؟'' فرحاب شفیق کی پھر بھی تسلی نہیں ہو پائی تھی۔

''او کے، اگر ٹھیک ہو تو پھر اپنی اماں سے بات کر لو، بہت پریشان ہیں تمہارے لئے۔'' اس نے جیب سے سیل فون نکال کر نمبر ملاتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ نے انہیں بتایا تو نہیں کہ میں ہاسپٹل میں ہوں۔'' پیا نے تشویش سے پوچھا تو

فرحاب شفیق دھیمے انداز میں بولا۔
''وہ ماں ہیں پیا! اور ماں تو اپنے اولاد کے دکھ پر عالم برزخ میں بھی تڑپ جاتی ہے ماؤں کے دل کو سب خبر ہو جایا کرتی ہے انہیں کچھ بتانے کی نوبت ہی نہیں آیا کرتی۔'' انہوں نے اسے سیل فون تھماتے ہوئے کہا جس پر اب بیل جارہی تھی، پیا نے خاموشی سے سیل فون تھام لیا تھا مگر اس کے گلے میں کھارا پانی جمع ہونے لگا اپنوں سے دوری اور اپنی مخدوش حالت، ایکدم سے بے بسی وحشت بن کر پورے وجود میں چکرانے لگی تھی۔
''السلام علیکم اماں! کیسی ہیں آپ؟'' پیا نے اماں کی آواز سنتے ہی خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوشش کی۔
''تو مجھ نمانی کو چھوڑ، اپنی بتا تو کیسی ہے میں تو کانٹوں پر لوٹ رہی ہوں یہاں تیری پریشانی میں۔'' اماں نہ چاہتے ہوئے بھی رو دیں۔
''میں اب بہت بہتر ہوں اماں، زیادہ چوٹیں نہیں آئیں مجھے، ایک دو روز میں بالکل ٹھیک ہو کر کام پہ جانے لگوں گی۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ماں کو تسلی دی تھی، فرحاب شفیق کو یہ منظر دیکھ کر بھلے کچھ خاص نہ لگا ہو مگر دروازے کے فریم میں کھڑے میکس کروک کو یہ دھوپ چھاؤں جیسا منظر بے حد دل پذیر محسوس ہوا تھا، ماں کو تسلی دیتے سمے پیا کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر نرم سی مسکان تھی۔
''ارے کام کو مارو گولی، ابھی بھی کیا کوئی کسر رہ گئی ہے۔'' وہ تو یوں بدکیں گویا کسی نے بالٹی بھر ٹھنڈا پانی ان پر انڈیل دیا ہو۔
''تو اماں! یوں فارغ بھی تو نہیں رہ سکتی، یہاں اتنی تنہائی اور اکیلا پن ہے اماں کہ انسان اپنی ہی آواز بھول جاتا ہے یہاں کی مشینی زندگی میں سروائیو کرنے کے لئے مشین بننا پڑتا ہے۔'' اس نے بے حد نرم خوئی سے اماں کو سمجھایا تھا ایک ہاتھ میں فون پکڑا ہوا تھا اور دوسرے سے چہرے پر آئے بال ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی، میکس نے وہ دلفریب منظر دلجمعی سے دیکھا تھا۔
''پلوشے!'' وہ اماں کے تخاطب پر چونکی اماں ایسے اس کے پورے نام سے تب ہی پکارا کرتی تھی جب ایسی کوئی بہت خاص بات کہنی ہوتی تھی۔
''جی اماں!'' پیا کا رواں رواں کان بن گیا۔
''کبھی کبھار مجھے لگتا ہے میں نے تیرے ساتھ بڑی زیادتی کر دی، تجھے تیری مرضی کے خلاف پردیس میں بیاہ کے۔'' ان کے لہجے میں پچھتاوے کی سلگن تھی اور ہوکے تھے۔
''کیسی باتیں کرتی ہیں اماں، زیادتی کیسی اور پھر آپ میری ماں ہیں میرے بھلے کے لئے ہی کیا آپ نے یہ سب پھر میں اپنی ازدواجی زندگی میں بے حد خوش اور مطمئن ہوں اور یہ شہر اتنا خوبصورت ہے اماں کہ نظر اس کی اونچی اونچی بلڈنگ پہ ٹھہرتی ہی نہیں، یہاں کا سمندر مارکیٹیں پکنگ پوائنٹس، میوزیم آرٹ گیلری سب بے حد منفرد اور اچھوتی تاریخ سموئے ہوئے ہیں اپنے اندر، مجھے تو سچ میں بہت اچھا لگا ہے یہاں آ کر۔'' اس نے بھرپور انداز میں ماں کی تشفی کروائی تھی، تبھی بات کرتے کرتے پیا کی نظر دروازے میں کھڑے میکس کروک پر پڑی تھی۔
''ابھی رکھتی ہوں اماں بعد میں بات کروں گی ابھی کچھ مہمان آئے ہیں۔'' اس نے جلدی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا پیا نے دروازے میں کھڑے میکس کی طرف ایک خیر مقدمی مسکراہٹ

اچھالی تھی۔

''ہائے ہاؤ آر یو؟'' گرے ڈریس پینٹ میں لائٹ گرے شرٹ پہنے بلیک ٹائی لگائے وہ بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا، اس نے گرے کلر کا کوٹ اپنے بائیں بازو پر پھیلا رکھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' پیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا فرحاب شفیق بے اختیار سیدھا ہو کر آنے والے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے میکس کروک کو پہچان لیا تھا اسے کون نہیں پہچان سکتا تھا۔

''یہ میرے ہزبینڈ ہیں فرحاب۔'' پیا نے تعارف کی رسم نبھائی تھی، جسی بھابی اور پریت کی زبانی فرحاب کو میکس کروک کے حوالے سے ساری جانکاری تھی سو اس نے بے حد احترام اور خلوص کے ساتھ میکس کے ساتھ آداب میزبانی نبھائی تھی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر اور بہت بہت شکریہ میکس اگر اس روز آپ نہ ہوتے تو۔''

''جان بچانے والی تو اوپر والے کی ذات ہے، میں تو فقط ذریعہ بنا ان کے لئے اور پلیز شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ مت کریں۔'' اس نے فرحاب شفیق کی بات کاٹتے نرمی اور عاجزی سے کہا تھا، پھر اپنے ہاتھوں میں پکڑے سرخ گلاب کے بوکے کو پیا کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''دس از فار یو۔'' پیا نے مسکراتے ہوئے پھول تھام کر ان کی خوشبو سونگھی تھی، بے حد معطر اور دلفریب مہکتی ہوئی خوشبو تھی، پیا نے اپنی سانسیں تک مہکتی محسوس کیں۔

''تھینک یو سو مچ میکس! کافی پئیں گے؟'' پیا نے شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بے تکلفی سے پوچھا تھا وہ شخص اس کا محسن تھا اس نے پیا کی زندگی بچائی تھی اپنا خون تک دیا تھا وہ کیسے نہ اسے اہمیت دیتی اس کا بس چلتا تو اس کے قدموں تلے نچھاور ہو جاتی۔

''نہیں پھر بھی سہی، اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں، ابھی ابھی ایئر پورٹ سے سیدھا آ رہا ہوں۔'' میکس کے معذرت کرنے پر فرحاب نے پوچھا تھا۔

''ایئر پورٹ، کہیں گئے ہوئے تھے کیا؟''

''ہاں میں اٹلی میں تھا پچھلے دو دن سے میری ایگزیبیشن تھی ادھر فلورنس میں، روم میں بھی تھی مگر اٹینڈ نہیں کر سکا، سو آج واپس چلا آیا۔''

''ارے بھئی خیریت تھی ناں، آپ کی اتنی اہم ایگزیبیشن تھیں اور آپ ادھوری چھوڑ کر چلے آئے۔'' میکس پہلی بار بات کر کے پچھتایا تھا، جس وجہ سے وہ لوٹا تھا وہ فرحاب شفیق کو نہیں بتا سکتا تھا وہ اسے کیسے بتاتا کہ تمہاری بیوی کی پریشانی اور اسے ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ اسے اٹلی میں قیام کرنے سے روکتی رہی ہے وہ وہاں بے حد مضطرب اور بے چین رہا ہے فرحاب شفیق تو اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں تھرڈ فلور سے اٹھا کر نیچے پھینک دیتا، میکس یہ سب سوچتے سوچتے دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''ہاں یہاں ایک کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی سو اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑا اگلے دو دن میں بہت بزی تھا سوچا آج ہی آپ کی مسز کی خیریت دریافت کرتا چلوں۔'' فرحاب شفیق نے اس کی باتیں غور سے سنتے تائید میں سر ہلایا تھا۔

''پھر تو آپ کو کافی ضرور پینی چاہیے میکس، یقین کریں میں بہت اچھی کافی بناتا ہوں۔'' فرحاب ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہتا الیکٹرک کیٹل کی جانب بڑھا تھا، میکس کروک نے اس روز ان کے ساتھ دو گھنٹے بتائے تھے۔

☆☆☆

پریت آفس سے آنے کے بعد سیدھا پیا کے گھر چلی آئی تھی وہ کل شام کو ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھی اس کے اسٹیچز کھل گئے تھے تاہم زخم ابھی بھی اندرونی طور پر کچے تھے پھر بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بھی بے تحاشا ہو گئی تھی جسم میں ڈاکٹرز نے ابھی اسے آرام اور صرف آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا، صبح کا ناشتہ تو فرحاب اسے کروا کے گئے تھے ساتھ میں چائے کی فلاسک اور کیک بھی سائیڈ ٹیبل پر بنا کر رکھ گئے تھے کہ جس وقت بھی بھوک محسوس ہو کھا لے، پیا وہ تو سارا دن پڑی سوتی رہی تھی ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے اٹھی تو شام کے چھ بج رہے تھے اس نے بمشکل تمام اٹھ کر پانی کے دو چار چھپاکے منہ پر مارے اور چائے کا فلاسک ابھی اٹھایا ہی تھا کہ دروازے پر زور کی بیل ہوئی تھی، پیا فلاسک رکھ کر دروازہ کھولنے چلی گئی، دروازہ کھولا تو سامنے ہی سبزی گوشت کے شاپرز تھامے تھکی تھکی سی پریت کھڑی تھی۔

''کیسی ہو؟'' پیا نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا، تبھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھتی پریت نے اس سے پوچھا تھا۔

''پہلے سے بہتر ہوں۔'' پیا نے اختصار سے کام لیتے اس کے ہاتھ سے شاپر لینے چاہے۔

''نہیں نہیں رہنے دو میں کرلوں گی، کیسا گزرا آج کا سارا دن؟'' پریت نے سبزی کا شاپر کچن کاؤنٹر پر رکھتے بشاش لہجے میں پوچھا تھا۔

''سو کر گزرا۔'' پیا نے پیشانی مسلتے جواب دیا اور صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر ٹک گئی۔

''تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو، چائے پیو گی یا کافی؟'' سبزیاں دھو کر ٹوکری میں نچڑنے کے لئے رکھتے اس نے مصروف سے انداز میں پوچھا تھا۔

''پہلے دم بھر سانس تو لے لو پریت! ابھی تو تھکی ہاری آئی ہو اور آتے ہی کام میں جت گئی ہو۔''

''ارے بھئی میں کوئی نہیں تھکتی وکتی، عادت ہے برسوں پرانی میری۔'' اس نے چائے کے لئے پانی چڑھاتے برنر جلا کر جواب دیا تھا۔

''میں شروع سے ہی کافی پھرتیلی ہوں، جسی تو مجھے تیز گام کہا کرتے تھے، اپنے پنڈ کی میں سب سے ہوشیار لڑکی تھی ہائے وہ بھی کیا دن تھے یار! جب نیا نیا جسی چندی گڑھ کا کالج میں بھرتی ہوا تھا اور ہر ہفتے میرے لئے شہر سے رنگ برنگی چوڑیاں اور مٹھائیاں لایا کرتا تھا۔'' ماضی کی کسی حسین یادوں نے پریت کے سانولے رنگ کو سنہرا پن عطا کر دیا تھا پیا مبہوت سی اس کے سنہرے پن کو دیکھتی رہی۔

''اور اب، اب بھی تو جسی بھاء جی تمہارے لئے تحائف لاتے ہیں ناں پریت۔'' پیا کو لگا وہ اداس ہو رہی ہے جبھی اس کی یاسیت کو کم کرنے کی غرض سے اسے یاد دلایا تھا۔

''ہاں لیکن اب ان تحائف میں چندی گڑھ کے سوہن حلوے اور کالج کی چوڑیوں والا سواد کہاں، اب تو مشینی زندگی ہے لاکھوں کماتے ہیں پر چین، سکون یا خوشی نام کو بھی نہیں ملتی۔'' پریت نے چائے تیار کر لی تھی اب کپوں میں ڈال کر اس کے سامنے آ بیٹھی تھی۔

''میری مانو تو تمہیں اب کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہیے پریت، دس سال بہت ہوتے ہیں انتظار کے۔'' پیا نے نرمی سے اس کے تھکن زدہ چہرے کی طرف دیکھتے سمجھایا تھا۔

''جب بابا جی کا حکم ہوا ہو جائے گی اولاد بھی اور پھر اولاد نے کیا نور نامہ کرنا ہے لے کے

ہمیں اولڈ ہوم ہی میں ہی پھینکنا ہے ناں؟''
پریت کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چبھن تھی۔
''ایسا کیوں سوچتی ہو پریت، وہ تمہاری اولاد ہوگی تم جیسی مخلص اور بے ریا لڑکی کی، جو غیروں میں محبتیں بانٹتی پھرتی ہے تو کیا اس کی اپنی اولاد اسی کی محبت کا بدلہ محبت سے نہیں دے گی کیا؟'' اور ٹھیک اسی لمحے پیا نے پریت کی آنکھوں میں آنسو چمکتے دیکھے تھے۔
''اولاد کی خواہش کسے نہیں ہوتی ظاہر ہے پریت کو بھی تھی، مگر وہ لاپروائی اور ہنسی مذاق میں اتنا بڑا غم وکسک چٹکی میں اڑاتے پھرتی تھی۔''
''اچھا چھوڑو ساری باتیں، تم سناؤ میکس آیا کہ نہیں؟''
''آیا تھا پرسوں، فرحاب سے بھی ملا تھا اٹلی سے سیدھا ہاسپٹل ہی آیا تھا۔'' پیا نے خالی کپ سامنے ٹیبل پر رکھتے کہا تھا۔
''کیا بات ہے بھئی، اتنا بڑا آرٹسٹ ایک حسین چہرے کے پیچھے اتنا خوار ہو رہا ہے کہ اٹلی سے سیدھا ہاسپٹل واہ واہ؟'' اس کے اس طرح مذاق اڑانے پر پیا اسے کشن مارنے کو لپکی تھی۔

☆☆☆

''شام ذرا اہتمام کر لینا، آج میکس کروک ہمارے ساتھ ڈنر کرے گا۔'' دوپہر کو پیا ابھی نہا کر تیار ہوئی تھی کہ فرحاب کی کال آگئی تھی یہ چند روز بعد کی بات تھی۔
''جی اچھا...... لیکن؟'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی، مگر اس نے خود ہی بتا دیا تھا بروک لائن ہاسپٹل کے سارے ڈیوز اور چارجز میکس نے ادا کیے ہیں۔
''پی اور میرے بار ہا اصرار پر بھی لینے سے صاف انکار کرتے ہوئے اچھے سے کھانے کی فرمائش کی ہے اس نے، تو اگر ایک اچھا انسان اتنا پروٹوکول دے کر آپریٹ کرے تو پھر اخلاقی طور پر ہمیں بھی اس کے خلوص کا جواب خلوص سے ہی دینا چاہیے ناں کہ نہیں؟''
''آپ کی بات ٹھیک ہے پر...... وہ ہمارے دیسی فوڈ کھا لے گا شوق سے؟'' پیا الجھن کا شکار ہوئی تھی۔
''ہاں اس نے بطور خاص فرمائش کی ہے بریانی کی، تم اچھی سی بریانی بنا لینا ساتھ شامی کباب اور لوکی کا رائتہ لازمی ہو باقی اپنی مرضی سے جو بنانا چاہو بلکہ ایسا کرنا پریت کو اور جسی بھاء جی کو بھی دعوت دے لینا آخر وہ اتنے روز ہمارا ہر طرح سے خیال کرتے رہے ہیں۔''
فرحاب نے اسے کہا تو پیا نے سر اثبات میں ہلاتے ذہن میں مینو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا۔
''چلیں ٹھیک ہے، آپ جسی بھاء جی کو کال کر دیں میں پریت کو کہہ کر آتی ہوں۔'' اس نے فون بند کرتے ہی پریت کا نمبر ملایا تھا وہ بند جا رہا تھا لہٰذا اس نے ٹائم دیکھ کر گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا، پریت ابھی گھر پر ہی تھی اس نے ایف ایم پر اپنا پروگرام اب ہفتے میں تین دن رکھا لیا تھا سو اب وہ اکثر گھر مل جایا کرتی تھی، اس نے ڈور بیل بجائی تو پریت نے کی ہول سے اسے دیکھتے فوراً دروازہ کھولا تھا وہ اس وقت بالکل گھریلو حلیے میں سادہ سی سفید قمیض اور شلوار میں ملبوس تھی جسے اس نے ٹخنوں تک فولڈ کر رکھا تھا، ہاتھ میں ویکیوم کلینر تھا مطلب وہ گھر کی تفصیلی صفائی میں جتی ہوئی تھی۔
''ایک تو میں جب بھی آتی ہوں تم کام میں ہی بزی نظر آتی ہو۔'' صوفے پر دھب سے بیٹھتے پیا نے شکوہ کیا تھا، اسے پریت کے لاؤنج میں رکھے یہ اسپرنگ والے صوفے بے حد پسند تھے

ایک دفعہ زور لگا کر اگر ان پر گر، تو جانے کتنی ہی دیر مزید جھولتے رہو، پریت اسے جھولتے دیکھ کر مسکرائی تھی اس کی عمر کی طرح اس کی حرکتیں بھی بے حد بچکانہ تھیں۔

''تو کیا کروں یار! میں فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتی عجیب سی بے چینی ہونے لگتی ہے۔'' پریت کے لہجے میں واضح طور پر بے چارگی تھی۔

''خیر زندگی میں اور بھی کام ہیں مسز پریت! ویسے میں تمہیں بلاوا دینے آئی تھی، آج شام کا کھانا تم لوگ ہمارے ساتھ کھا رہے ہو، رات آٹھ بجے۔'' پریت نے ویکیوم کلینر کا پلگ نکالتے حیرت سے اسے دیکھا۔

''خیریت کھانا کس خوشی میں کھلا رہی ہو؟'' پیا مسکاتے ہوئے بولی تھی۔

''بس ایسے ہی دل چاہ رہا تھا۔'' پریت نے اس کے صبیح چہرے پر بکھری ملاحت و نرمی کو نظر بھر کر دیکھا وہ روبہ صحت ہو رہی تھی ہاں ناک کی چھینگ پر ابھی بھی اسٹیچز کے نشانات تھے مگر وہ اتنے برے نہیں لگ رہے تھے۔

''جانے دو پیا! ابھی تو بیماری سے اٹھی ہو ہماری خاطر اتنا تکلف مت کرو ہاں کسی اور کے لئے اگر کر رہی ہو تو میں تمہارا ساتھ ضرور دے سکتی ہوں مدد کروا کے۔''

''ہمارے گھر کی پہلی دعوت ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تم لوگوں کے بغیر ہو اور پھر مجھے فرحاب نے خود کہا ہے کہ تمہیں کہہ آؤں جسی بھاء جی سے وہ خود ہی کہہ دیں گے، تم بس فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' پیا نے فوراً صفائی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''کون آ رہا ہے پیا!'' پریت کو تجسس ہوا تو پوچھ بیٹھی۔

''میکس کروک!'' پریت نے حیرت در حیرت میں گھرتے پیا کے لاپرواہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''اتنی حیران مت ہو، بروک لائن ہاسپٹل کے سارے چارجز اور ڈیوز کی ادائیگی اس نے کی ہے اور فرحاب کے کہنے پر بھی پیسے واپس نہیں لئے پھر فرحاب کو اس نے خود ہی کہا کہ اگر اتنا ہی اصرار کر رہے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ڈنر کر لوں گا اور بریانی کی فرمائش بھی اس نے خود ہی کی ہے اور یہ تم مجھے ایسے گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ تفصیل بتاتے اس کی طرف دیکھتے بولی تھی لہجہ خائف اور کسی قدر روٹھا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں، بس یہ سوچ رہی ہو کہ آخر میکس کروک کی اتنی ڈھیروں ہمدردیوں کا مقصد و محرک کیا ہے۔'' پیا نے لاعلمی کا اظہار کرتے کندھے اچکائے تھے۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ بہت نائس بندہ ہے غرور نام کو بھی نہیں ملتا۔''

''غلط نہیں کہا تھا یار مگر تمہاری حادثاتی طور پر اس نے جان بچائی، پھر ہاسپٹل میں خون دیا یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اٹلی سے واپسی پر ایئر پورٹ سے سیدھا ہاسپٹل تمہاری خیریت دریافت کرنے آنا اور پھر ڈیوز کی ادائیگی بات تو حیران کرنے والی ہے ناں پیا؟ آخر وہ یہ سب کیوں اور کس لئے کر رہا ہے پھر اب ڈنر کی فرمائش؟'' پریت نے سوچ کے گھوڑے کی لگامیں کھلی چھوڑیں جیسے بھی سہی پر وہ اس بات و مقصد کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔

''اس کا کیا مقصد ہے کیا نہیں تم آج شام کو خود آ کر دیکھ لینا میں ابھی چلتی ہوں بہت کام کرنا ہے مجھے۔'' وہ چھپاک سے باہر کی جانب لپکی تھی۔

''ارے چائے تو پیتی جاؤ، میں بس بنانے

تھی بولی تھی۔'' پربت نے پیچھے سے پکارا تھا۔
بعد میں آ کر پی لوں گی ادھار رہی۔''
گیٹ سے باہر نکلتے اس نے زور سے آواز لگاتے کہا تھا، پربت کام ختم کرتے ہی اس کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے آ گئی تھی دونوں نے مل کر بریانی، دال مکھنی اور ڈھیر ساری چائنیز ڈشز بنائی تھیں، ہاں سرخ مرچ کی مقدار انہوں نے کم سے کم رکھنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی میکس کروک کھانا کھاتے سے برابر میں ناک پونچھتا رہا تھا۔

''آپ نے کبھی بریانی ٹرائی کی میکس۔''
محبت و لگاوٹ کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے پربت کی زبان میں کھجلی ہوئی تو پوچھنے لگی۔

''ہاں میں اکثر انڈین و پاکستانی ریسٹورنٹس میں کھاتا رہتا ہوں۔'' میکس نے سادگی سے جواب دیا تھا، مگر پربت کا جواب سن کر انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو لگ تو نہیں رہا پھر۔

''لیکن ہر بار میری ایسی ہی حالت ہوتی ہے جواب ہو رہی ہے۔'' اس نے جیسے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔

''ہاہ پربت! پھر اسے کیا ضرورت ہے خود پر اتنا ظلم کرنے کی۔'' پیا نے حیرت سے پربت کے کان میں سرگوشی کی تھی مگر میکس نے بہ آسانی سن لی تھی اور اردو سیکھ رہا تھا وہاں موجود کوئی شخص اس بات سے باخبر نہیں تھا مگر میکس نے جواب دیئے بغیر کھانے کی طرف توجہ مبذول رکھی، پربت نے اس کی سرگوشی پر پیا کو ٹھوکا دیتے غیر اخلاقی حرکت کا اشارہ دیتے اسے چپ رہنے کا کہا تھا۔

''یہ دال مکھنی تو ٹرائی کریں میکس! یہ تو ہماری ٹریڈیشنل ڈش ہے۔'' جسی بھاء جی نے ڈونگا ان کی جانب بڑھاتے خوشدلی سے کہا تھا، اس نے شکریہ کہہ کر ایک چمچ اپنی پلیٹ میں نکالتے چپاتی بھی لی اور بے حد رغبت سے کھاتے پربت اور پیا کو حیران کیا۔

''کھانا بہت لذیذ تھا میں نے معمول سے زیادہ کھا لیا آج۔'' نیپکن سے ناک اور منہ صاف کرتے میکس نے کہا تھا۔

''اٹس آور پلیژر مسٹر میکس! کہ آپ نہ صرف ہمارے غریب خانے تشریف لائے بلکہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر ہمیں عزت بھی بخشی۔'' فرحاب شفیق نے دل سے کہا تھا۔

''ارے نہیں، ایسا مت کہیں میں کوئی بہت خاص بندہ نہیں ہوں پھر میں تو خود کو خوش نصیب سمجھ رہا ہوں آپ لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اور یہ خوش قسمتی اور بھی بڑھ جائے اگر آپ لوگ میرے ساتھ پارٹنر شپ کریں تو۔'' اس نے بات روک کر بغور حاضرین کو دیکھا تھا۔

''کیسی پارٹنر شپ؟'' فرحاب شفیق نے بے حد الجھ کر پوچھا تھا پیا اٹھ کر سویٹ ڈش لینے کی غرض سے سامنے بنے اوپن ائیر کچن کی جانب بڑھی، میکس کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

پیا نے فریزر سے چاکلیٹ کیک جو آتے وقت میکس کروک لایا تھا نکالا تھا ساتھ ہی فروٹ ٹرائفل بھی نکالا جو اس نے گھر پر بنایا تھا، میکس نے اسے مہارت سے کیک کے پیس کاٹتے دیکھا اور جواب دیا۔

''ایکچوئیلی پچھلے تین سال سے میرے فینز کی خواہش تھی کہ میری پینٹنگز تمام اسٹور پر قدرے کم قیمت پر دستیاب ہوں، میں سوچتا تھا کہ ایسا کوئی اسٹور کھولوں جہاں میری استعمال شدہ اور دستخط شدہ اشیاء کے ساتھ ساتھ میری پینٹنگز بھی عام و خاص لوگوں کے حصول میں ہوں

مگر میں وقت کی کمی کے باعث بھرپور توجہ نہیں دے سکتا تھا، پھر کوئی ایسا قابل اعتبار پارٹنر بھی ساتھ نہیں تھا۔" اس نے توقف کیا تو پیا نے چاکلیٹ کیک اور ٹرائفل سے سجی پلیٹ اس کے سامنے رکھی تھی۔

"لیکن اب آپ لوگوں کو دیکھ کر مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا طویل انتظار بے جا نہیں تھا، میری خواہش ہے کہ آپ لوگ میری پینٹنگز کو اپنے اسٹورز پر رکھیں اور پرافٹ ہم آدھا آدھا بانٹ لیا کریں گے۔" فرحاب شفیق جیسے کاروباری ذہن کے مالک بندے نے منٹوں میں حساب لگایا تھا میکس کروک کی پینٹنگز اپنے اسٹور پر رکھنے کا مطلب تھا کہ ڈالروں میں کھیلنا۔

وہ میکس کروک سے آدھی قیمت پر اس کی پینٹنگز خرید کر انہیں دگنی قیمت پر فروخت کر کے ڈھیر سارا پیسہ کمانے کے ساتھ ساتھ شہرت بھی حاصل کر سکتا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔" اپنے دل کی خوشی چھپاتے فرحاب شفیق نے بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ایک بات اور۔" میکس نے کیک کھاتے رک کر کہا تھا، فرحاب سمیت سب کی سوالیہ نگاہیں میکس کے چہرے پر گڑی تھیں۔

"ان پینٹنگز کی میں کوئی قیمت آپ سے نہیں لوں گا بلکہ ہم پرافٹ تقسیم کریں گے۔" اب کی بار تو فرحاب شفیق پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی، یعنی وہ اپنی مرضی کے دام لگا سکتا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔" فرحاب شفیق نے پورے جوش سے کہا تھا میکس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری ایک درخواست بھی ہے۔" جملہ حاضرین نے چونک کر میکس کے ناقابل فہم تاثرات کو جانچنے کی کوشش کی۔

"جی کہیے؟" فرحاب شفیق نے تمام ممکنات ذہن میں رکھتے کہا جبکہ پیا نے الجھ کر پریت کو دیکھا جو خود بھی الجھی الجھی سی نظر آرہی تھی۔

"میں آپ دونوں میاں بیوی کا پورٹریٹ بنانے کی خواہش رکھتا ہوں، اگر آپ دونوں کی اجازت ہو تو۔" میکس نے بے حد شائستگی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"یہ درخواست نہیں ہمارے لیے خوش قسمتی کی بات ہے مسٹر میکس! کہ آپ ہمارا پورٹریٹ بنانا چاہتے ہیں، آپ جس وقت کہیں گے ہم حاضر ہو جائیں گے۔" فرحاب شفیق نے ایسا کہتے پیا اور پریت کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کیا تھا۔

☆☆☆

"دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔" اگلی صبح پریت مارے حیرت کے آفس ہی نہیں جا سکی تھی سیدھا پیا کے گھر بھاگی تھی۔

"میں تو خود مارے حیرت کے ساری رات سو نہیں سکی۔" پیا کے لہجے میں بھی بے چارگی تھی۔

"صرف تمہارا پورٹریٹ بنانے کی خواہش میں وہ اتنی بڑی قربانی دے رہا ہے ورنہ خود سوچو وہ بندہ اگر چاہے تو اپنی ذاتی آرٹ گیلری بنا سکتا ہے۔" پریت نے ہاتھ پر ہاتھ مارتے کہا تھا۔

"پریت! مجھے تو اب اپنے چہرے سے خوف آنے لگا ہے۔" پیا رونے والی ہو گئی۔

"خیر اب رونے والی بات تو نہیں ہے، مگر ایک بات تو ماننی ہی پڑے گی، بندہ ہے بڑا جنونی اپنے کام میں، جو سوچ لے وہ کر کے ہی رہتا

ہے۔'' اور پریت نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا میکس کروک بالکل ایسا ہی تھا، وہ پیا کا چہرہ پینٹ کرنے کے لئے اس سے بھی بڑی قربانی دے سکتا تھا اس نے صرف رابطہ بڑھانے کی غرض سے فرحاب شفیق کو اپنی پینٹنگز سیل کرنے کی آفر دی تھی حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اپنے ذاتی اسٹورز کی چین بھی کھول سکتا تھا، مگر کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے اور میکس کا ماننا تھا کہ کچھ بہت اچھا پانے کے لئے اگر آپ تھوڑا بہت کھو بھی دیں تو کوئی حرج نہیں کہ دل کی خواہش معمولی تو نہیں ہوا کرتی اور میکس کا دل بھی کبھی کسی عام چیز کے لئے نہیں مچلا تھا، وہ ہمیشہ سی بہت خاص چیز کی طرف ہی ہمکتا تھا اور پیا بھی کوئی عام لڑکی تو نہ تھی۔

''فرحاب بھائی تو بہت خوش ہوں گے؟''

پریت کا انداز جانچتا ہوا تھا۔

''ہاں بہت، بلکہ انہیں بہت خواہش تھی کہ کوئی ان کا پورٹریٹ بنائے اور وہ اسے اپنے آفس میں لگائیں۔'' پیا نے اثبات میں سر ہلاتے سنجیدگی سے بتایا تھا، پریت کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ویسے ایک بات کہوں، ہو تم دونوں میاں بیوی قسمت کے دھنی، لوگ محبت کیا اپنا دل تک نچھاور کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں تم دونوں پر۔''

''ایسا تمہیں کیوں لگا؟'' پیا کے انداز میں ہلکی سی کاٹ تھی۔

''اب دیکھو ناں، میں اتنے سالوں سے میکس کی ہر ایگزیبیشن میں جا کر اس کی پینٹنگز خریدتی ہوں اور جانے کتنی ہی مرتبہ میں نے اس سے ریکویسٹ بھی کی ہے کہ وہ میرا پورٹریٹ بھی بنائے مگر اس نے کبھی نہیں بنایا حالانکہ میں منہ مانگا معاوضہ بھی دینے کو تیار تھی اور تمہیں وہ خود معاوضہ دینے کی بات کر رہا تھا اور با صرف تمہارا چہرہ پینٹ کرنے کے لئے وہ تمہارے شوہر کے ساتھ پارٹنر شپ بھی کر رہا ہے تو ہوئے ناں تم لوگ خوش قسمت۔''

''ہوسکتا ہے جو تم سوچ رہی ہو وہ غلط ہو؟''

پیا نے تردیدی انداز اپنایا۔

''تم نے مانو تو الگ بات ہے ورنہ سچ تو وہی ہے جو میں نے اینالائز کیا۔'' پریت نے کندھے اچکاتے اس کی تردید کی چٹکیوں میں اڑایا تھا۔

''تمہاری اکثر باتیں مجھے الجھا دیتی ہیں پریت۔'' پیا نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''جس دن میری باتوں پر غور کرنے لگو گی اس دن سے الجھنا چھوڑ دو گی۔'' پریت کا انداز بہت برجستہ اور بے ساختہ تھا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے پریت!'' پیا نے رک کر چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد کہا تھا۔

''کیوں؟'' پریت کے لبوں سے سرسراتے ہوئے نکلا۔

''مجھے خوف آتا ہے۔'' بہت دیر گزر جانے کے بعد اس نے آہستگی سے اعتراف کیا تھا۔

''کس بات سے پیا!؟''

''میکس کی آنکھوں میں چھپے جنون سے، کبھی تم نے دیکھا وہ کیسے ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھا کرتا ہے اس کی آنکھیں مجھے اپنے وجود سے چپکی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، میں نہیں چاہوں گی کہ میرے اور فرحاب کی زندگی میں کوئی کلیش ہو۔'' بے ربط سے انداز میں کہتے اس نے اپنی الجھن بیان کی تھی۔

''مگر فرحاب اور تمہاری ازدواجی زندگی پر اس پورٹریٹ کا کیا اثر ہوگا بھلا؟'' پریت کے لہجہ و انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''اس پورٹریٹ کا نہیں مگر اس پارٹنر شپ کا تو پڑ سکتا ہے۔''
''تم خواہ مخواہ میں وہمی ہو رہی ہو حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' پریت نے اسے سمجھایا تھا مگر خود کو نہیں سمجھا سکی تھی۔

☆☆☆

''ہائے مام!'' میکس نے چہکتے ہوئے اپنی مام کو کال ملاتے ہی کہا تھا۔
''میکس کیسے ہو؟'' مام کی آواز سے چھلکتی خوشی بے پایاں تھی میکس نے کوئی چھ ماہ بعد انہیں خود سے کال کی تھی۔
''ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں ڈیڈ اور باقی سب۔'' اس نے فرداً فرداً سب کا پوچھتے ہوئے مام کو حیرت میں غوطہ زن کیا تھا۔
''سب تمہیں بہت مس کرتے ہیں میکس!'' مام نے آنسو ضبط کرتے بے حد دھیمی آواز میں کہا تھا۔
''میں آؤں گا مام!'' میکس ماں کو انکار نہیں کرسکا۔
''کب؟ میکس پچھلے چار سال سے یہ سب تو کہہ رہے ہو۔'' بالآخر وہ رو ہی تو دیں تھیں۔
''ایک پروجیکٹ میں الجھا ہوا ہوں جیسے ہی وہ مکمل ہوا آ جاؤں گا آپ بس میرے لئے دعا کیا کریں۔''
''میری اچھی لڑکی ہے میکس اور تم اسے اپنے وعدے کی زنجیریں باندھ گئے تھے وہ تمہاری واپسی کی منتظر ہے مائی سن۔'' اس سے پہلے کہ وہ فون آف کرتا مام نے جلدی جلدی ساری دل کی باتیں کہہ ڈالی تھیں۔
''میری سے کہیں کوئی فیصلہ کر لے مام! آج کسی کو بھی اپنی زندگی کی خاطر تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور پھر میرا ابھی شادی وادی کا کوئی پلان بھی نہیں ہے اور میں آپ سے کیا جھوٹ بولوں مام، میری میرا ٹین ایج کا بلنڈر تھا، میں اس بات کو اب بھولنا چاہتا ہوں۔'' اس نے نہایت بے دردی و آسانی سے اپنا فیصلہ سنا کر مام کو انگشت بدنداں کر دیا تھا۔
''تم میری سے منگنی کو بلنڈر کہہ رہے ہو میکس۔'' مام کے لہجے سے حیرت دو چند تھی۔
''وہ بلنڈر ہی تھا مام، اسے کوئی بھی عقلمند ذی ہوش بندہ سمجھداری کا فیصلہ نہیں مانے گا آپ جانتی ہیں ڈیڈ اور میرے درمیان میری ہی وجہ تنازعہ بنی تھی۔'' اس نے اپنی مام کو یاد دلایا کہ کیسے کردک میڈلسن میری سے رشتہ جوڑنے پر اس سے ناراض و بدگمان ہو گئے تھے مگر وہ میکس کی فرینڈ تھی اس کی ماں کیتھولک جبکہ باپ سیاہ فام بدھسٹ تھا اور کروک میڈلسن کو اختلاف ہی میری کے باپ کے بدھسٹ ہونے پر تھا۔
مگر میکس نے ان کی ضد میں آ کر میری سے زبردستی رشتہ استوار کرتے گھر کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا تھا، میکس فطرتاً ایک متلون مزاج کا حامل جولانی بندہ تھا پل میں تولہ پل میں ماشہ ضد اور ہٹ دھری اس کے انگ انگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، میری کا ساتھ اور محبت اسے ویسے نہیں اپنا اسیر کر پائی جیسے اس نے سوچا تھا پھر نیویارک آنے کے بعد نئی دنیا میں دریافت کرنے کے بعد میری جانسن کا وجود کہیں پس منظر میں چلا گیا تھا وقت اور زمانے کی تیز رفتاری کی ایسی گرد پڑی کہ آج میکس اور میری کی محبت کے آئینے میں محبت گرد سے اٹے عکس کی مانند بے حد دھندلی نظر آ رہی تھی، اتنی دھندلی کہ ہاتھ سے جس کی گرد صاف نہ ہو پائے بلکہ میکس تو اس محبت کے آئینے کو توڑ دینے کی بات کر رہا تھا۔

''اسے کہیں میرا انتظار نہ کرے نام، میں واپس آؤں گا پر اس کے لیے نہیں۔'' سفاکی کی آخری حد پر کھڑے ہوتے اس نے اپنا فیصلہ سناتے فون بند کیا تھا، مام فون کا ریسور ہاتھ میں لئے جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

اکتوبر کا شروع تھا، سرد تیز ہوائیں پورے نیویارک کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھیں، یخ بستہ سرد ہوائیں پورے وجود میں سنسنی بھر دیا کرتی تھیں اونی گرم کپڑے ڈھیروں کے حساب سے ہر باشندے نے اپنے اوپر لاد رکھے تھے، پیا کو تو ویسے ہی سردی زیادہ لگتی تھی سو اس نے اپنا پورا انتظام کر رکھا تھا ٹائٹس، جینز، جرابیں، جرسی جیکٹ مفلر اور اونی ٹوپی ایک ہی وقت میں پہنے رکھتی اور پریت تو اس کا حلیہ دیکھ کر برملا کہتی۔

''صرف چوسنی کی کمی رہ گئی ہے پیا، وہ بھی منہ میں لے لو۔''

''وقت پڑنے پر وہ بھی لے لوں گی، تمہارا مشورہ اچھا ہے اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔'' وہ پریت کو چڑانے کی غرض سے کہا کرتی اور وہ دونوں جب باہر گھومنے کے لئے نکلتیں تو پیا آئسکریم کھانے کے لئے مچل اٹھتی، اس روز بھی وہ دونوں موسم کی سختی اور سردی کو انجوائے کرنے کے لئے کافی پینے کے لئے گھر سے نکلی تھیں لیکن مارکیٹ تک آتے آتے پیا کا ارادہ یکدم بدلا تھا اس نے فوراً ہی پریت کو آئسکریم بار کی جانب دھکیلا تھا۔

''چل پریت آئس کریم کھاتے ہیں۔''

''یہ فاؤل ہے پیا، ہم کافی پینے آئے تھے۔'' پریت تو اس بے ایمانی پر چیخ اٹھی تھی۔

''کافی بھی پئیں گے مگر پہلے آئسکریم۔'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے آگے کو دھکیلا۔

''تم بہت خراب ہوتی جا رہی ہو۔'' پریت نے آئسکریم کا آرڈر دیتے نروٹھے پن سے کہا تھا۔

''تمہاری محبت ہے یارا، کیا کہہ سکتے ہیں۔'' وہ ہولے سے گنگنائی تھی، اس کے زخم پہلے سے کافی مندمل ہو گئے تھے رنگت میں گلابیاں گھل گئی تھیں اور سردی کی شدت نے اس کی ناک کی پھننگ ہلکی سی سرخ کر دی تھی وہ پہلے سے قدرے موٹی بھی ہو گئی تھی مگر اس کی صحت مند سراپا اس پر جچ رہا تھا۔

''تم لوگ پنجاب کب جا رہے ہو؟'' آئسکریم کا بڑا سا چمچ منہ میں بھرتے اس نے پریت سے پوچھا تھا۔

''اگلے ماہ کا ارادہ بنا ہے، میرے بھاء جی کی روکے کی رسم بھی ہے ناں، تو ہمارا ارادہ تھا کہ اس میں شرکت کر لیں گے۔'' پریت نے تفصیل بتائی تو کچھ محسوس کرتے پیا چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''جلدی آنا پریت! میں تو تمہارے بغیر بالکل ہی نکمی اور ناکارہ ہوں یار، میں کیسے رہوں گی تمہارے بغیر اتنے دن۔'' پیا نے چونک کر اردگرد دیکھتے اس سے کہا تھا۔

''تو تم بھی ساتھ چلو ناں ہمارے، اتنا مزہ آئے گا تمہیں وہاں سب سے مل کر، سب بہت اچھے لوگ ہیں تمہیں اپنائیت کی خوشبو ملے گی۔''

پریت نے اسے کھلے دل سے آفر کی تھی، پیا نے الجھ کر اردگرد دیکھا اسے لگا اسے کوئی اپنی گہری نظروں کے حصار میں رکھے ہوئے ہے، اس نے اردگرد جانچنے کی تلاشنے کی کوشش کی مگر اسے کوئی نظر نہیں آیا۔

''کیا ہوا...... کسے ڈھونڈ رہی ہو؟'' پریت نے اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کرتے پوچھا

تھا۔

''کچھ نہیں، بس ویسے ہی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔'' پیا نے صاف ٹالنے والے انداز میں بات بنائی تھی جبھی کوئی ان کی ٹیبل کے پاس آیا تھا اور اس نے ہلکی آواز سے ان کی ٹیبل بجا کر انہیں اپنی جانب متوجہ کیا تھا، دونوں نے ایک ساتھ چونک کر آنے والے کو دیکھا تھا۔

''ہائے لیڈیز! کیا میں آپ لوگوں کو جوائن کر سکتا ہوں؟'' میکس کروک نے بے تکلفی سے کرسی دھکیلتے ان کے پاس بیٹھتے پوچھا تھا۔

''اف پریت یہ ہمیشہ ہمارا پیچھا کرتا ہے ہم ہی وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں اتفاق سے یہ موجود ہوتا ہے۔'' پیا کے انداز سے صاف دکھ رہا تھا کہ اسے میکس کی بے وقت مداخلت پسند نہیں آئی سو اس کا فوراً اظہار بھی کر دیا، پریت نے اسے بری طرح سے آنکھیں دکھائیں۔

''کیسا عجیب اتفاق ہے ناں میکس کہ آج پھر یوں سرِ راہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔'' پریت نے مسکرا کر کہا تھا دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھیں کہ وہ اردو جانتا ہے میکس دھیمے سے مسکرایا۔

''ہاں میں ہمیشہ نیچر کے قریب ہی رہتا ہوں کیا کروں آرٹسٹ ہوں ناں اور ہمیں اونچی بلڈنگز کے آرام دہ کمروں میں بیٹھ کر شاہکار تخلیق کرنے کی عادت نہیں ہے بلکہ ہم سڑکوں پر مارے مارے پھر کر ہی نیچر کو تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسرار و رموز سمجھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔'' بات کرنے کے دوران اس کی نگاہیں مسلسل پیا کے چہرے کا طواف کرنے میں مگن تھیں مگر پیا ہنوز الجھتے ہوئے جیسے پورے ہال میں کچھ کھوجنے کی کوشش میں ہلکان نظر آ رہی تھی۔

''آپ کیوں خاموش ہیں مونا لیزا!''

میکس نے اچانک ہی پیا کو مخاطب کیا تھا۔

''نن..... نہیں تو میں تو ٹھیک ہوں۔'' اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''لگتا ہے آپ کو میرا یہاں آنا برا لگا ہے؟'' میکس نے اچانک ہی دونوں سے مخاطب ہوتے کہا تھا۔

''ارے بالکل بھی نہیں میکس! ایسا کیسے سوچ لیا آپ نے؟'' پریت نے تڑپ کر اس کی غلط فہمی دور کی تھی پیا اور بھی چڑ گئی۔

''جھوٹ کیوں بول رہی ہو پریت! ہمیں واقعی میں اس کا آنا اچھا نہیں لگا ہے۔'' پیا نے فوراً ہی اردو میں کہہ کر اسے جتلایا تھا میکس نے سمجھ کر اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کرتے سوچا کہ آخر یہ لڑکی آج اتنی چڑی ہوئی کس بات پر ہے حالانکہ وہ نہایت حلیم طبع اور محبت کرنے والی نٹ کھٹ سی لڑکی تھی۔

''بری بات ہے پیا! تمہیں ایسا کرنا بالکل بھی زیب نہیں دیتا، میکس تمہارا محسن بھی ہے۔'' پریت کو بالآخر اسے کہنا ہی پڑا تھا، مگر پیا متوجہ نہیں تھی یکایک میکس اور پریت نے پیا کے چہرے پر خوف اور دہشت کے سائے پھیلتے محسوس کیے تھے وہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی کہ ابھی بھاگ کھڑی ہوگی۔

''چلو پریت! گھر چلتے ہیں۔'' اس نے فوراً ہی ہراساں ہوتے کہا تھا۔

''کیا ہوا خیریت یوں اچانک؟'' پریت کو اچنبھا ہوا تھا۔

''کیا میں آپ لوگوں کے کسی کام آ سکتا ہوں؟'' میکس نے پیا کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو نظر میں رکھتے استفسار کیا تھا۔

''نہیں آپ ہماری وجہ سے کسی مشکل میں مت پڑیں۔'' پیا خوف و دہشت سے لرزتی آواز میں بولی تھی۔

''پیا...... ہوا کیا ہے آخر...... تمہاری ایسی حالت پہلے تو کبھی نہیں ہوئی۔'' پریت نے نرمی سے اس کا ہاتھ سہلاتے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

''وہ...... وہ سامنے دیکھو پریت...... وہی حبشی بیٹھے ہیں جنہوں نے اس رات مجھ پر حملہ کیا تھا۔'' خوف سے اٹکتے اس نے بالآخر اپنی بات مکمل کی تھی میکس اور پریت نے پیا کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا وہ حبشی مرد آپس میں مگن بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے میکس نے انہیں پہچان لیا تھا، وہ واقعی میں وہی لوگ تھے، اب اسے پیا کے ناراض لہجے کی سمجھ بھی آگئی تھی۔

''آپ لوگ گھر چلیں ابھی، انہیں میں دیکھ لیتا ہوں۔'' میکس نے فوراً ہی ان کی جانب قدم بڑھائے تو بالکل غیر ارادی طور پر پیا نے اس کے بازو کو پکڑ کر اسے روک لیا تھا۔

''نو میکس، ناٹ ایٹ آل...... ناٹ اگین۔'' پیا نے آہستگی سے ڈبڈبائی آنکھوں سے کہا تھا میکس کو اپنا آپ ان آنکھوں کے گہرے پانیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا، اس نے اس کے خوف زدہ گلابی چہرے پر بکھرے ڈر کو دیکھا اس کی آنکھوں میں جنگل کی ہراساں کسی ہرنی کا سا عکس تھا اس کے لرزتے ہونٹوں پر ایک طلاطم برپا ہوتا محسوس ہوا تھا میکس کروک کو اپنی رگ رگ میں...... وہ بے خودی میں ڈوبنے لگا۔

''پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' اسے پیا کی آواز سنائی نہیں دی بس لرزتے ہونٹ نظر آرہے تھے وہ بے خود سا مدہوش سا ارد گرد سے بے نیاز ایک نئی وادی کے نظر آتے پرکشش راستے پہ محو سفر تھا جہاں پر صرف وہ تھا اور پیا کی خوبصورت آواز کی ساحرانہ بازگشت۔

''میکس!'' پیا نے اسے اپنی جانب محویت سے دیکھتا پا کر جھنجوڑا، وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا، پیا بے حد خوفزدہ تھی اس نے ان حبشیز کی آنکھوں میں شناسائی کا گہرا رنگ دیکھا تھا، اگر وہ اسے پہچان گئے تو میکس کروک تو اس شہر کا مشہور ترین اور ورلڈ فیمس بندہ تھا وہ اسے کیونکر نہ پہچان پاتے۔

''وہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے پیا، یو ڈونٹ وری، وہ یقیناً بیل پر رہا ہوئے ہوں گے ان کا کیس ابھی بھی کورٹ میں ہے وہ کسی طور پر بھی نیا رسک نہیں لے سکتے آپ اطمینان رکھیں اور اب گھر جائیں میں سب دیکھ لوں گا۔'' وہ بے حد نرمی سے کہتے اس نے پیا کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا تھا، اتنی دیر تک وہ دونوں حبشیز آئسکریم کا بل پے کرتے آخری بھرپور نگاہ ان تینوں پر ڈال کر وہاں سے چلے گئے تھے پیا نے ان کے وہاں سے جاتے ہی سکھ کا سانس لیا تھا۔

''ارے آپ لوگوں کی تو آئسکریم ہی پگھل گئی ہے اور منگواتا ہوں۔''

''رہنے دیجئے میکس! ہم اب گھر جا کے کافی پئیں گے، پیا کی حالت ایسی نہیں ہے کہ کچھ دیر مزید یہاں بیٹھا جائے۔'' آئسکریم بار کے گرم پرحدت ماحول میں واقعی ہی آئسکریم پگھل گئی تھی مگر اب دونوں کو ہی طلب نہیں رہی تھی، اس واقعے کا بہت گہرا اثر پیا کے ذہن میں نقش ہو گیا تھا اس بات کا اندازہ پریت کو آج والے واقعے کے ذریعے بہت اچھی طرح سے ہو گیا تھا، اسی لئے اس نے نہایت سہولت سے میکس کو انکار کر دیا تھا۔

''آئیں میں آپ لوگوں کو گھر تک ڈراپ

کر دیتا ہوں۔‘‘ اس نے فوراً ہی آفر کی تھی، اس سے پہلے کہ پریت بولتی کافی دیر سے خاموش کھڑی خود کو سنبھالتی پیا بول اٹھی۔

’’رہنے دو پریت! اس کے ساتھ گھر گئے تو اخلاقی طور پر اسے بھی کافی پلانا پڑے گی اور میں اس وقت کسی کو بھی کمپنی دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔‘‘ پریت نے مزید کچھ کہے بغیر کیسے اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھر لی تھی، پیا کا منہ سوج گیا تھا اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی بار سے باہر نکلتے سمے اس نے ان دونوں حبشی کو پھر کھڑے دیکھا تھا، خوف سے پیا نے خود پر لرزا طاری ہوتا محسوس کیا تھا، گاڑی کی پچھلی سیٹ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں تھیں، راستہ بھر وہ خاموش رہی تھی اور سارا راستہ پریت ہی میکس کے ساتھ باتیں کرتے آئی تھی اترتے سمے پریت نے حسب عادت اسے کافی کی آفر کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا، پیا حیران رہ گئی تھی اپنی دلی خواہش کے پورا ہونے پر، اس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی اور میکس کو نہ شکریہ کہا نہ ہی خدا حافظ اور بھاگتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کا لاک کھول کر اندر غائب ہو گئی تھی، پریت نے بہت اچھے اور جذباتی و والہانہ انداز میں پرجوش ہو کے اسے کافی کی آفر کرتے اس کا شکریہ ادا کیا تھا، پریت کے جانے کے بعد میکس فوراً ہی گاڑی بھگا کر کبن سٹی اپارٹمنٹ سے کچھ دور لے آیا تھا اس نے گاڑی سائیڈ میں پارک کرنے کے بعد اسٹیرنگ پر سر گرا دیا تھا اور آج اپنی پیا کے چھونے پر محسوس ہونے والی کیفیت پر غور کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

جانے کتنی دیر گزر گئی تھی میکس کو وہاں اسٹیرنگ پر سر گرائے سوچوں کی یلغار میں پھنسے، اس نے سرتب اوپر اٹھایا جب پچھلی گردن کے حصے میں درد کی ٹیسیں سر ابھارنے لگی تھیں، اس نے بیک ویو مرر میں اپنی آنکھوں کو دیکھا جن میں وحشت سرخی بن کر دوڑتی پھر رہی تھی اور ادراک کا وہ لمحہ بڑا جان لیوا تھا، میکس نے اپنی رگ رگ میں تھکن بھرتے محسوس کی تھی، رہ رہ کر ڈبڈبائی وحشت زدہ آنکھیں ذہن کے پردے پر نمودار ہوتی رہیں میکس کے اندر دھواں سا بھرنے لگا تھا بے کسی سی بے کسی تھی جو گھمن گھیریاں ڈالے اس کے وجود میں خیمہ زن ہو گئی تھیں کیسی راہ کا وہ مسافر بن بیٹھا تھا کہ جس کی نہ کوئی منزل تھی نہ ہی راستہ، اور زاد راہ کے نام پر فقط وہ جذبات جو شاید نہیں یقیناً یکطرفہ تھے، کافی دیر سے بجتے موبائل کو اس نے ایک نظر دیکھا جوزف کی کال آ رہی تھی اس نے اسٹیو کو کال ملا کر آج کی اپنی ہر میٹنگ کینسل کروائی اور خود گھر آ گیا، رم کا پیگ بناتے اس نے خود کو صوفے پر گرایا تھا، وہ اس کی زبان سمجھنے لگا تھا بھی تو اس کے جذبات و خیالات سے بھی آگہی نصیب ہوئی تھی اسے، وہ اسے بالکل بھی پسند نہیں کرتی تھی، وہ کتنا بڑا مصور ہے اسے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے نہ ہی پرواہ، وہ اس کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے اس کی جانے بلا، اس نے اپنے اسٹوڈیوز میں ایزل پر لگے اس مبہم پورٹریٹ کو دیکھا جس میں اس کا واضح مگر مبہم سا عکس تھا میکس کو وہ ہر جگہ نظر آتی تھی اور پچھلے چھ ماہ سے وہ بنانا کچھ اور چاہتا تھا مگر بنا اس کا چہرہ دیتا تھا اپنی اس حالت پر وہ خود بھی حیران تھا، اس کی خواہش اب کی بار تو اسے نکما بنانے پر تلی ہوئی تھی وہ اپنے بال نوچنے کی حد تک پریشان ہوا تھا تھا۔

اسے یاد آیا جب پہلی بار بہت بچپن میں اس نے ’’لینا روڈ داونسی‘‘ کی مشہور زمانہ پینٹنگ مونا

لیزا دیکھی تھی اور دیکھتا ہی رہا تھا اس قدر بھرپور، مکمل اور خوبصورت پورٹریٹ شاید ہی اس نے کبھی اپنی زندگی میں دیکھا ہو اور اس کے بعد شاید ہی کوئی بنا پایا ہو، اس نے انٹرنیٹ پر سرچ کر کے لیونارڈو کے بارے میں ساری معلومات لی تھیں 1503 عیسوی سے 1506 عیسوی کے درمیانی عرصے میں بنائی جانے والی یہ پینٹنگ محض لیونارڈو داونسی کا تخیل نہیں تھا جسے اس نے رنگوں سے تصویر کی شکل دے کر اتنی شہرت حاصل کی وہ ایک زندہ جاوید حقیقت تھی اور آج پانچ صدی گزرنے کے باوجود بھی اس اٹالین آرٹسٹ کے ریکارڈ کو کوئی بھی مصور بریک نہیں کر پایا تھا، کیا مونا لیزا کے بعد ان گزری پانچ چھ صدیوں میں کوئی بھی حسین چہرہ پیدا نہیں ہو پایا تھا، لیکن روم کے میوزیم میں مونا لیزا کے پورٹریٹ اور لیونارڈو داونسی کے بنے اسکیچ کے سامنے کھڑے ہو کر میکس کروک نے عہد کیا تھا کہ اس کا ریکارڈ بریک کرے گا اور ایسا ہی چہرہ دنیا کے سامنے لائے گا اس سے زیادہ مکمل اور خوبصورت ہو گا کہ اس پر کسی سچ میں کسی الیزا کا گمان ہونے لگے گا۔

لیکن پچھلے پانچ سالوں میں بے تحاشا شاہکار تخلیق کرنے کے باوجود بھی اس کا من پیاسا تھا اس کے اندر کا مصور اسے چیخ چیخ کر اس عہد کی یاد دلاتا تھا جو اس نے لیونارڈو کے مجسمے کے سامنے کھڑے ہو کر خود سے کیا تھا، میکس کو ساری دنیا میں وہ چہرہ نہیں ملا تھا مگر جب ملا تو اپنے اردگرد ہی پا کر وہ بے حد حیران ہوا تھا، وہ پلوشے آفریدی کا چہرہ تھا، جو پاکستان سے بیاہ کر فرحاب شفیق جیسے معمولی شخص کے ساتھ نیویارک شہر میں آ بسی تھی جو نیویارک کے باسیوں کی زبان اور طرز زندگی سے نابلد تھی جو اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کا چہرہ میکس کروک کی نظر میں دنیا کا سب سے حسین ترین چہرہ ہے اور جس کا یہ ماننا ہے کہ اگر وہ اس چہرے کو پینٹ کرے تو لیونارڈو داونسی کا پانچ صدی قبل بنایا جانے والا ریکارڈ توڑ سکتا ہے، پر وہ کیسے جان پاتی یہ میکس کی خواہش اس کی سوچ تھی اور اس کی زندگی اس کی خواہشات اور اس کے عزائم سے اس کا کیا لینا دینا، میکس کو یہی بات تکلیف دیتی تھی دے رہی تھی۔

☆☆☆

پاکستان سے کال آئی تھی فرحاب کی والدہ کی طبیعت بے حد خراب تھی دو روز پہلے انہیں شدید نوعیت کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑتے آئی سی یو میں فرحاب کی منتظر تھیں، فرحاب بے حد فکر مند و پریشان تھا، پیا نے سنا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

''مجھے فوری طور پر پاکستان جانا ہو گا۔'' فرحاب نے گھر آتے اسے فوراً ہی کہا تھا۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' وہ بھی تیار ہو گئی۔

''نہیں ہم ایک وقت میں دونوں ہی نہیں جا سکتے پی، یہاں سٹور پر ہم میں سے کسی ایک کی موجودگی از حد ضروری ہے۔'' فرحاب نے اس کا گال تھپتھپاتے اسے پیار سے سمجھایا تھا پیا ایک دم سے بجھ سی گئی وہ جو اتنی پر جوش ہو گئی تھی کہ اسی بہانے پاکستان میں باقی سب سے بھی مل آئے گی اس کے جوش و خروش پر پانی پھر گیا۔

''مگر فرحاب! میں یہاں آپ کے بغیر رہوں گی کیسے اور وہ بھی اتنے دن۔'' پیا روہانسی ہی تو ہو گئی فرحاب نے اس کے روٹھے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

''حادثے بار بار نہیں ہوا کرتے پیا! اور پھر

حادثات انسان کو مضبوط کرنے کے لیے رونما ہوتے ہیں ان سے ڈرنا نہیں چاہیے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے، خود کو مضبوط بناؤ اپنے قدم زمین پر مضبوطی سے جمانا سیکھو خود کو کسی سہارے کا محتاج مت کرو اپنا سہارا خود بنو۔'' فرحاب اس کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ کیے بے حد دھیمے پُرفسوں لہجے میں کہہ رہا تھا اس کی سانسوں کا زیر و بم اس کی گرمی، شدت پیا نے اپنے چہرے پر محسوس کی، پیا کی آنکھیں پانی سے لبریز ہو گئیں جانے کیوں، مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پائی تھی آنسو تھے کہ امڈے چلے آرہے تھے دل بھر بھر کے آرہا تھا فرحاب شفیق نے اس کے آنسوؤں کو بھی دور آنے والی جدائی اور خوف پر محمول کرتے دھیرے سے اس کے آنسو اپنے پوروں پر چن کر ہوا میں چٹکی سے اڑا دیے اور اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی کچھ اس طرح کہ پیا کو اپنا روم روم شانت ہوتا محسوس ہوا تھا، شادی کے اتنے عرصے میں پہلی بار فرحاب کی طرف سے ایسا والہانہ اور وارفتگی سے بھرپور اظہار ہوا تھا۔

''میں بہت کمزور دل کی لڑکی ہوں فرحاب! مجھے ہمیشہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر چلنے کی عادت رہی ہے میں اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھڑا کر کبھی بھی اپنے پیروں پر نہیں کھڑی ہوسکوں گی اس بات کا مجھے یقین ہے جیسے، میں اکیلی کبھی کچھ نہیں کر سکتی۔'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی پسپائی اور شکستگی تھی فرحاب نے اس کومل سی لڑکی کی نرمتا کو محبت سے دیکھا اور یقین کیا کہ عورت کا ایک روپ ایسا بھی ہوتا ہے، نرم و نازک سادہ اور معصوم، ہر لڑکی افراح ایرانی جیسی نہیں ہوتی دھوکہ باز، مفاد پرست اور مکار، ہر عورت کی زندگی میں ایشل بخاری نہیں ہوتا، پیشتر کی زندگیوں میں صرف اور صرف ایک مرد ہی ہوتا ہے جن کی انگلی پکڑ کر وہ اپنی زندگی کا سفر تمام کرنے کی خواہش رکھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا بھی رہتی ہیں۔

''میں جلد ہی لوٹ آؤں گا تم بس گھبرانا مت روز تمہیں فون کیا کروں گا، اب میری پیکنگ کرو، صبح تین بجے کی فلائٹ ملی ہے مجھے۔'' اس نے پیا کے آنسو صاف کرتے محبت سے کہا تھا پیا نے اثبات میں سر ہلاتے اٹھ کر پیکنگ کی تھی تب تک فرحاب کافی بنا لایا تھا ایک کپ اسے پکڑایا اور دوسرا خود پکڑ لیا۔

''آپ پہلے بتا دیتے کہ آج رات کی فلائٹ ہے میں آج کچھ شاپنگ ہی کر لیتی گھر والوں کے لیے، امی جان (ساس) اور باقی سب کے لیے۔''

''میں خود اتنا پریشان ہو گیا تھا پی، کہ مجھے ہوش ہی نہیں رہا انشاء اللہ پھر جب کچھ عرصے تک اکٹھے گئے تو ڈھیر ساری شاپنگ کر کے جائیں گے سب کے لیے۔'' فرحاب کو خود بھی اندازہ ہوا تو پیا کا دل رکھنے کو بول دیا حالانکہ ماں کی پریشانی میں اسے یاد بھی کہاں تھا سب۔

''آپ امی جان کو یہاں لے آئیں ناں ادھر ہمارے پاس رہیں گی تو اچھا علاج بھی کروائیں گے دنوں میں یوں صحت مند ہوں گی؟'' پیا نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم بس ان کی صحت اور زندگی کی دعا کرو پی، اب کی بار تو میں انہیں ساتھ لے کر ہی آؤں گا، جانتی ہو پیا، میری ماں نے میرے لیے اپنی زندگی میں بہت قربانیاں دیں ہیں، ددھیال والوں کے دھتکارنے کے بعد ابا کی پنشن اور امی جان کی سلائیوں سے ہونے والی آمدنی سے ہی میری اتنی اچھی تعلیم مکمل ہو پائی تھی اور جب میں امریکہ آنے پر بضد تھا تو امی جان نہیں چاہتی تھیں

کر انہیں چھوڑ کر اتنی دور آؤں مگر وہ صرف میری خوشی کی خاطر اتنی بڑی قربانی ایک مرتبہ پھر دے گئی تھیں اور مجھے دیکھو میں ایسا بد بخت کہ ان کی خاطر کچھ بھی نہیں کر پایا۔" پیا نے اس سمے دکھ پچھتاوے کے گہرے احساس میں گھرے فرحاب شفیق کی نم آنکھوں میں تیرتی بے بسی کو دیکھا۔

"مائیں تو بس اولاد کو دیکھ دیکھ کر جیا کرتی ہیں فرحاب! ان کی تو اپنی کوئی خواہش کوئی مرضی ہوتی ہی نہیں اولاد کی ہر خوشی ہر مرضی ہی ان کی مرضی بن جایا کرتی ہے آپ دکھی مت ہوں امی جان آپ سے بہت خوش ہیں اور اب آپ جا رہے ہیں تو انہیں اپنے ساتھ ہی لایئے گا ہم ان کی جی جان سے خدمت کر کے انہیں بہت خوش رکھیں گے انشاء اللہ۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے اس کا کندھا سہلاتے ہوئے بہت پیار اور فکر مندی سے بولی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو پی!" فرحاب شفیق نے فرط جذبات میں گھر کے مغلوب سے انداز میں کہا تو وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

☆☆☆
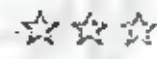
صبح اسٹور پر جانے سے پہلے وہ پریت سے ملنے آئی تھی، دروازہ خلاف توقع جسی بھاء جی نے جماہیاں لیتے کھولا تھا، وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

"گڈ مارننگ بھاء جی!" صبح کے اجالے کی طرح پرنور اور سفید وتر و تازہ سی پیا نے چہکتے ہوئے صبح کا سلام جھاڑا، جسی بھاء جی نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ کر آنے والی جمائی کو زبردستی روکا تھا۔

"گڈ مارننگ بھرجائی جی! آپ اتنی سویرے سویرے خیر ہے ناں؟" وہ اسے اندر آنے کا راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہوتے ہوئے بولے تھے پیا دلکشی سے مسکرائی۔

"فرحاب آج صبح تین بجے کی فلائٹ سے پاکستان گئے ہیں ابھی ابھی ایئر پورٹ سے آئی ہوں تو سوچا کہ ناشتہ آپ لوگوں کے ساتھ کیا جائے۔" اس نے تفصیل سے بتاتے صوفے پر اچھلنے کا ارادہ ترک کیا، جسی بھاء جی نہ ہوتے تو یقیناً وہ اچھل کر ہی بیٹھتی۔

"پریت ابھی تک اٹھی نہیں؟" اس نے اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے اسے تلاشنے کی کوشش کی۔

"ایسا کبھی پہلے ہوا ہے کہ پیا پریت کے گھر آئے اور پریت پڑی سوتی رہے؟" ہشاش بشاش لہجے میں بولتے وہ اپنے بال کنگھی کرتے سے باہر آئی تھی پیا اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائی پریت کا وجود واقعی میں اس کے لئے دم غنیمت تھا اگر وہ نہ ہوتی تو پیا کا اس ملک میں ٹھہرنا واقعی میں ناممکن تھا۔

"تو پھر جلدی سے اچھا سا ناشتہ کرواؤ، پراٹھے بالکل ویسے ہی بنانا جیسے شادی سے پہلے جسی بھاء جی کے لئے بنایا کرتی تھیں دیسی گھی کے بل دار اور بے حد خستہ۔" پیا نے جسی بھاء جی کی طرف شرارت سے دیکھتے پریت کو چھیڑا تھا۔

"ہمیں تو عرصہ ہو گیا ان کے ہاتھ کے پراٹھے کھائے بھرجائی جی، آپ کے لئے شاید آج بنا دیں اسی بہانے ہم بھی سواد لے لیں گے۔" جسی بھاء جی نے فوراً ہی مصنوعی ہوکا بھرا۔

"ہاں جیسے آج سے پہلے تو آپ نے کبھی چکھے ہی نہیں، حسرت سے تو ایسے بول رہے ہیں۔" پریت کی توپوں کا رخ بے چارے جسی بھاء جی کی طرف گولہ باری کرنے لگا تھا، پیا ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

''ہاں تو سچ ہی بول رہا ہوں، مجھے تو اب روزانہ براؤن بریڈ کھا کھا کے پراٹھوں کا سواد ہی بھول گیا ہے، بس کیا بتاؤں بھرجائی، چندی گڑھ کے وہ گزارے دن بڑے ہی رومانچک (رومینٹک اور بھرپور مزے لئے ہوتے) تھے، ایسے تتلی کی مانند میرے اردگرد چکرا کرتی تھی جیسے شہد کی مکھی پھولوں کا رس چوسنے کے لئے ان کے اردگرد منڈلاتی ہے۔'' جسی بھاء جی کسی حسین یاد کے زیر اثر تھے۔

''کچھ تو خوف کریں آپ، کیا کہانیاں لے کر بیٹھ گئے ہیں صبح ہی صبح، اس بے چاری کو ناشتہ تو کر لینے دیں۔'' کچن میں کھڑ پٹر کرتی پریت نے انہیں وہیں سے ٹوکا تھا۔

''اور آج یہ حال ہے کہ میرا بولنا ہی گوارا نہیں ان محترمہ کو۔'' جسی بھاء جی نے بات مکمل کرتے پھر ہوکا سا بھرا تھا، جس میں موجود مصنوعی پن دور سے ہی دکھ رہا تھا۔

''حوصلہ کریں بھاء جی، یہ سب تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔'' پیا نے اپنے نادیدہ آنسو صاف کرتے بھاء جی کو تسلی دی تھی۔

''تم بھی مل گئی ان کے ساتھ، بڑی خراب ہو تم، انہیں تو کسی ہمدرد کی ضرورت ہے اور کچھ نہیں، مسکین کو اپنا ہمدرد بنا رہے ہیں۔'' پریت نے پراٹھا بیلتے وہیں سے نروٹھے پن سے ہانک لگائی تھی تو دونوں ہنس پڑے۔

☆☆☆

وہ اے جی سپر سٹور پہنچی تو صبح کے دس بج رہے تھے، آج وہ خاصی لیٹ ہو گئی تھی حالانکہ آج تو فرحاب بھی نہیں تھے ناصر بے حد ایماندار اور مخلص لڑکا تھا صبح ہی صبح آ جایا کرتا تھا، پیا نے کل کی سیل کا ریکارڈ کمپیوٹر ڈیٹا میں فیڈ کیا تھا اس کام میں اسے اتنی دیر ہو گئی کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلا تھا فرحاب کی غیر موجودگی میں اسے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کتنا کام اکیلے نپٹانے کے عادی ہیں، اس نے انٹر کام پر اپنے لئے کافی کا آرڈر دیا اور اپنی پیشانی دو انگلیوں اور ایک انگوٹھے کو ملا کر مسلنے لگی، تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی پیا بے اختیار سیدھی ہوئی اسے لگا ناصر کافی لے کر آیا ہوگا۔

''یس۔'' پیا نے فائل اٹھا کر اپنے سامنے رکھی جس کے بارے میں اسے ناصر کے ساتھ ڈسکس کرنا تھا، مگر نووارد کو دیکھ کر وہ چند لمحے کے لئے بول ہی نہیں سکی تھی آنے والا میکس تھا، جو بالکل ہی غیر متوقع طور پر وہاں آیا تھا، پیا نے یاد کرنے کی کوشش کی اس کا آج ادھر اسٹور پر آنے کا کوئی ارادہ تھا نہ ہی فرحاب نے ذکر کیا تھا، پیا اسے دیکھ کر چند لمحوں بعد مسکرائی اس کی مسکراہٹ خیر مقدمی مگر ذرا الجھی الجھی سی تھی۔

''گڈ مارننگ پیا، کیسی ہیں؟'' اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا وہ اسے غور سے دیکھتا بولا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں پلیز آیئے ناں بیٹھیے۔'' اس نے آداب میزبانی نبھاتے ہوئے فوراً شائستگی سے کہا، وہ شکریہ ادا کرتے بیٹھ کر بغور پیا کا جائزہ لینے لگا تھا، پیا انٹر کام پر کافی آرڈر کرنے لگی، اس نے آج گہرے میرون رنگ کی شلوار قمیض کے ساتھ لمبا دوپٹہ لے رکھا تھا، چونکہ کمرے میں ہیٹر آن تھا اس لئے کسی بھی قسم کی جرسی یا اپر وغیرہ نہیں پہن رکھا تھا، اس کی رنگت قدرتی طور پر بے حد سفید تھی جس میں ہلکا ہلکا سندور بھی گھلا محسوس ہوتا تھا آنکھیں سیاہ بھنورا سی مگر بے حد روشن اور چمکدار تھیں آنکھوں میں ٹھہرا گہرا کاجل اور گالوں پہ جمی بلش آن کی تہہ بے حد نیچرل نظر آنے کے ساتھ ساتھ اسے بے پناہ حسین ظاہر کرتے تھے، میکس کو اسے دیکھ کر ہر

مرتبہ ہی اپنا فیصلہ بے حد درست نظر آیا کرتا۔

''ناصر بھائی دو کپ کافی بھجوائیے گا پلیز ذرا جلدی۔'' اس نے انٹر کام جیسے ہی رکھا ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی ختم ہوا، مسکراتے ہوئے وہ میکس کی جانب پلٹی تھی، جو اب بڑی مہارت سے اپنی نظروں کا ارتکاز بدلے کمرے کے وسط میں لگی اپنی ہی بنائی پینٹنگ بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا، پیا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور دھیمے سے انداز میں مسکراتے وضاحت کرتے بولی تھی۔

''آپ کی بنائی یہ پینٹنگ مجھے بے حد پسند آئی تھی اور فرحاب سے ضد کر کے میں نے اسے یہاں لگوایا ہے۔'' اس کے کہنے پر دوبارہ میکس نے اپنی بنائی پینٹنگ کو دیکھا جس میں سمندر کے کنارے ڈوبتے سورج کا منظر نہایت خوبصورتی سے ابھارا گیا تھا، شفق کی لالی شام کے گہرے سرمئی رنگ میں اس قدر خوبصورتی سے مدغم ہو رہی تھی کہ حقیقت کا گمان گزر رہا تھا، سمندر کی اٹھتی لہروں سے بے نیاز ایک لڑکی نیچے ریت پر سر جھکائے افسردہ سی اس منظر کو دیکھ رہی تھی اور سمندر کی لہریں اس کے پیروں کو چھو کر واپس جا رہی تھیں اس لڑکی کے چہرے کے تاثرات اتنے واضح اور بھرپور تھے کہ جیتی جاگتی لڑکی کا گمان گزر رہا تھا پیا کو یہ پینٹنگ اسی لئے زیادہ پسند تھی کیونکہ حقیقت کا عکس اس میں بہت گہرا اور شفاف تھا۔

''آپ بہت اچھی پینٹنگز بناتے ہیں۔'' پیا نے کھلے دل سے میکس کی تعریف کی تھی۔

میکس کی تعریف تو لاکھوں لوگ کیا کرتے تھے مگر پیا کی تعریف کا انداز اسے بے حد منفرد اور انوکھا لگا تھا، اس کے چہرے کو بے اختیار مسکراہٹ نے چھوا تھا، وہ جو یہ سمجھتا تھا کہ اسے بالکل بھی مصوری کی سدھ بدھ نہیں ہے غلط تھا جب پیا نے اس تصویر پر اپنا گہرا تجزیہ پیش کیا تو میکس کو اپنا مشاہدہ غلط ہوتا محسوس ہوا۔

''بہت شکریہ مادام! مجھے خوشی ہے کہ آپ کو میری بنائی پینٹنگ نے انسپائر کیا۔''

''ارے نہیں، آپ واقعی میں بہت ہی اچھے آرٹسٹ ہیں آپ کی پینٹنگز میں ایک واضح وژن ہے جذبات ہیں احساسات ہیں آپ کی پینٹنگ محض پینٹنگ نہیں لگتی بلکہ زندہ و جاوید حقیقت نظر آتی ہے۔'' جوش و خروش سے بولتی پیا ایک دم سے خاموش ہوئی تھی میکس اسے بے حد حیرت سے اس قدر روانی سے انگلش بولتے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا حیرت کے مارے اس کی زبان گنگ ہو رہی تھی، وہ اتنی جلدی یہ زبان سیکھ گئی تھی اور میکس کو اندازہ ہی نہ ہو سکا تھا، اسی دوران ناصر کافی لے کر اندر آیا تھا، ایک کپ احترام سے میکس کے سامنے رکھا اور دوسرا پیا کے سامنے رکھتے وہ واپس کو مڑ گیا تھا، پیا نے دراز سے چاکلیٹ کوکیز نکال کر میکس کے سامنے رکھے تھے۔

''آپ کے ہزبینڈ نظر نہیں آ رہے؟'' کوکیز اٹھا کر کھاتے اس نے پوچھا تو پیا کو یاد آیا کہ اس نے تو میکس کی آمد کے متعلق پوچھا ہی نہیں کہ آیا کس سلسلے میں ہے۔

''ایکچوئلی انہیں اچانک ہی پاکستان جانا پڑا، ان کی مدر بہت بیمار ہیں ناں۔''

''اوہ ویری سیڈ کیا ہوا انہیں؟'' میکس کے پوچھنے پر اس نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کی۔

''میکس آپ کوئی ایسی پینٹنگ بنا سکتے ہیں جس میں ایک خزاں رسیدہ جنگل ہو اور اس کے درختوں کے پتے جنگل کی زمین پر بکھرے ہوئے

ہوں اوران بکھرتے پتوں پر ایک لڑکی اداس اور
دلگرفتہ سی بیٹھی اس منظر کا حصہ دکھائی دے۔''
اچانک پیا نے اس سے پوچھا تھا، میکس ہولے
سے مسکرایا۔

''ایسی پینٹنگ میں آل ریڈی بنا چکا ہوں
میرے گھر پر ہے اسٹوڈیو میں رکھی ہے آپ کو
چاہیے کیا؟'' میکس نے فوراً ہی اس کی من پسند
بات کی تھی۔

''ارے کیا واقعی، مجھے واقعی میں ایسی
پینٹنگ چاہیے اپنے گھر میں لگانے کے لئے۔''
پیا بے حد پرجوش ہوگئی میکس نے خوشی کی قوس
قزاح اس کے چہرے پر بکھرتے دیکھی تھی۔

''لیکن میری ایک شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟'' پیا نے حیران ہوتے پوچھا
تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ دوستی کرنا پڑے
گی۔'' میکس نے شرط بتا کر اس کی طرف دیکھتے
اس کے تاثرات نوٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ارے آپ تو میرے محسن ہیں آپ سے تو
احسان مندی کا رشتہ ہے میرا اور پھر آپ فرحاب
کے دوست اور پارٹنر ہیں تو اس حساب سے میں
بھی آپ کو اپنا دوست مانتی ہی ہوں۔''

''تو پھر ایک دوست آپ کو بار بار
درخواست کر رہا ہے کہ وہ آپ کا پورٹریٹ بنانے
کا خواہش مند ہے پھر اس غریب کی خواہش کی
تکمیل میں اتنی دیر کیوں؟'' میکس نے بے
چارگی سے کہتے پیا کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا اس کی
نقرئی گھنٹیوں جیسی ہنسی کی جلترنگ کمرے کی فضا
میں بکھر گئی تھی میکس نے خود پر مدہوشی طاری
ہوتے محسوس کی تھی۔

''ارے بس فرحاب کے آتے ہی ہم آپ
کی یہ خواہش بھی پوری کر دیں گے۔'' اس نے
آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا۔

''اوکے ابھی چلتا ہوں، وعدے کی
پاسداری کا انتظار کروں گا۔'' اس نے اٹھتے سے
جیب سے کارڈ نکالتے اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے جب بھی کوئی مشکل
پیش آئے تو فوراً کال کر لیجئے گا، بندہ حاضر ہو
جائے گا۔''

''مگر میرے پاس پہلے ہی آپ کا کارڈ
موجود ہے آپ نے ہی دیا تھا۔'' پیا نے کارڈ
پکڑتے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں مجھے یاد آیا اس پر میرا ایسل نمبر موجود
ہے گھر کے نمبر بھی ہیں وہ آفس کا کارڈ تھا اور مجھے
خوشی ہوگی اگر آپ کسی بھی مشکل یا پریشانی میں
مجھے مدد کے لئے پکاریں گی تو۔''

''جی ضرور۔'' پیا نے مسکراتے ہوئے کارڈ
تھامتے یقین دہانی کروائی تھی۔

☆☆☆

وہ واش روم سے فریش ہوکر باہر نکلی تو اس کا
موبائل بج رہا تھا موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین
اسے باتھ روم کا دروازہ کھولتے ہی نظر آگئی تھی
اس نے لپک کر فون اٹھایا تھا کہ اسے فرحاب کی
کال کا بے صبری سے انتظار تھا۔

''امی جان مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں پیا،
انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی میں نے
انہیں اتنی آوازیں دیں کہ کسی ایک بھی بات کا
جواب نہیں دیا مجھے۔'' اس کے ہیلو کے جواب
میں فرحاب شفیق کی لرزتی روتی تڑپتی آواز اسے
سنائی دی، پیا بے اختیار نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''فرحاب!'' اس کے لبوں سے سرسراتے
ہوئے نکلا تھا حیرت سی حیرت تھی جس نے اسے
اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں پیا، کہ میں بہت بد

بخت ہوں دیکھو میں واقعی میں ہوں میں مرتے وقت بھی اپنی ماں کے پاس نہیں پہنچ پایا، میں ان سے مل نہیں پایا انہیں پیار کر پایا نہ ہی ان کا پیار لے پایا۔" بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے اس نے اپنا دکھ اور غم پیا سے شیئر کیا اور پیا تو مارے دکھ کے کچھ بول ہی نہ پا رہی تھی، تسلی کے دو بول تک اس کے پاس نہیں تھے جو وہ فرحاب کے ساتھ بول پاتی اور اس وقت جو فرحاب کی حالت تھی کیا فرحاب کو پیا کے چند جملوں سے تسلی مل جاتی۔

"مت روئیں فرحاب! پلیز حوصلہ کریں شاید اللہ کو یہی منظور تھا آپ پلیز خود کو سنبھالیں اگر آپ اسی طرح روتے رہے تو امی جان کی روح کو تکلیف ہوگی۔" اس نے اتنی دور بیٹھے بھی فرحاب کی مخدوش حالت کا اندازہ لگا لیا تھا اس نے اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے فرحاب کو دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی حالانکہ اسے خبر ہی نہ ہو سکی تھی وہ خود بھی رو رہی تھی، فرحاب نے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے ہی فون کاٹ دیا تھا، پیا نے جلدی سے واثق کو کال ملائی تھی۔

"واثق بھائی! فرحاب اس وقت تنہا اور دکھی ہیں پلیز ان کے پاس جا کر انہیں سنبھالیں، وہ بہت ٹینشن میں ہیں۔" ساری تفصیل سننے کے بعد واثق نے اسے فوراً ہی وہاں پہنچنے کا وعدہ کرتے فون بند کیا تھا، پیا چند لمحے وہیں بیٹھی افسردہ ہوتی رہی پھر ریت کو بتانے کی غرض سے باہر آئی تو اسے یاد آیا کہ وہ تو ابھی آفس سے ہی نہ لوٹی تھی سو وہ ٹیرس پہ چلی آئی تھی، کوئین سٹی ہاؤس اسٹائل اپارٹمنٹ گہری کہر میں دب رہا تھا سردی شام ہوتے ہی بڑھ گئی تھی دھند ہی دھند تھی پیا حسب عادت ٹیرس پہ کہنیاں ٹکائے دور دھندلی نظر آتی اسٹریٹ لائٹس کو دیکھنے لگی تھی جو گہری دھند میں ٹمٹماتے دیے جیسی دکھ رہی تھیں۔

اس نے لمبی سانس کھینچ کر آکسیجن پھیپھڑوں کو منتقل کرنے کی کوشش کی، شام بہت گہری اور اداس تھی اس کا دل ویران اور خالی تھا، دونوں میں ہی کسی قدر مماثلت تھی اور وہ ڈوبتی شام کا منظر تھا، اپنے اسٹوڈیو میں بے حد اہم پینٹنگ پہ کام کرتے میکس پل بھر کو چونکا تھا ایک عجیب سے احساس نے اس کا گھیراؤ کیا تھا، اس نے باہر نکل کر فضا میں جمے کہر کو دیکھا پھر اپنی اسٹینڈ پہ لگی بائی نوکیلر کو ایک خاص زاویے پر سیٹ کرتے کوئین سٹی ہاؤس کے سامنے نظر آتے اس ٹیرس پر دیکھا جہاں پیا کہنیاں گرل سے ٹکائے اداس اور مغموم جھکی ہوئی تھی، میکس اسے وہاں دیکھ کر پریشان ہو اٹھا تھا، وہ اتنی سردی میں بے نیاز سی نظر آ رہی تھی اگر وہ بیمار پڑ گئی تو؟ میکس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ اسے روک دے، پیا کو وہاں کھڑے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا گہری شام اب رات کی سیاہی میں ڈھلتی قطرہ قطرہ بن کر بہہ رہی تھی، پیا کو ایک ایک لمحہ ایک صدی کے مترادف گزرتا محسوس ہوا، وقت جیسے اس تیز ترین شہر میں بھی ٹھہر سا گیا تھا، تبھی اچانک اس کی نگاہ نیچے اسٹریٹ پولز کے قریب پڑی تھی اسے وہاں کسی بے حد باریک اور چھوٹا سا روشنی کا نقطہ نظر آیا تھا، گول دائرے کی صورت بے حد چھوٹا سا سرخ رنگ کا انگارہ، شارٹ سرکٹ پیا کے ذہن میں دھماکہ ہوا، مگر اس کا تو اس شہر میں سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، پیا نے نظر جمانے کی کوشش کی اور غور سے دیکھا دو آدمی سٹریٹ پول کے پاس کھڑے سگریٹ پی رہے تھے پیا کے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی رات کا وقت تھا اور وہ گھر میں بالکل اکیلی تھی ہر طرح کی احتیاط کے باوجود بھی آخر لڑکی ہی، اسے پہلا خیال ان حبشیز کا

ہی آیا تھا، اس نے فوراً ہی اندر بھاگ کر ٹیرس کا دروازہ بند کرتے ان کے آگے پردہ گرایا اور صوفے پر لیٹ کر سانسیں ہموار کرنے لگی۔
میکس نے نا چاہتے ہوئے بھی اس کے گھر کا نمبر ملایا تھا، پیا نے لپک کر سی ایل آئی پر غور سے دیکھا تو نمبر انجان اور پرائیویٹ سیرل سے تھا، وہ تذبذب کا شکار ہوگئی کہ فون اٹھائے کہ نہیں تبھی اس کے گھر کی کال بیل بجنے لگی تھی اور متواتر ہی بج رہی تھی، پیا کو سمجھ ہی نہ آیا کہ پہلے فون سنے یا دروازہ کھولے اور پھر اگر دروازہ ناک کرنے والے وہی جبشی ہوئے تو..... پھر وہ کیا کرے گی..... فون بجنا بند ہو چکا تھا پیا نے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا اور کمرے کے دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ فون ایک مرتبہ پھر بجنے لگا تھا، پیا نے لپک کر فون اٹھایا تو دوسری طرف سے آنے والی آواز اسے متحیر کر گئی تھی۔
''باہر سردی بہت زیادہ ہے پیا، اور آپ گرم کپڑوں کے ٹیرس پہ کھڑی ہیں بیمار ہو جائیں گی تو آپ کا خیال کون کرے گا پھر یہاں فی الحال فرحاب بھی نہیں ہے۔'' پیا نے ریسور کان سے ہٹا کر دیکھا اور پھر سنا آواز واقعی میں میکس کروک کی ہی تھی لیکن اسے کیسے پتا چلا کہ میں باہر ٹیرس پہ ہوں یہی سوال اس نے میکس سے بھی کیا تھا۔
''میرے اپارٹمنٹ کی ٹیرس سے آپ کی ٹیرس نظر آتی ہے۔'' اس نے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔
''اوہ اسی لئے آپ نے اس پینٹنگ سے متعلق دعوی کیا کہ وہ آپ نے میری شبیہ سے متاثر ہو کر بنائی ہے؟'' پیا نے اسے گزشتہ بات یاد دلائی تو میکس لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی تائید کرتے ہنسا۔
''جی ہاں! اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اس روز میں نے آپ کو بائی نوکیلر کی مدد سے دیکھ دیکھ کر پینٹ کیا تھا۔'' پیا کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی ڈور بیل بند ہو چکی تھی سو وہ بھی مطمئن ہو کر باتیں کرنے لگی تھی۔
''لیکن اس پینٹنگ میں تو میرا چہرہ واضح نہیں تھا سب کچھ بے حد مبہم مبہم سا نظر آرہا تھا۔'' میکس جانتا تھا کہ وہ یہ سوال کرے گی اسی لئے اس نے فوری طور پر جواب دیا تھا۔
''اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو وجہ تھی کہ میں اس چہرے کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کی خوبصورتی کو مکمل طور پر تحیل کر کے پینٹ کرنا چاہتا تھا دوسری اور اہم وجہ آپ کا چہرہ ایشیائی چہرہ تھا اور بچپن میں ہی کچھ عرصہ انڈیا رہا تو اردگرد کے مسلم ممالک اور انڈیا میں موجود مسلم فیملیز سے بھی انٹریکشن رہا جس کے سبب ایسی چھوٹی چھوٹی اہم باتوں کا دھیان میں رکھنے لگا ہوں کہ کسی کا پورٹریٹ اس کی اجازت کے بغیر نہیں بنانا چاہیے اور ویسے بھی تو یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔'' ایک ہی دن میں یہ ان کی دوسری تفصیلی بات چیت تھی پیا نے مطمئن اور متاثر ہو کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔
''ویسے میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ آرٹسٹ تب تک اس چہرے کو پینٹ نہیں کر سکتا جب تک وہ چہرہ یا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے نہ ہو مطلب پورٹریٹ وغیرہ واٹ ایور...... آپ سمجھ رہے ہیں ناں کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔''
''ہاں میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں، آپ کی بات کسی حد تک صحیح ہے لیکن ہر آرٹسٹ کے لئے یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے کم از کم میرے جیسے مصور کے لئے، میں کسی بھی منظر، جگہ یا چہرے کو ایک نظر بھی دیکھ لوں تو وہ میرے ذہن

میں نقش ہو جاتی ہے، مجھے اسے بار بار دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔''

''لیکن پھر اس روز میرے چہرے کو آپ نے کیوں بار بار دوربین کی مدد سے دیکھ کر بنایا تھا حالانکہ وہ تو تھا بھی بہت غیر واضح سا؟'' پیا نے اچانک ہی تنقیدی نکتہ اٹھا کر میکس کو حیران کیا وہ اس کی ذہانت اور زیرک نگاہی کا قائل ہو گیا تھا۔

''اس سوال کا میرے پاس بہت اچھا جواب ہے پیا، مگر میں آپ کو فی الحال بتا نہیں سکتا مگر میں آپ کو بتاؤں گا ضرور مگر ابھی نہیں۔'' میکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کب بتائیں گے پھر؟'' پیا کو بے حد جلدی تھی شاید تبھی بے صبری سے فوراً پوچھا تھا۔

''آپ کا پورٹریٹ بنا کر اسے اپنی ایگزیبیشن انٹروڈیوس کراؤں گا اپنے ماسٹر پیس کے طور پر، اس روز میرا وعدہ ہے آپ سے میں آپ کے پوچھنے سے پہلے ہی بتانے آؤں گا۔'' میکس نے دھیمے سے مسکراتے اس کے تخیل کے پردے پر لہراتے عکس کو محبت سے دیکھتے جواب دیا تھا پیا سن کر اداس سی ہو گئی کہ ابھی تو جانے کب اس کا پورٹریٹ بن پاتا اور اس کی ایگزیبیشن بھی جانے کب منعقد ہونا تھی، مگر وہ بولی کچھ نہیں تھی، تبھی ڈور بیل دوبارہ بجی تھی۔

''او کے میکس! ابھی رکھتی ہوں باہر ڈور بیل ہو رہی ہے شاید پریت آئی ہے۔''

''اپنا خیال رکھیے گا پیا اور اگر کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو پلیز بلا جھجک مجھ سے کہیے گا آپ کے کام آ کے مجھے دلی خوشی ہو گی۔'' فون بند کرتے وہ یاد دہانی کروانا نہیں بھولا تھا، پیا نے اثبات میں سر ہلاتے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆

''فرحاب بھائی کی دوبارہ کال آئی پھر؟'' جاگنگ ٹریک پر چلتے چلتے اردگرد کا بھرپور جائزہ لیتے پریت نے پیا سے پوچھا تھا، جو بڑی محویت سے اردگرد بھاگتے دوڑتے انگریزوں کو دیکھ رہی تھی اتنے ماہ ہو گئے تھے اسے یہاں آئے ہوئے مگر وہ ابھی تک باہر نکلتے ہی گوروں اور ان کے بچوں کو بے حد اشتیاق سے دیکھا کرتی تھی۔

''نہیں اس روز کے بعد ان سے دوبارہ تفصیلی بات نہیں ہو سکی میری۔'' پیا نے ایک انگریز بچے کو پرام میں لیٹے اپنی طرف مسکراتا دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''کتنا کیوٹ بچہ ہے ناں پریت!'' پیا نے پریت کی توجہ اس بچے کی جانب مبذول کروائی جو انہی لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا پریت نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔

''ہاں...... واقعی میں...... بہت پیارا بچہ ہے۔''

''مگر فرحاب کو بچے اچھے نہیں لگتے۔'' پیا نے اچانک بے حد مغموم ہو کر کہا تھا پریت حیرت کے مارے چند ثانیے کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔

''کیا مطلب پیا!؟''

''فرحاب کو ابھی بچے نہیں چاہئیں، ان فیکٹ ان کو بچوں سے چڑ ہے روتے بسورتے ضد کرتے بچے انہیں کوفت میں مبتلا کرتے ہیں۔'' پیا نے فرحاب کی بات من وعن پریت کے سامنے دہرائی تھی، پریت نے بے حد دکھ سے پیا کا ضبط کرتا لال چہرہ دیکھا، ابھی چند روز پہلے ہی تو اس نے فرحاب سے کہا تھا کہ ہمیں اب اپنی فیملی کے متعلق سوچنا چاہیے تو کیسا روکھا سا جواب دیا تھا۔

''ابھی فی الحال اس بارے میں سوچو بھی مت، ایک عمر پڑی ہے یہ سب کرنے کے لئے ابھی خود کو اسٹیبل کرنے میں میری مدد کرو۔'' پیا

اس کا جواب سن کر چپ رہ گئی تھی، ابھی اور وہ کتنا اسٹیبلش ہونا چاہتا تھا۔

''لیکن فرحاب...... سب پوچھتے ہیں اب...... کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں میں اب انہیں کیا کہوں؟''

''لوگوں کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا کرتے پی، اپنا فائدہ اور نقصان دیکھا کرتے ہیں ہمیشہ۔'' فرحاب نے اسے سمجھایا مگر پیا چڑ گئی تھی۔

''وہ لوگ نہیں ہیں فرحاب ہمارے اپنے ہیں اور پھر ہم اپنی اپنی ماں کی اکلوتی اولاد ہیں انہیں ہماری اولاد کی خواہش ہونا ایک فطری سی بات ہے۔''

''تو مجھے اس بات سے انکار کب ہے پی، میں بس کچھ وقت مانگ رہا ہوں، میں اپنے بچوں کو سسکتی ہوئی زندگی نہیں دینا چاہتا، میں اپنے بچوں کو ایک لگژری لائف دینا چاہتا ہوں جو محرومیاں میں نے اپنی زندگی میں دیکھی ہیں میں ان محرومیوں کا سایہ بھی اپنے بچوں پر نہیں پڑنے دینا چاہتا۔'' اور پیا اس کی اتنی لمبی چوڑی تفصیل سننے کے بعد پوچھ ہی نہیں سکی کہ اس کی محرومیاں کیا تھیں۔

''تو پرابلم کیا ہے پیا، تم کیوں اتنا دل پہ لے رہی ہو؟'' پریت نے ساری بات سننے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں مجھے کیا پرابلم ہے میں تو بس ایسے ہی تمہیں بتا رہی تھی، عادت جو ہے تم سے سب کہنے کی۔'' پیا نے پرام لے کر دور جاتی اس کی ماں کو دیکھا جو جھک جھک کر جانے اس سے باتیں کیے جا رہی تھی، پریت نے رک کر اسے دیکھا۔

''اداس ہو رہی ہو فرحاب بھائی کے لیے؟''

''نہیں۔'' ہاں میں سر ہلاتے اس نے آنسوؤں کو روکتے انکار کیا تھا۔

''رات میں اکیلی اتنی خوفزدہ ہوتی رہی، میں اکیلی پہلے کبھی نہیں رہی۔''

''او گاڈ، پیا آئی ایم سوری یار، میرے ذہن میں بالکل بھی نہیں تھا یہ سب؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں مجھے اب اتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔'' پریت کو بے حد شرمندگی ہوئی تھی پیا کا رُدیا رُدیا متورم چہرہ اسے پشیمان کر رہا تھا۔

''اٹس او کے پریت! میں نے تمہیں اس لیے تو سب نہیں بتایا کہ تم شرمندہ ہو، بس ایسے ہی دل بھر آیا تو بے ربط سی جانے کیا کیا بول گئی۔'' پیا نے فوراً ہی اس کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کی۔

''ویسے آج تو سورج مغرب سے نکلا ہے، ہے ناں پریت۔'' پیا نے اچانک ہی کہا پریت نے جیسے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

''آج وہ میکس کروک کہیں سے نمودار نہیں ہوا ناں، جو فطرت کے قریب رہنے کا دعویدار بنا رہتا ہے ہر وقت۔'' پریت کا جاندار قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا اس کی بات سن کر، پیا واقعی میں سچ کہہ رہی تھی آج ایسا حسین اتفاق ان کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔

''کیا معلوم یار! وہ واقعی فطرت کی خوبصورتی کی تلاش میں رہتا ہو، تم خواہ مخواہ میں اس سے بدگمان مت ہوا کرو۔'' پریت نے اسے ٹوکا تو پیا ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے بتانے لگی۔

''کل آیا تھا میرے آفس، پھر رات کو بھی کال آئی تھی اس کی؟'' پیا نے ٹریک کی سرخ ٹائلوں پر تیز تیز چلتے بتایا تھا موسم آج قدرے

بہتر تھا مگر ہوا بہت تیز تھی اور فضا میں اوس بھی کافی تھی مگر پھر بھی سردی کی شدت پہلے قدرے کم ہی تھی۔

''اچھا...... کیا کہہ رہا تھا؟'' پریت کو تجسس ہوا تھا تو پھولی سانسوں کو ہموار کرتے پوچھنے لگی۔

''فرحاب سے ملنے آیا تھا پھر مجھے کہا کہ اگر کسی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے بلا جھجک بول دوں، ایک پینٹنگ دینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔'' آخری جملے پر پریت کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

''کیسی پینٹنگ؟'' پریت کو فوری تجسس ہوا تھا، پیا اس کی عادت سے واقف تھی۔

''جب بھیجے گا تب دیکھ لینا، ابھی واپس چلو دیر ہو رہی ہے۔''

''پیا! کیوں نہ ہم وہ پینٹنگ میکس کروک کے گھر خود لینے جائیں بے چارہ خوش بھی ہو جائے گا اتنے عرصے سے انوائٹ جو کر رہا ہے۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا پریت، ہم کیوں جائیں اس کے گھر؟'' پیا تو سنتے ہی تڑخی تھی وہ بھلا فرحاب کی اجازت کے بغیر کیوں جانے لگی کہیں اور اگر اس کی اماں کو پتا چل جائے ناں کہ وہ یوں یہاں شتر بے مہار دندناتی پھر رہی ہے تو وہیں اسے ایسی صلواتیں سنائیں کہ پیا کی عقل ٹھکانے آ جائے جبکہ پریت مسلسل اسے لے جانے کو ضد کر رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہو گا پیا! ہم جلدی لوٹ آئیں گے بس ایک کافی پئیں گے اور کچھ نہیں۔'' پیا نے اسے گھور کر ایسے دیکھا تھا گویا کچا ہی چبا جائے گی۔

''پلیز پیا صرف ایک بار ساتھ چلی چلو، سچ اس کا گھر اتنا آرٹسٹک ہے کہ دل چاہتا ہے بس دیکھتے ہی رہو کمروں کی چھتوں، فرشوں اور دیواروں تک پہ پینٹنگز بنی ہوئی ہیں۔'' پریت جوش سے بولی تھی۔

''میں نہیں جا رہی اس کے عجائب خانے میں۔'' پیا نے صاف ہی جھنڈی دکھائی تھی۔

''پلوشے آفریدی! تم ابھی دس منٹ بعد میرے ساتھ میکس کروک کے گھر چل رہی ہو۔'' پریت نے تحکم زدہ انداز اپنایا تھا پیا کا منہ اور بھی برا ہو گیا۔

''نو منٹ رہ گئے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی پریت پہلے ہی بول اٹھی تھی۔

''پریت بس پھر کسی دن، دیکھو پریت ہم پھر کسی دن۔''

''آٹھ منٹ۔'' پریت نے اس کی بات کاٹتے ٹائم بتایا تھا۔

''پریت!'' پیا غصے سے چیخی تھی۔

''اچھے سے تیار ہونے کے لئے سات منٹ تمہارے لئے کافی ہیں پیا۔'' پریت نے اسے پھر بتایا تھا پیا پاؤں پٹختے ہوئے انداز میں وہاں سے پلٹی تھی اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں میکس کروک کے عالیشان محل کے سامنے کھڑی ڈور بیل بجا رہی تھیں۔

☆☆☆

شام کے سائے ہولے ہولے میکس کروک کے عالیشان محل پر لرزاں تھے جب وہ دونوں وہاں پہنچی تھیں، پیا نے ناقدانہ نگاہ اپنے حلیے پر ڈالی تھی جلدی جلدی میں وہ صرف کپڑے ہی چینج کر پائی تھی الٹا سیدھا بالوں میں برش پھیرا اور آنکھوں میں بے ربط سی کاجل کی ہلکی سی لہر، مگر وہ دلکش تھی سو ہمیشہ خوبصورت ہی دکھتی تھی، اس نے گہرے سرخ رنگ کا انار کلی فراک پہن رکھا تھا، جس پر مونگیا رنگ کی ہلکی سی کڑھائی کی ہوئی تھی، دامن پر اور بازوؤں کی آستینوں پر ہلکا ہلکا بارڈر بنا

ہوا تھا جو بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔

''بہت غضب ڈھا رہی ہو ہمیشہ کی طرح، اندر چلو۔'' پریت نے اسے تنقیدی نگاہ سے خود کا ایکسرے کرتے دیکھا تو کہے بغیر وہ نہ رہ سکی وہ صرف پریت کی جلدی جلدی کی وجہ سے سات منٹ میں ہی تیار ہوئی تھی۔

''تم تو اب یہی کہو گی ناں، برش تک تو بالوں میں تم نے مجھے کرنے نہیں دیا۔'' پیا روٹھی ہوئی تھی پریت ہولے سے مسکرائی تھی خود تو وہ ہمیشہ خاص الخاص تیاری کیے رکھتی تھی۔

''سوا سے کیا ٹینشن۔'' پیا نے کلس کر سوچا پریت کال بیل پہ ہاتھ رکھ چکی تھی۔

''یہیں میکس کروک سے ملنا ہے؟'' اس کے پیون نے دروازہ کھولا تھا پیا نے غور سے دیکھا اس کے لان میں بے تحاشا پھولوں کے ساتھ طرح طرح کے اسٹیچو تھے قسم قسم کے جانوروں اور پرندوں کے جن میں ترتیب وار خوبصورت پھول اگائے گئے تھے، پتھروں کی روش پر چلتے وہ پیون کے پیچھے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہی تھیں، بائیں ہاتھ پر گیراج بنا تھا جس میں ریڈ فراری کے علاوہ بھی دو گاڑیاں کھڑی تھیں، پیا اشتیاق سے اس کا گھر دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اس نے اس قدر خوبصورت آرٹسٹک گھر آج تک نہیں دیکھا تھا، گھر کیا تھا کوئی خواب محل تھا، سفید ماربل سے بنا عالی شان گھر ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں لا کر بٹھا دیا تھا، پیا نے اچک اچک کر دیواروں پر بنی پینٹنگز کی زبان اور مقصد سمجھنے کی کوشش کی، انٹریئر کمال کا تھا غرض ہر چیز میں نفاست اور معیار دور سے ہی دکھ رہا تھا۔

''کتنا خوبصورت گھر ہے پریت، بالکل خواب محل جیسا۔'' پریت کے کان میں سرگوشی کرتے پیا کے چہرے پر بچوں جیسا اشتیاق بکھرا ہوا تھا۔

''یہ میکس کروک کا گھر ہے پیا، ورلڈ فیمس آرٹسٹ کا گھر۔'' پریت نے اس کی حیرت کم کرنے کو یہ چند الفاظ چبا چبا کر ادا کیے تھے، تبھی میکس چلا آیا تھا بالکل عام سے گھریلو حلیے میں، پیا نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا آج اس کے بالوں کا رنگ کالا تھا مگر فرنچ داڑھی نہیں تھی، نچلے ہونٹ کے نیچے ہلکے سے بال رکھ کر جانے کسی فیشن کا ناس مارا ہوا تھا، کانوں میں آج بھی پلاٹینم کی بالیاں تھیں گلے میں ہولی کراس کا لاکٹ اور دائیں کلائی میں تین چار اکٹھے بینڈز، اس کی لمبی انگلیوں کی پوروں پہ ہلکے ہلکے رنگ لگے تھے جیسے وہ پینٹنگ درمیان میں چھوڑ کر اسے ملنے آیا تھا۔

''گڈ ایوننگ لیڈیز!'' بے حد شان سے چلتا وہ ان دونوں کے سامنے رکھے صوفے پر آ بیٹھا تھا اس نے ایک بھرپور نگاہ پیا کے وجود پر ڈالی پیا کی نظریں بے اختیار جھک سی گئیں، پیا اس کے اس طرح سے دیکھنے پر چھوئی موئی سی ہو گئی میکس کروک کو وہ اس طرح آفس والی ملاقات سے بالکل ہٹ کر لگی تھی آج اس کے چہرے پر نروٹھا پن تھا، جھینپ تھی جب کہ اس روز اعتماد و انداز میں ڈیلنگ کر رہی تھی، مگر اس بات کا اعتراف میکس کروک کے پروفیشنلسٹ دل نے بھی کیا تھا کہ وہ آج بھی دلکش دکھ رہی تھی ہمیشہ کی طرح خوبصورت مہکتی ہوئی تازہ بادِ صبا جیسی، جس کے وجود سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی محسوس ہوتی تھیں کم از کم میکس تو نئی زندگی ملتی محسوس کرتا تھا اسے دیکھ کے، محبت دنیاوی حدود و قیود شرط شرائط سے بے نیاز ہوا کرتی ہے یہ تو روحوں کے ملن کی کہانی ہے اس میں دنیاوی

معیار، شان و شوکت یا رشتوں کی پاسداری اہم نہیں ہوتی اس میں خواہش کا حصول اہم نہیں ہوتا، اس میں صرف محبت سے محبت تک کا سفر جاری و ساری رہتا ہے اگر محبت یہ دیکھ کر ہو فلاں کسی کا شوہر یا کسی کی بیوی ہے تو کیا ہی بات ہے، محبت ایک بے بس کر دینے والا جذبہ ہے اور اسی محبت نے میکس کروک جیسے بندے کو بھی بے بس کر دیا تھا، وہ لمحہ بہ لمحہ مفلوج ہوتا جا رہا تھا، مگر مقابل ہر بات سے بے خبر و انجان کہ وہ کسی کی ہستی دکھ میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے کوئی اپنا دل خاک ہوتا محسوس کر رہا ہے مگر مقابل کی وہی ازلی بے نیازی بام عروج تک پہنچی ہوئی تھی۔

''آپ کا گھر بہت پیارا ہے میکس!'' پیا نے اس کے حال احوال پوچھنے کے بعد فوراً ہی کہہ اٹھی تھی۔

''ہاں لیکن اب پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے۔'' میکس نے دھیمے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا پھر ذرا سنبھل کر دوبارہ بولا تھا۔

''گھر کے مکین کو گھر اس وقت اور بھی زیادہ خوبصورت لگنے لگتا ہے پیا، جب اس کے من پسند لوگ بطور مہمان ان کے گھر کو رونق بخشتے ہیں اور مجھے آج یہ گھر بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔''

''آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی میکس۔'' اس کی وضاحت کے جواب میں پریت کو شاید یہ ہی سوال پوچھنا زیادہ مناسب لگا تھا، بالکل گھریلو حلیے میں ملبوس وہ انہیں ایک عام گھر، گھر والوں کی کمی محسوس کرنے والا مرد ہی لگ رہا تھا، جو کسی قدر تنہا، اکیلا اور اداس سا رہتا ہے، پریت کے سوال پر وہ دھیمے سے انداز میں مسکرایا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں ایک فیملی کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہوں، میری ذات سے شاید اور کسی کو ہو نہ ہو لیکن میری بیوی کو بہت سی شکایات ہوں گی۔'' وہ بات کے اختتام پہ خود ہی ہلکا سا قہقہہ لگا کے ہنسا تھا ایسے محسوس ہو رہا تھا گویا وہ اپنی لاپروائی پہ ہنس رہا ہو یا مستقبل کے کسی خوش کن خیال کا تصور ہی اسے محظوظ کر رہا ہو اسی اثناء میں اس کا شیف کھانے پینے کے لوازمات سے سجی ٹرالی ان کے پاس لے آیا تھا، بے حد مودب سے انداز میں انہیں اسٹرابیری بلیک فارسٹ کیک سرو کر رہا تھا، پیا کو بے اختیار بلیک فارسٹ دیکھ کر وانق بھائی کی سالگرہ کا دن یاد آ گیا اور اسی خیال کے ساتھ ہی اسے فرحاب کی یاد آئی تھی جانے وہ پاکستان میں کس حال میں ہوں گے، ان کی طبیعت اور ذہنی حالت کچھ سنبھلی بھی ہوگی یا نہیں، پیا کا دل ایکدم سے جیسے اس ماحول سے اچاٹ ہو گیا تھا اس کے بدلتے اتار چڑھاؤ اور تاثرات کو بغور دیکھتے میکس کروک چونک کر متوجہ ہوا تھا۔

''کیا بات ہے پیا، آپ بہت اپ سیٹ لگ رہی ہیں؟'' میکس جانے کیوں خود کو پوچھنے سے روک نہیں پایا تھا، پیا نے فوراً خود کو سنبھالا تھا بے ساختہ ہی چہرے پر ہاتھ پھیرا، خود کو تر و تازہ کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے فوراً ہی کیک کی پلیٹ پر جھکتے جواب دیا۔

''مسز فرحاب کی والدہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' میکس نے فوراً ہی پوچھا تھا، وہ پیا کو آج کے دن خاموش نہیں دیکھنا چاہتا تھا وہ اس کے گھر آئی تھی وہ بے حد خوش تھا مگر وہ اپنی خوشی میں پیا کی اداسی نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

''ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔'' پیا نے ضبط کی طنابیں اپنے ہاتھ سے چھوٹتی محسوس کی تھیں تنہائی

کا احساس شدت سے اس پر غالب آیا تھا۔

''اوہ...... ویری سیڈ، کب ہوئی ان کی ڈیتھ، مجھے کیوں نہیں بتایا آپ لوگوں نے؟''

''ایکچوئیلی میکس! فرحاب کو خود بھی کسی بات کا ہوش نہیں ہے انہوں نے اپنی والدہ کی ڈیتھ کا بہت شدید اثر لیا ہے ادھر پیا اکیلی ہے اور ان کے لئے بے حد پریشان بھی، میں اس لئے آج اسے یہاں لے آئی تھی کہ تھوڑی فریش ہو جائے گی۔'' پریت نے ہی اسے ساری صورتحال سمجھاتے تفصیل بتائی تھی۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا، آپ پلیز پریشان و اداس مت ہوں پیا، فرحاب جلد آ جائیں گے۔'' پیا اس کے دلاسے پر پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی۔

''آئیں میں آپ کو اپنا گھر دکھاتا ہوں۔''

وہ لوگ کافی وغیرہ پی چکے تھے تبھی میکس نے انہیں اپنا گھر دکھانا شروع کیا تھا پورے گھر میں اور بالخصوص کوریڈور میں بے تحاشا پینٹنگز لگی تھیں ایک پینٹنگ دیکھ کر پریت اور پیا ایک ساتھ چونکی تھیں پورے گھر میں اتنا خوبصورت آرٹ بکھرا نظر آیا تھا ایسے میں ایک پینٹنگ کی انہیں سمجھ نہیں آئی تھی، پیا نے ذرا قریب جا کے دیکھا تو وہ ہاتھ کی بنی پینٹنگ نہیں بلکہ فوٹو گرافی کی بنائی فوٹو تھی مگر اسے بہت خوبصورت انداز میں فریم کروا کے انلارج کروا کے لگایا گیا تھا، وہ ایک گاڑی کی فوٹو تھی۔

''رائلز رائے۔'' پریت نے ٹھٹک کر سرگوشی کی تھی، اپنی دھن میں اسٹوڈیو کی جانب چلتا میکس پلٹا پھر ان کو اس تصویر کے پاس کھڑا دیکھ کر مسکراتے ان کے پاس آیا تھا۔

''یہ میرے بچپن کا خواب ہے جو ابھی تک پورا نہیں ہو پایا۔'' اس نے رائلز رائے کی جانب اشارہ کرتے بتایا تھا رائلز رائے گاڑی دنیا کی بیش قیمت گاڑیوں میں سے ایک، جس کے سال بھر میں صرف ایک سو پچیس ماڈلز ہی بنتے ہیں جو صرف اور صرف آرڈر پر ہی تیار کیے جاتے ہیں، امراء کے اسٹیٹس اور معیار کے پیش نظر تیار کی جانے والی ایک بیش قیمت لگژری کار، عام بندہ جس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا مگر میکس کے لئے تو یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔

''بہت بچپن میں، میں اپنے فادر کے ساتھ ایک پرائم منسٹر کے گھر ڈنر پر گیا تھا میرے ڈیڈ فارن منسٹر رہے ہیں اس پرائم منسٹر کے پورٹیکو میں کھڑی اس گاڑی کو دیکھ کر ہی میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنے لئے بڑا ہو کے یہ گاڑی ضرور خریدوں گا۔''

''تو ابھی تک خریدی کیوں نہیں؟'' پیا نے جانے کس احساس کے تحت پوچھ لیا تھا۔

''ہاں اچھا سوال ہے، یہ بچپن کا خواب تھا لیکن بڑے ہونے کے بعد خواب بھی بڑے ہو گئے، جوانی کے خواب اتنے اتاولے ہوتے ہیں کہ کچھ اور کرنے ہی نہیں دیتے، بس اپنی تکمیل کے لئے بندہ کو زچ کیے رکھتے ہیں، سو ابھی تک یہ خواب پورا نہیں ہو سکا، جس کے لئے شاید اتنی محنت بھی کی ہے۔'' وہ دلگرفتگی سے ہنسا۔

''مگر بچپن کے خواب بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، ان میں آپ کے معصوم بچپن کی جھلک ہوتی ہے، آپ کو پہلے اپنا یہ خواب پورا کرنا چاہیے تھا گو کہ یہ خواب بھی کوئی چھوٹا سا نہیں ہے اس گاڑی کی خواہش تو شاید دنیا کے ہر مرد کی ہو گی چاہے وہ ساٹھ سال کا بوڑھا ہو یا بیس سال کا نوجوان۔'' پیا نے بے ساختہ کہا تھا مگر میکس کو اپنی جانب محویت سے دیکھتا پا کے فوراً خاموش ہوئی تھی۔

''آپ نے بہت اچھی بات کی پیا، میں واقعی میں بہت متاثر ہوا ہوں، میں نے بھی آج سے پہلے اس بارے میں نہیں سوچا تھا آپ نے اچھا لیا جو میری توجہ دلائی ہے اس طرف۔'' میکس نے جوش وخروش سے اس کی بات کے جواب میں سر دھنا تھا، پیا کو سمجھ میں نہ آیا وہ طنز کر رہا ہے یا سراہ رہا ہے، پریت نے البتہ لب دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کی تھی۔

''ہمیں آپ کی گاڑی دیکھنے کا انتظار رہے گا، فی الحال تو ہمیں وہ پینٹنگ دے دیجئے جس کا وعدہ آپ نے پیا کے ساتھ کیا تھا۔'' پریت نے کہا تو میکس فوراً ہی اسٹوڈیو کی جانب بڑھا تھا ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی اس کا اسٹوڈیو بے حد بڑا تھا، اسٹوڈیو کے کمرے میں بے تحاشا کھڑکیاں تھیں جن پر امریکن اسٹائل کے اسٹائلش مگر پرانی طرز کے پردے گرے ہوئے تھے، سفید شفون کے جھالر دار، ہوا کی شوریدہ سری سے اڑتے وہ کیسا خوابناک سا منظر پیش کرتے تھے، اسٹوڈیو کی دیواریں ہر طرح کے آرٹ سے مزین تھیں، تقریباً دو سے ڈھائی سو پینٹنگز دیواروں پر آویزاں تھیں، پیا مبہوت کی اس رنگوں کی دنیا میں کھوسی گئی وہ دنیا اس قدر انوکھی منفرد اور دلفریب تھی کہ نگاہیں ہٹنے پر آمادہ ہی نہ تھیں۔

''یہ رہی آپ کی پینٹنگ۔'' میکس کروک نے ایک بے حد خوبصورت آئل پینٹنگ پیا کے سامنے لا کر رکھی، وہ پینٹنگ ہو بہو ویسے ہی تھی جیسی پیا کی خواہش تھی۔

''واؤ واٹ آ بیوٹی فل پینٹنگ۔'' پیا تو پریت پر بھی ستائشی لہجے میں کہتی آگے بڑھی تھی، میکس پیا کے چہرے پر پھیلی مسرت وخوشی کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

''اسے میں اپنے بیڈروم میں لگاؤں گی۔'' پیا نے پریت کو مخاطب کرتے کہا تھا۔

''بیڈروم میں نہیں، ڈرائنگ روم میں لگانا آنے والوں پر اچھا تاثر پڑے گا، آخر مہمانوں کو بھی تو پتہ چلے ناں کہ میکس کروک کی پینٹنگ لگا رکھی ہے۔'' پریت نے اسے بڑے پرجوش سے انداز میں مشورہ دیا تھا۔

''جی نہیں یہ میری پسند کی ہے اور اسے میں اپنے بیڈروم میں ہی لگاؤں گی تاکہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔'' خزاں کے گرے زرد پتوں پر نرمی سے انگلی پھیرتے پیا نے پرجوش انداز میں پریت کے مشورے کو چٹکی میں اڑایا تھا، کسی کام میں منہمک مگر سارا دھیان ان دونوں کی گفتگو کی طرف لگائے میکس کو نجانے کیوں مگر پیا کے جواب پر گہری طمانیت کا احساس ہوا تھا، جیسے وہ خود بھی یہی چاہتا ہو۔

''میں اس کی پے منٹ کروں گی میکس۔'' چلتے سمے پیا نے لمحہ بھر کو میکس کروک کے سامنے ٹھہرتے کہا تھا۔

''ہمارے مذہب میں بھی تحفہ دینا محبت اور خلوص کی نشانی سمجھا جاتا ہے، پلیز اسے میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لیں۔'' پیا کو تذبذب کا شکار دیکھ کر وہ فوراً ہی بے صبری سے بولا۔

''لیکن میکس ایسے اچھے نہیں لگے گا آپ نے اتنی محنت سے اس پینٹنگ کو بنایا ہے اور میں آپ سے ایسے ہی لے لوں ڈیٹس ناٹ فیئر۔'' پیا نے ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا تو یہ بھی نہیں لگے گا کہ میں گھر آئے مہمانوں کو اپنی پینٹنگز فروخت کروں؟'' میکس نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے آہستگی سے کہا تھا، پریت نے ایک لمحے کو اس کی آنکھوں سے

چھوٹی محبت کی روشنی کو دیکھا اور دھک سے رہ گئی جو کچھ ہو رہا تھا وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا اور پیا انجان اور معصوم اس نے پیا کا ہاتھ دبا کر اسے پینٹنگ پر بحث کرنے سے روکا تھا۔

☆☆☆

''ایسا کرو تم بھی رات کو ہمارے ہاں آ کر ٹھہر جاؤ، میں رک جاتی مگر صبح جسی نے چنڈی گڑھ کے لئے روانہ ہونا ہے۔'' گھر کے سامنے گاڑی روکتے پریت نے بے حد پریشانی، شرمندگی سے اسے کہا تھا۔

''اٹس او کے، تم جسی پا جی کے ساتھ وقت گزارو، پھر تو ایک ماہ بعد ملنا ہوگا، میں مینج کر لوں گی۔'' پیا نے پینٹنگ کو احتیاط سے اٹھا کر گاڑی سے نکلتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن پیا! رات بھی تم اکیلی خوفزدہ ہوتی رہی ہو۔'' پریت کے لہجے میں تشویش اور فکر مندی عروج پر تھی۔

''وہ فرسٹ ٹائم تھا ناں، اب روز روز تو خوفزدہ ہونے سے رہی اور پھر فرحاب کہتے ہیں کہ حادثے انسان کو مضبوط بنانے کو زندگی میں واقع ہوتے ہیں ان سے حوصلہ سیکھنا چاہیے ڈر کو خود پر سوار نہیں کر لینا چاہیے، سو آج میں پورے دل سے اس پر عملدرآمد کرنے کا سوچ رہی ہوں، بلیو می، اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو تمہیں کال کر کے بلوا لوں گی۔'' اس نے پریت کے چہرے پہ بے یقینی دیکھتے اسے یقین دلایا تھا، پریت نے شفق کے شوخ رنگوں جیسی ہستی رکھنے والی اس کول اور نرل سی لڑکی کو دیکھا، سادگی و لاپروائی جس کے انگ انگ سے نمایاں تھی، دلنوازی و دلکشی جیسے چہرے پہ ثبت ہو کے وہیں قیام کرنے پر خود کو مجبور تصور کرتی تھیں دلربائی آنکھوں میں بسیرا کیے خیمہ زن تھی، وہ چلتی پھرتی قیامت تھی اور وہ اپنی

اس خوبی سے انجان اور جو کوئی اور تیز طرار زمانے کا شعور رکھنے والی ہوتی تو جانے دنیا کے کتنے فی صد لوگوں کو انگلی کے اشاروں پر نچا چکی ہوتی، مگر پریت کو اس کی اسی سادگی سے ڈر لگتا تھا۔

''کھانا بھیجوں تمہارے لئے؟'' وہ گھر کی جانب بڑھ رہی تھی کہ پریت نے اسے پھر پیچھے پکار لیا تھا، وہ رکی ضرور تھی مگر پلٹی نہیں تھی۔

''نہیں میکس کے گھر اتنا کچھ کھا لیا تھا کہ ساری رات بھوک لگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؟'' اس نے چلتے چلتے ہی جواب دے کر پاؤں کی ٹھوکر سے اپنے اپارٹمنٹ کے چھوٹے سے لکڑی کے دروازے کو کھولا جس کا ہک وہ اکثر و بیشتر لگانا بھول جایا کرتی تھی، پریت نے اس کے اندر جانے تک اسے دیکھا پھر وہ بھی گاڑی اندر بڑھا کر لے گئی تھی، پیا نے گھر میں داخل ہوتے ہی اس پینٹنگ کو احتیاط کے ساتھ صوفے پر رکھا اور خود کپڑے چینج کرنے کی غرض سے باتھ روم کے اندر بڑھ گئی، باتھ روم کے آئینے میں اس نے خود کا جائزہ کسی ناقد کی طرح لیا تھا، وہ خوبصورت و دلکش تھی ناز و ادا بھی رکھتی تھی اور نخرہ بھی، فیشن تھا اسٹائل تھا مگر سادگی بھی قیامت کی تھی پھر معصومیت اور اخلاص طرۂ امتیاز ثابت ہوتے تھے، اپنی خوبصورتی سے گہری آشنائی اسے امریکہ آنے کے بعد ہی نصیب ہوئی تھی خیر بے نیازی تو اس کی آج بھی عروج پر ہی تھی اسے اپنا آپ اچھا لگتا تھا خود کو سنوارنا پسند تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ خودی کی پرستش میں مبتلا ہو کر باقی دنیا کو حقیر سمجھتی ہیچ جانتی، پیا نے آئینے میں نظر آتے اپنے گلابی چہرے کو دیکھا پریت نے اتنی جلدی کا شور مچایا تھا کہ لپ اسٹک لگانے ہی نہیں دی تھی حالانکہ اس دہکتے ہوئے انگارے کے رنگ کی لپ اسٹک اس نے پورے طارق روڈ پر چھان کر

بمشکل ڈھونڈی تھی، تین بار تو اس نے مطلوبہ رنگ نہ ملنے کی بنا پر جا کے واپس کی تھی نانی اماں تو بے حد جھنجھلا سی گئی تھیں، مگر پیا تو کم کم ہی ضد کیا کرتی تھی پھر پردیس جانے کے خیال سے چپ رہ کر اس کا ساتھ دیتی رہی تھیں، پیا کے ہاتھ میں لپ اسٹک تھی لبوں پر مسکان جبکہ آنکھوں میں ڈھیروں مچلتے ڈھیروں ڈھیر آنسو، آنسوؤں کے ساتھ ہی فرحاب کی یاد کی یورش کا غلبہ، دو دن ہو گئے فرحاب کی آواز سنے ہوئے، انہیں دیکھے تو آج چوتھا روز تھا، پیا نے اپنے گداز ہونٹوں کے کٹاؤ کو واضح کیا، کپڑے تبدیل کرنے کو دل نہ چاہا یونہی لپ اسٹک لگا کر خوش ہو کے خود کو دیکھنے لگی اسی اثناء میں اس کا موبائل فون بجا تھا، جو وہ میکس کے گھر جانے سے پہلے ادھر بیڈ پر ہی چھوڑ گئی تھی، لپک کر دیکھا تو فرحاب کے نام سے موبائل اسکرین پر ستارے جگمگا رہے تھے۔

''السلام علیکم فرحاب!'' فون آن کرتے ہی اس نے ڈھیروں اطمینان اپنے اندر محسوس کرتے کھلکھلاتے کہا تھا دوسری جانب غم سے نڈھال پژمردہ سے فرحاب پہ پیا کی دلکش و مسحور کن آواز رم جھم برستی پھوار کی مانند برسی تھی وہ تن من سیراب ہوتا گیا تھا۔

''کیسی ہو؟'' فرحاب کے لہجے میں تھکن تھی مگر شدت کو واضح کرتی ہوئی۔

''آپ کے بغیر اتنے دن رہنے کی بالکل عادت نہیں ہے فرحاب، پلیز جلدی واپس آ جائیں ناں، میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔'' پیا کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بھرا گئی تھی فرحاب کا دل بھی منوں بوجھ تلے دب سا گیا۔

''دس پندرہ روز تو لگ ہی جائیں گے پی، ابھی تو آج امی جان کا سوئم ہے پھر ساتواں اور گیارہواں ابھی کروانا ہے میرا یہاں ہونا بہت ضروری ہے، بلکہ ابھی تو تمہیں بھی بلوانے کا سوچ رہا ہوں کوشش کر کے دیکھتا ہوں، پھر اکٹھے واپس چلے جائیں گے۔'' اور پیا اچھے سے جانتی تھی کہ وہ صرف اس کا دل رکھنے کو ایسا کہہ رہا ہے ورنہ اگر ایسا کرنا ممکن ہوتا تو وہ پہلے ہی اسے ساتھ لے کر کیوں نہ جاتا۔

''ڈرنا مت پیا میں جلد ہی لوٹنے کی کوشش کروں گا تم بس اپنا بہت سا خیال رکھنا۔''

''آپ بھی اپنا خیال رکھیں فرحاب، میں تو یہ سوچ سوچ کر ہولتی ہوں کہ آپ ٹینشن اور صدمے میں خود سے بھی غفلت برتتے ہوں گے، اس طرح سے تو آپ بیمار ہو جائیں گے۔'' پیا کے لہجے کی فکرمندی میں گھلی محبت فرحاب کو اتنی دور بیٹھے بھی سیراب کر کے ہلکا پھلکا کر گئی تھی، بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

''کھانا کھایا تھا دوپہر کو؟'' پیا کی انویسٹی گیشن پر فرحاب کو ہنسی آ گئی تھی۔

''ابھی یہاں صبح کا وقت ہے پی۔'' اوہ پیا نے اپنا ماتھا پیٹا تھا وہ کیوں بھول گئی تھی کہ یہاں رات ہو تو پاکستان میں دن کا سے ہوتا ہے۔

''تو ناشتہ کر لیں ناں۔'' پیا نے اپنی شرمندگی مٹاتے ہوئے فوراً ہی کہا تھا۔

''کر لوں گا، تم بتاؤ اسٹور کے معاملات ٹھیک چل رہے ہیں ناں، میکس آیا تھا کیا؟'' فرحاب نے اچانک ہی پوچھا تو پیا کو آج والی اس کی ملاقات یاد آ گئی اس نے سوچا اسے بتا دے مگر بتا نہیں سکی۔

''ہاں اس روز آفس میں آئے تھے آپ سے ملنے، مگر آپ کی والدہ کی بیماری کا سن کر پریشان بھی ہو رہے تھے پھر اپنی آمد کا مقصد واضح

نہیں کیا اور چلے گئے اور ہم لوگ۔" مگر بات مکمل نہیں ہو پائی تھی فرحاب نے بات درمیان میں ہی اچک لی تھی۔

"وہ بے منت لینے آیا ہوگا، دے دینی تھی لیکن یار...... میکس کروک جیسا بندہ خود بے منت لینے کیوں آئے گا بھلا، یقیناً انہیں کوئی اور کام ہو گا ٹھہرو میں خود ان سے بات کر لیتا ہوں اور تم ابھی فوراً سو جاؤ، بالکل بھی مت جاگ کر کوئی کتاب پڑھنا صبح پھر جلدی اٹھنا بھی ہوتا ہے تمہیں۔" بہت ڈھیر ساری ہدایات دیتے اس نے فون بند کرتے سمے پیا کو میکس کو فون کرنے کے بارے میں بتایا تھا پیا نے مسکرا کر ٹھنڈی سانس بھر کے فون رکھنے سے پہلے فرحاب شفیق کو خدا حافظ کہا تھا۔

☆☆☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ ہلکے سے کھٹکے سے کھلی تھی، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے گھر کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے، پیا نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ آواز کس سمت سے آ رہی ہے، وہ رات کو سونے سے پہلے تمام دروازے کھڑکیاں لاک کر کے سوئی تھی مگر اس وقت شدید پریشانی اور خوف کی کیفیت میں وہ یہ یقین بھول گئی کہ اس نے دروازے لاک کیے ہیں وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی، آواز مسلسل آ رہی تھی جیسے کوئی چاقو یا ریتی کے ساتھ لاک کو اس طرح سے رگڑ کر لوز کرے کہ وہ با آسانی کسی بھی چابی کے لگ جانے سے کھل سکے، آن کی آن میں پیا نے پسینے کے قطرے اپنے ماتھے پر پھوٹتے محسوس کیے پھر اپنی ہتھیلیاں اسی پانی سے بھیگی دیکھیں، بمشکل چیخوں کا گلا گھونٹتے وہ کارڈ لیس اٹھانے میں کامیاب ہو پائی تھی، سراسیمگی ایسی کہ پریت کے گھر کا نمبر ہی بھول بیٹھی، ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی ڈائریکٹری اٹھا کر دیکھتی تو آنکھوں کے سامنے چھائی دھند نے سارا منظر دھندلا کر کے رکھ دیا تھا، سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھے کچھ وزیٹنگ کارڈز تھے پیا نے خوف سے ادھموہ ہوتے ان نمبرز میں سے مطلوبہ نمبر تلاش کرنے کی کوشش کی، کارڈلیس پر ری ڈائل کا بٹن دبا کر دیکھا کہ شاید آخری کال پریت کی آئی ہو یا اسے کی ہو مگر وہ اسٹور پر جا ملی تھی، پیا نے سراسیمہ سا دروازے کے پار آتی آواز کی جانب دیکھا وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اسے یاد ہی نہیں رہا کہ وہ پولیس کو رپورٹ کرے جو ہمہ وقت اپنے شہریوں کی حفاظت کے لئے چوکنا رہتی ہے مگر اس نے میکس کروک کو کال کی تھی، اس کا کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی رکھا تھا اس نے بغیر سوچے سمجھے فون کیا تھا رات کا کون سا پہر تھا کیا وقت تھا پیا کو اندازہ نہیں تھا، تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی پیا نے میکس کی نیند میں ڈوبی مخمور اور بھاری آواز سن کر سکون کی سانس لی۔

"میرے گھر کے باہر کچھ لوگ دروازے توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ پلیز میری مدد کریں۔" بغیر سلام دعا کے بغیر اپنا نام بتائے اس نے فقط مدعا بیان کیا تھا، میکس کروک کی ساری حسیات یکدم بیدار ہو گئی تھیں۔

"پیا!"

"آپ پلیز جلدی آ جائیں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" پیا نے روتے ہوئے ایسے کہا کہ میکس کو اپنی روح جسم کا ساتھ چھوڑتی محسوس ہوئی۔

"آپ ڈریں مت میں ابھی آ رہا ہوں۔" میکس نے اسے تسلی دیتے فون بند کیا تھا پیا نے چند گہرے لمبے سانس لے کر خود کو بحال کر کے

پریت کا نمبر یاد کیا، اس نے اٹھ کر کمرے کے دروازے کا لاک دوبارہ چیک کیا وہ اچھی طرح لاک تھا باہر سے کٹ پٹ کی آوازیں نہیں آرہی تھیں یا تو وہ لوگ واپس چلے گئے تھے یا دروازہ کھول کے اندر چلے آئے تھے پیا نے سسکتے ہوئے پریت کو کال ملائی اور سارا ماجرا کہہ سنایا تھا پیا کو اگلے پانچ منٹ کے اندر اندر اپنے اپارٹمنٹ کے باہر گاڑیاں رکنے کی آواز آئی تھی، باہر کچھ لوگوں کی آوازیں اور شور سنائی دے رہا تھا پیا گھٹنوں میں سر دیئے زمین پر کان لپیٹے بیٹھی رہی تھی، کچھ دیر بعد اس کے بیڈ روم کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا، پیا نے خوفزدہ ہو کے اپنی سسکی کا گلا گھونٹ کر منہ پر ہاتھ رکھا۔

''پیا! دروازہ کھولو، میں ہوں پریت!'' پیا دروازہ کھولتے ہی پریت کے گلے لگ کر رونے لگی تھی میکس کروک نے پولیس والوں سے بات کرتے کرتے پیا کی دگرگوں حالت دیکھی تو انہیں بعد میں بیان لینے کی کاروائی کے لیے کہتے مجرموں کو لے جانے کا کہہ دیا، پیا نے بس ایک لمحے کے لیے ان مجرموں کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئی اس کے گھر چوری کرنے بھی وہی حبشی آئے تھے۔

☆☆☆

''آپ کا بے حد شکریہ مسٹر میکس! اگر بروقت آپ نہ آتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا آج۔'' کچھ دیر بعد پیا کی حالت سنبھلی تو اس نے میکس سے کہا تھا۔

''اب آپ ایسا کہہ کے مجھے شرمندہ کر رہی ہیں پیا! ایک دوست ہونے کے ناطے آپ نے مجھے کال کی مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے اور ایک دوست ہونے کے ناطے میں نے آپ کی اگر ذرا کی سی مدد کر ہی دی تو اس میں نہ تو کوئی شکریہ بنتا ہے نہ ہی کوئی احسان۔'' میکس نے اسے بغور دیکھتے نرمی و حلاوت سے مگر تھوڑے سے خائف لہجے میں کہتے اسے دیکھا تھا جواب قدرے سنبھل گئی تھی، پریت کچن میں کافی بنا رہی تھی وہ ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ آخر وہ لوگ مجھ سے چاہتے کیا ہیں کیوں میری جان کے دشمن بن گئے ہیں؟'' پیا نے پریشانی سے کہتے اپنے لمبے ناخنوں کو دیکھا جو دروازہ بند کرتے سمے دروازے میں آنے سے تھوڑے سے ٹوٹ گئے تھے۔

''ایسا صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہے پیا! دراصل حبشی مرد حضرات بہت کینہ پرور اور مفاد پرست ہوتے ہیں، خانہ بدوش ہوتے ہیں اس لیے لوٹ مار کر کے ہی عموماً گھر کا چولہا گرم کر پاتے ہیں بہت کم حبشی ایسے ہوتے ہیں جو شرافت سے خود کما کر اچھی زندگی بسر کر رہے ہیں، بہر حال آپ فکر مت کریں اب دوسرا واقعہ ہے کہ وہ ارادہ قتل سے آپ کے گھر میں داخل ہوئے ہیں اب یہ لوگ آسانی سے نہیں بچ پائیں گے پہلے تو ان کی ضمانت کورٹ سے منظور ہوگئی تھی مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' پیا پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی۔

''آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں بار بار، فرحاب ہینڈل کرلیں گے۔''

''نہیں میرے خیال میں فرحات جس ذہنی فیز سے گزر رہے ہیں وہ بہت بڑا کرائس ہے انہیں مزید ڈسٹرب مت کریں میرا وکیل ہیلن اب خود ان سے نپٹ لے گا۔''

''میکس ٹھیک کہہ رہے ہیں پریت! فرحاب بھائی پہلے ہی ذہنی کشمکش اور صدمے سے دوچار ہیں انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہیے

میکس نے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لیا ہے تو وہی اس کا حل بھی نکال لیں گے اور میں ان کالوں کو اچھی طرح سے جانتی ہوں پوری قوم ہی ایسی ہے لوٹ مار کرنے والی، فراڈ اور دھوکے باز اور پھر یہ لوگ افسردہ ہو کر شکوہ کرتے ہیں کہ انہیں دوسرے شہریوں کی طرح عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، میکس آپ پلیز اپنے لائر سے بات کریں جب نیویارک جیسے شہر میں تحفظ کا یقین اور آسرا نہیں تو پھر باقی شہریوں کی کیا بات؟؟''

بلیک کافی کا مگ میکس کی جانب بڑھاتے اس نے تفصیل سے کہا تھا، دوسرا مگ اس نے پیا کو پکڑایا تھا اس نے بے دلی سے تھام کر سائیڈ پر رکھ دیا تھا اس کی گود میں کشن رکھے تھے جن پر وہ دونوں ہاتھ رکھے بیٹھی تبھی میکس نے ایک نظر اس کے سفید ہاتھوں کے ٹوٹے گلابی ناخنوں کو دیکھا اور افسوس سے سر جھٹکا وہ ہمیشہ پرفیکٹ دکھتی تھی اسے شام کا منظر یاد آیا جب وہ اس سے ملنے اس کے گھر آئی تھی۔

''آپ بالکل بھی فکر مت کریں، میں سب ہینڈل کرلوں گا اور پیا آپ نے بالکل بھی پریشان نہیں ہونا بلکہ بہت بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا ہے وہ حبشی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''آپ نے پہلے بھی تو ایسا ہی کہا تھا۔'' پیا کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا میکس اس کی بات سن کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''ہاں مجھے یاد ہے کہا تھا ایسا، مگر وہ واقعی میں آپ کا کچھ بگاڑ تو نہیں سکے ناں، اب آپ کو تنگ بھی نہیں کریں گے جو ذہنی پریشانی آپ کو فیس کرنا پڑی ہے اب اس سے بھی نجات مل جائے گی۔'' پیا بدقت تمام مسکرائی تھی اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔

''میری وجہ سے آپ دونوں کی نیند خراب ہوگئی۔''

''غیروں والی باتیں مت کریں، مجھے تو ویسے بھی رات بھر جاگ کر کام کرنے کی عادت ہے بس آج ہی تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹ گیا تھا۔''

''تو اب جا کر سو جائیں ناں، تاکہ صبح فریش اٹھ سکیں۔''

''صبح تو اب ہو چکی، پانچ بج رہے ہیں کافی آپ نے پلا دی اب جا کے کام شروع کروں گا پھر دس بجے ایک کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ بھی ہے سو گیا تو پھر اٹھنا مشکل ہوگا میرے لئے۔''

''آرام بھی صحت کے لئے بے حد ضروری ہے ایسے تو آپ بیمار پڑ جائیں گے، آرام بھی کیا کریں۔''

پریت اور پیا نے انہیں دروازے تک سی آف کیا تھا چلتے سمے پریت نے ہی ان سے کہا تھا میکس جواباً مسکرایا تھا مگر جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

کافی دنوں سے فریزر میں چکن کا پیکٹ رکھا تھا، فرحاب تو تھا نہیں جو وہ اس کے لئے اہتمام کرتی خود وہ کچھ بھی روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرلیا کرتی تھی اسے اپنے لئے اہتمام کرنا کچھ پسند نہیں تھا ہاں فرحاب کی موجودگی میں وہ دل لگا کر بہت اچھے اچھے کھانے بنایا کرتی تھی پیا نے کچھ سوچتے ہوئے چکن کا پیکٹ نکال کر اسے دھویا اور پریشر ککر میں نمک پیا ہوا لہسن ڈال کر چکن کو تھوڑے سے پانی میں گلنے کے لئے رکھ دیا ساتھ ہی اس نے فریج چیک کی تو خوش قسمتی سے ساری سبزیاں موجود تھیں، سو اس نے سرخ اور پیلے رنگ کی شملہ مرچیں اٹھائیں ساتھ ہی ٹماٹر، بروکلی، وغیرہ اٹھا کر انہیں کاٹا اور دیگر سبزیاں اور

اشیاء ملا کر پریشر ککر کو بند کیا اور چکن کے چھوٹے چھوٹے ریشے کر کے چکن پکوڑوں کا آمیزہ تیار کیا وہ ان کا سٹور پاکستانی سٹور کہلاتا تھا اس لئے کیونکہ ان کے سٹور پر اسپائسی دیسی فوڈ کی تمام ورائٹی کے ساتھ ساتھ تمام مصالحہ جات بھی دستیاب ہوتے تھے سو پیا کو کبھی بھی یہاں آ کر بدیسی کھانے نہیں کھانے پڑے تھے پریت کا بھی یہی حال تھا، بلکہ وہ تو کئی مصالحہ جات اکثر انڈیا سے بھی لے کر آیا کرتی تھی، چکن پکوڑوں کا آمیزہ تیار کرنے کے بعد اس نے املی کی چٹنی بنائی تھی پھر پریت کو کال ملائی تھی وہ ابھی آفس میں تھی۔

''چکن پکوڑے املی کی چٹنی کے ساتھ تمہارے منتظر ہیں، کتنی دیر میں آ رہی ہو۔'' پکوڑوں اور املی کا سن کر پریت کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

''صرف آدھے گھنٹے میں، جو مجھے راستہ میں درکار ہے تم فرائی کرنی شروع کرو میں بس ابھی آئی۔'' پیا نے اثبات میں سر ہلاتے مسکراتے ہوئے فون کیا اور ایرن پہن کر جلدی سے کڑاہی میں تیل ڈالا، جبھی اس کے موبائل فون کی بیل سنائی دی اس نے آنچ دھیمی کی اور کاؤنٹر پر رکھے فون اٹھایا دوسری طرف فرحاب تھا، پیا کو اس کی آواز سن کر خوشگوار حیرت ہوئی۔

''آج تو یقیناً کچھ اور بھی مانگ لیتی تو مل جاتا، میرا بہت دل چاہ رہا تھا آپ سے بات کرنے کو۔'' وہ کھلکھلائی تھی۔

''اتنا دل چاہ رہا تھا تو کر لیتی کال۔'' پیا فون کان سے لگائے ایک ہاتھ سے گرم تیل میں پکوڑے ڈالنے لگی تھی۔

''جناب میں نے کال کی تھی مگر آپ کا نمبر آف جا رہا تھا جو کہ آج کل مسلسل آف جاتا رہتا ہے۔'' اس نے پکوڑوں کی سنہری پرت پلٹ کر اوپر کی اور دوسری طرف سے پکانے کو آنچ مزید دھیمی کر دی، دوسری جانب فرحاب دل سے مسکرایا تھا دل پر چھائی کثافت کی تہہ جیسے سرکنے لگی۔

''ہاں فون آف تھا میرا، سیڑھیوں سے گر گیا تھا دو روز پہلے، اس لئے بار بار آف ہو جاتا ہے۔'' یہ سن کے پیا حیران ہوئی تھی۔

''کیسے گرا سو بائل فرحاب! وہ تو آپ کا اتنا قیمتی موبائل تھا۔''

''بس یار، زاہدہ باجی کے بیٹے کے پاس تھا وہ کھیل رہا تھا تو اس کے ہاتھ سے پھسل گیا، خیر تم سناؤ کیسی ہو، گھبرا تو نہیں رہیں؟'' فرحاب کا پوچھنا تھا پیا تو پھٹ پڑی تھی وہ تو ویسے بھی بھری بیٹھی تھی سو موقع ملنے کی دیر تھی۔

''آپ کو کیا پروا، میں جیوں یا مروں آپ تو مجھے بہادر بننے کو چھوڑ گئے ناں اس اجنبی ملک میں، سچ اگر پریت کا ساتھ نہ ہوتا ناں تو میرا تو کب کا ہارٹ فیل ہو چکا ہوتا اکیلی کا یہاں۔'' اس کا انداز نروٹھا اور خفگی سے بھرپور تھا۔

''پریت کے سہارے ہی تو چھوڑ آیا ہوں تمہیں، انہی دونوں میاں بیوی کی تسلی ہے مجھے ورنہ شاید تمہیں وہاں اکیلا نہ چھوڑتا بلکہ کافی سارے نقصانات کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا مجھے۔'' پریت نے تلے ہوئے پکوڑے ایک بڑی سی چوکور پلیٹ میں ٹشو کے اوپر نکال کر رکھے۔

''مگر میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔'' فرحاب کا کہنا تھا اور پیا کے اردگرد تتلیوں کا رقص شروع ہو گیا یہ تتلیاں محبت کی تھیں اعتماد کی تھیں وفا کی تھیں ایثار کی تھیں اور ان کا رقص بہت انوکھا تھا اور خوبصورت تھا۔

''تو پھر آ جائیں ناں، کیوں رکے ہوئے

ہیں وہاں اتنے دنوں سے؟'' پیا نے کڑاہی میں اور پکوڑے ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''میں تو خود جلد از جلد آنا چاہ رہا ہوں یار مگر کیا کروں، ایک مسئلے میں الجھ گیا ہوں۔'' دوسری جانب فرحاب نے تھکے تھکے سے لہجے میں بتایا تو پیا کے کان کھڑے ہوگئے۔

''کیسا مسئلہ فرحاب، آپ نے پہلے تو ذکر نہیں کیا؟''

''میں اپنا آبائی گھر سیل کرنا چاہ رہا ہوں، زاہدہ باجی کے علاوہ مقیم چچا بھی انٹرسٹڈ ہیں لیکن میں ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ گھر دینے پر تیار نہیں ہوں۔'' فرحاب نے کھلے دل سے پیا سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی حالانکہ وہ یوں دل کے راز آسانی سے افشاں کرنے والا بندہ نہیں تھا۔

''دونوں ہی لالچی ہیں یار، اونے پونے دام دے کر ادھار کے چکر میں ہیں تم نے گھر دیکھا ہی ہوا ہے اچھے علاقے میں اچھی لوکیشن پر بنا ہوا ہے اور امریکہ آنے کے بعد میں نے سب سے پہلے اس گھر کی رینولیشن کروائی تھی، اب یہ لوگ کوڑیوں کے دام محل جیسا گھر خریدنا چاہ رہے ہیں اور ایسا تو میں ہرگز بھی نہیں کروں گا۔'' فرحاب کے لہجے میں تلخی، غصہ آپ ہی آپ سمٹ آیا تھا جیسے انہیں ان لوگوں پر بے حد غصہ تھا۔

''لیکن فرحاب گھر بیچنے کی ضرورت ہی کیا ہے، وہ آپ کا خاندانی گھر ہے اور پاکستان جانے پر ہمیں کہیں نہ کہیں تو رہنا ہی ہوگا تو پھر اپنا گھر ہوگا آسانی رہے گی اور امی جان کی آخری نشانی بھی، ان کی یادیں جڑی ہیں اس گھر سے، گھر کے ایک ایک کونے سے ان کی مہک آتی ہو گی اور آتی رہے گی ہمیشہ۔'' اس نے اپنی حیرت کو چھپاتے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی پکوڑوں کی مہک سارے اپارٹمنٹ میں کھلنے لگی تھی۔

''میں پاکستان سے اپنا کسی بھی قسم کا تعلق اور یادوابستہ نہیں رکھنا چاہتا پیا، آج کے بعد مجھے کبھی بھی شاید پاکستان آنے کی خواہش نہ ہو اور شاید کیا یقیناً میں کبھی آؤں ہی نہیں۔'' اس کی آخری بات پر پیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا آخر وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا دوسری جانب پیا کی خاموشی سے شاید فرحاب کو بھی اپنے سنگین جملے کا احساس ہوگیا تھا بھی وضاحت طلب انداز اپناتے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا تھا۔

''پیا تم سمجھنے کی کوشش کرو، ہم واپس تو آنہیں گے نہیں کل کو ہمارے بچے ہوں گے وہ بھی یقیناً بالکل بھی پسند نہیں کریں گے امریکہ جیسے ملک کو چھوڑ کر پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں رہنا اور کبھی کبھار آنا ہوا بھی تو تمہارے میکے تو خیر سے ہیں ناں۔'' فرحاب کی بات سن کر پیا نے ٹھنڈی آہ فضا کے سپرد کی تھی اس کا دھیان پکوڑوں سے ہٹ گیا۔

''آپ جو بھی کہیں فرحاب، مگر اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے اور اپنا ملک بھی اور ہمیں اپنی جڑیں کاٹ کر نہیں پھینکنی چاہئیں وقت اور حالات کبھی بھی پلٹا کھا سکتے ہیں اور پاکستان برا کیسے ہوا جس نے ہمیں شناخت دی پہچان دی پال پوس کر اتنا بڑا کیا کہ آج ہم دوسرے ملک کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔''

''اف میری استانی جی، بے حد معذرت میں یہ کیسے بھول گیا کہ ایک محب الوطن لڑکی کے سامنے ایسی بات کر رہا ہوں جو اپنے ملک کے بارے میں کچھ بھی ایسا ویسا سننا پسند نہیں کرتی۔'' اس نے ٹھنڈی گہری سانس لیتے ہلکے پھلکے لہجے میں اعتراف کیا تھا، پیا مسکرا بھی نہیں سکی وہ تو

ابھی تک حیرت سے ہی نہیں نکل سکی تھی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرحاب نے اسے آہستگی سے محبت سے لبریز لہجے میں پکارا تھا، پیا نے بھیگی آنکھیں صاف کیں اور خود کو کمپوز کیا۔

''فرحاب! آپ جانتے ہیں مجھے ساری عمر یہاں نہیں رہنا، یہاں میں صرف آپ کی مجبوری کی وجہ سے رہ رہی ہوں حالانکہ میں اس ماحول سے خود کو ابھی تک مانوس نہیں کر پائی اس بات کا اندازہ اچھی طرح سے ہے آپ کو، پھر بھی آپ ایسی باتیں کر کے میرا دل دکھا رہے ہیں اس گھر کو مت بیچیں پلیز، ہم واپس جائیں گے پاکستان اپنے ملک، اپنے گھر۔'' اس نے آہستگی سے بات ختم کرتے تصور کی آنکھ سے بہت آس و امید چہرے پر سجائے فرحاب کو دیکھا۔

''گھر بیچنا میری مجبوری ہے، میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اپنے فیصلوں میں میں ردو بدل نہیں کرتا۔'' اس کا انداز دوٹوک اور سنجیدہ تھا۔

''چاہے وہ فیصلے غلط ہی کیوں نہ ہوں؟'' پیا نے جلتے ہوئے کلس کر کہا ساتھ ہی نظر کڑاہی میں ڈالے پکوڑوں کی طرف گئی جو اب جل کر کوئلہ ہو چکے تھے۔

''آہ میرے سارے پکوڑے جل گئے۔''

اس کی بے ساختہ چیخ نکلی تھی فرحاب جو جواب دینے ہی والا تھا دل مسوس کر رہ گیا۔

''آپ کی باتوں میں میرے سارے پکوڑے جل گئے فرحاب جان بوجھ کے مجھے اتنا سینٹی مینٹل کر دیتے ہیں۔'' وہ روٹھے پن سے کہتی کڑاہی سے جلے ہوئے پکوڑے نکالتے اندر کا غبار نکال رہی تھی فرحاب دل کھول کر ہنسا تھا۔

''تو اب کرو گی میرے فیصلوں سے انحراف۔'' دوسری جانب جیسے وہ محظوظ ہوا تھا۔

''ہاں...... وہ تو کروں گی ہمیشہ کروں گی۔''

اس نے بھی ایک ادا سے کہا تھا نخرہ ناز و ادا دکھانے والی پیا ایک دم سے اس کے اندر جاگی تھی۔

''تو پھر یونہی پکوڑے جلتے رہیں گے تمہارے۔'' اس نے جیسے دھمکایا تھا۔

''میں نے آپ کے فیورٹ چکن پکوڑے بنائے تھے آج؟'' وہ رونے والے انداز میں بولی تھی۔

''اور میرے بغیر کسے کھلاؤ گی؟'' وہ مائل بہ شرارت ہوا۔

''پریت کو۔'' پیا نے اپنی ہنسی دباتے شرارت سے کہا تھا۔

''فرحاب ایک کنڈیشن دوں؟'' پیا نے جانے کس لہر میں آ کے کہا تھا فرحاب چونک گیا تھا۔

''کیسی کنڈیشن؟'' وہ اب کے ذرا سا سنبھل گیا تھا۔

''میں آپ کو چند فگرز دوں گی آپ کو ایک سلیکٹ کرنا ہو گا آپ نے وہی فگر سلیکٹ کیا جو میں دل میں چوز کروں گی تو مجھے یقین آ جائے گا کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔''

''تو تمہیں پہلے یقین نہیں میرا، لو ایٹ فرسٹ سائٹ کا شکار ہوا جلد سے جلد تمہیں اپنی زندگی میں شامل کس لئے کیا، محبت کی خاطر ہی ناں۔'' اسے پیا کی نرالی منطق نے حیران کیا۔

''وہ میں سب جانتی ہوں آپ مجھے بتائیں جو میں نے کہا ہے، بائیس، پچیس، ستائیس، ایک فگر چوز کریں میں نے کر لیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا فگر میرے چوز کئے فگر سے میچ کرتا ہے یا نہیں؟'' وہ بضد ہوئی اس نے پچیس سلیکٹ کیا تھا۔

''ستائیس۔'' فرحاب نے ترنت کہا تھا، پیا

کے دل کو دھکا سا لگا فرحاب نے غلط فگر بتایا تھا جس کا مطلب تھا پیا کے بقول کہ فرحاب اس سے محبت نہیں کرتا۔

''آپ نے مجھے غلط فگر بتایا ہے فرحاب! میں نے پچیس چوز کیا تھا؟'' اس کی آواز ولہجہ پست تھا دکھ کی انتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا۔

''کم آن، اس میں کیا ہے یار، غلط فگر بتا دینے سے میری محبت تو غلط نہیں ہوسکتی ناں۔'' فرحاب ایک سے کو جھنجلایا تھا مگر پیا تو جیسے سناٹے کی کیفیت میں تھی۔

''مجھے فرق پڑتا ہے فرحاب! بہت فرق پڑتا ہے، محبت غلط نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں اس کے غلط ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے یہاں تو محبت کا سوال ہے کہ وہ ہے بھی یا نہیں؟''

''پیا...... آر یو میڈ، تم اتنی سی بات کو اتنا گہرائی سے کیوں لے رہی ہو؟''

''میں ہوں پاگل فرحاب! اس معاملے میں، میں پاگل ہوں؟'' وہ ہلکی سی آواز میں تکرار کرتے چلائی تھی۔

''آج تک ایسا نہیں ہوا کہ واثق بھائی کو بتایا گیا میری کنڈیشن غلط نکلے تو پھر آپ نے ٹھیک سے گیس کیوں نہیں کیا؟''

''پیا!'' فرحاب کے لہجے میں سنجیدگی کا عنصر آپ ہی آپ سمٹ آیا تھا۔

''یہاں واثق کا کیا ذکر اور پھر تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میرے اور اپنے درمیان کسی تیسرے فرد کا ذکر مت کیا کرو، واثق کا بھی نہیں؟'' اس نے جیسے بے حد کڑے لہجے میں انتباہ کیا تھا، پیا سناٹے کی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی حتیٰ کہ فرحاب کو لگا اس نے کال کاٹ دی ہے اس نے بھی تنک بار کر فون آف کیا تھا، مگر اس کے دل میں کچھ ٹوٹ گیا تھا بڑی خاموشی سے۔

فرحاب نے کس قدر سخت اور اہانت آمیز باتیں کی تھیں اور اس پر اسے شرمندگی تک نہیں تھی، پیا کے زخم ادھڑ نے لگے۔

حالانکہ ایک وقت تھا وہ پیا کی ذرا سی ناراضی پر اسے گھنٹوں منانے کا جتن کرتا تھا، پیا کے مان جانے کے باوجود بھی اسے یہی خدشہ ہولائے رکھتا تھا کہ پیا کا دل اس کی طرف سے ابھی صاف نہیں ہوا ہے، وقت نے یہ کیسی ہیر پھیر کی تھی کہ اس کے حصے میں آئی اذیتوں کا شمار کرنا مشکل ہوگیا تھا اس نے فرحاب کی لمبی زندگی کی دعا مانگتے وقت اپنے لئے دائمی خوشیوں کی دعا کیوں نہیں مانگی تھی۔

اس کی زندگی بھرپور اور مکمل تھی پھر کس کی نظر لگ گئی تھی، وہ چونک کر سیدھی ہوئی کب ڈرائیور اسے مطلوبہ مقام آجانے کے بابت بتا رہا تھا اس نے خاموشی سے پرس سے پیسے نکال کر دیے اور اسٹور میں بغیر ادھر ادھر دیکھتے آفس میں چلی گئی، آفس میں داخل ہوتے ہی سیدھی اس کی نگاہ میکس کروک کی بنائی اس پینٹنگ پر پڑی جو اس نے فرحاب سے جھگڑا کرکے لگوائی تھی۔

''ناصر صاحب! بھلا منتھلی اخراجات کا تمام ڈیٹا آپ نے پروفائل میں سیو کر دیا تھا؟'' بیگ اتار کر نیچے رکھتے اس نے کھڑے کھڑے ہی انٹرکام پر ناصر کو کال کرتے پوچھا تھا۔

''نہیں میڈم! وہ تو میں نے فرحاب صاحب سے کہا تھا کہ ایکسپنز اور ڈیوریز ریٹ نکال کر پرافٹ رینج سیو کر دیں انہوں نے کر دیا ہوگا۔'' ناصر کی وضاحت پر پیا نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی تھی، شاید نہیں یقیناً فرحاب نے یہ کام نہیں کیا ہوگا اپنی بیماری اور خودترسی و خوداذیتی سے نکلیں تو کچھ اور کام بھی کریں نا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں دیکھ لیتی ہوں۔'' اس

نے انڈر کم رکھ کے کمپیوٹر آن کیا تھا، چھوٹی سے چھوٹی ڈیٹیل سیو کرتے اسے بہت ڈھیر سارا وقت گزر گیا تھا، مگر اتنا ہوا تھا کہ کام سلیقے سے نمٹ گیا تھا اس نے دیوار گیر گھڑی پر وقت دیکھا تو دن کا ایک بج رہا تھا، پیا کو اچانک بھولا ہوا اہم کام یاد آ گیا، وہ اپنا سیل فون اٹھا کر گلاس ونڈو کے سامنے آن کھڑی ہوئی، نیویارک شہر کی اونچی عمارتیں بادلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں سڑک پر خاموش ٹریفک رواں دواں تھی۔

''تھینک یو سو مچ میکس!'' کال ریسیو ہوتے ہی اس نے اس کے ہیلو کے جواب میں کہا تھا۔

''دوستوں میں تھینکس نہیں ہوتا؟'' دوسری جانب وہ بشاشت سے کہہ رہا تھا۔

''رات آپ بغیر بتائے چلے گئے، آئم سوری مگر فرحاب اپنی بیماری کی وجہ سے کافی چڑ چڑے ہو گئے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہائپر ہو جاتے ہیں۔'' پیا نے آہستگی سے کہا۔

''دوستوں میں ایکسکیوز اور ایکسپلینیشن بھی نہیں ہوتی پیا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے میکس! جو آپ ان باتوں کو گہرائی سے نہیں لیتے لیکن حقیقت میں تو یہ باتیں آکورڈ محسوس ہوتی ہیں۔''

''بھول جائیں رات والے واقعے کو، میں نے برا نہیں مانا؟'' وہ اس کی شرمندگی کو ختم کرنے کو کہہ رہا تھا۔

''تھینکس فار کیک اینڈ لولی پریزنٹ، مگر وہ بہت قیمتی تحفہ ہے میکس۔'' پیا ہچکچائی۔

''آپ اس تحفے سے زیادہ قیمتی ہیں میرے نزدیک اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ کے شایان شان کیا چیز خریدوں۔'' اس کے لہجے میں سچائی تھی جذبات کی سنگینی تھی۔

''ایک بات کہوں پیا۔'' اچانک اس نے دھیمے سلگتے جذبوں کو لو دیتے لہجے میں پوچھا تھا۔

''جی!''

''فرحاب کی ٹینشن میں خود کو فراموش مت کریں پلیز، آپ خود سے بہت لاپروائی برت رہی ہو اور حاصل وصول شاید کچھ بھی نہ ہو اس کا؟ بہت سے لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے۔''

''آپ میری اتنی پرواہ کیوں کرتے ہیں میکس!'' اچانک پیا نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

''جو دل میں رہتے ہوں ان کی پرواہ کرنی پڑتی ہے پیا۔'' میکس نے اعتراف کرنے میں لمحہ بھی نہ لگایا تھا۔

''میں کبھی نہیں؟'' وہ الجھتے ہوئے بولی تو میکس نے بے اختیار سر جھٹکا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، کہیں باہر؟'' میکس نے اس کی بات کا جواب نظر انداز کرتے اپنے سوال کا جواب سننا چاہا تھا۔

''ٹھیک ہے شام کو پانچ بجے آپ سینٹرل آ جائیے گا۔'' میکس نے فوراً حامی بھر لی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

جنہیں راستے میں خبر ہوئی
سحرش بانو

"السلام علیکم!" کہتے میں نے چیئر گھسیٹی اور مسکرا کر زین کے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مما سے آنکھوں کے اشارے سے وجہ پوچھی۔

"سکول جانے کا موڈ نہیں۔" مما نے بھی اسی زبان میں جواب دیتے زین کے آگے بوائل ایگ رکھا تھا، جسے اس نے ناپسندیدگی سے دیکھا پھر خفا سے انداز میں مما کو دیکھا اور پھر پھولے ہوئے چہرے کے ساتھ کھانا شروع کیا، میں ہنسی دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مما آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" ناشتہ کرتے اور اب گرم چائے کی چسکیاں لیتے مجھے مما کی خاموشی محسوس ہوئی تھی، انہوں نے آج خلاف معمول نہ روز کی طرح زین کے نخرے اٹھائے تھے نہ مجھے واجبی سا ناشتہ کرنے پہ ڈانٹ پلائی تھی نہ زیبو (ماسی) کی کوئی شکایت کی تھی اور نہ ہی شاہان یاد کیا تھا اس سب کے برعکس وہ کچھ خاموش اور پریشان سی نظر آ رہی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہوں بس رات نیند نہیں آئی صبح سے۔"

"کیوں خیریت؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا تھا۔

"بی پی تو ہائی نہیں ہے آپ کا ہاسپٹل چلیں ساتھ چیک اپ ہوئے بھی تو کافی دن ہو گئے ہیں۔" میں نے تشویش بھرے انداز میں کہا تھا، انہوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"مما!" میں نے انہیں پکارا۔

"سمر کی کال آئی تھی رات کو۔" کچھ دیر بعد انہوں نے آہستگی سے بتایا تھا۔

"وہ پاکستان آ رہا ہے، ہمارے ہاں ہی رکنا چاہ رہا ہے، شاہ زیب کو بھی ساتھ لا رہا ہے۔" اب کے ان کا لہجہ پست اور انداز شرمندگی بھرا تھا۔

"کب؟" ایک لمحے کو رکتی کائنات پھر سے گردش میں آئی تو میں نے پوچھا۔

"آج شام ہی، زہرہ بھی آئی اس کے ساتھ مگر عاصم کی طبیعت کا تو اندازہ ہے تمہیں، وہ شاید نیکسٹ ویک تک آئے گی۔"

"ہوں۔" کہہ کر میں نے گھڑی دیکھی تھی، میں ان کے سامنے کسی بھی قسم کا ردعمل نہیں ظاہر کرنا چاہ رہی تھی۔

"زین جلدی سے بیگ لاؤ بیٹا!" کہتے میں اٹھی میں ان کی کھوجتی نظروں سے دور جانا چاہ رہی تھی اب۔

"اماں..... بیٹا اگر کوئی مسئلہ ہے تو میں منع کر دیتی ہوں اسے یہاں آنے سے۔"

"کیوں منع کریں گی آپ اسے؟ وہ وقت گزر گیا جب "مجھے" اس کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑا کرتا تھا، یہ اس کی خالہ کا گھر ہی نہیں اس کا سسرال بھی ہے وہ جب چاہے یہاں آ سکتا ہے، صرف میرا یا زین کا حق نہیں ہے آپ پہ، شاہ زیب اور وہ بھی حق رکھتے ہیں آپ پہ اور میں اس چیز کو سمجھتی ہوں مما، مجھے اس کے یا کسی کے بھی آنے سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے میں نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"خدا حافظ۔" میں نے ایک سیکنڈ کو رک کر کہا تھا ان کی سوچتی نظروں نے دور تک میرا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

گیراج سے گاڑی نکالتے مین سڑک پر لاتے زین کو سکول ڈراپ کرتے ہاسپٹل پہنچ کر کولیگز سے دعا سلام کرتے، ڈیوٹی دیتے۔
عالیہ کے ساتھ لنچ کرتے گھر واپس آ کر، مما اور زین سے باتیں کرتے ڈنر ٹیبل پہ بیٹھ کر

زین کو کہانی سناتے، اور پھر بستر پہ گر کر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتے، وہ مسلسل میرے ذہن میں رہا تھا، میں جتنا ذہن سے سوچ سے اسے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی اس کا خیال اتنا ہی حاوی ہوتا جا رہا تھا، میں اسے یاد نہیں کر رہی تھی وہ مجھے یاد آ رہا تھا اور یہ یاد جیسے قیامت تھی میرے لئے، آج کی رات بڑی بھاری تھی مجھ پہ۔

☆☆☆

مجھے اندازہ نہیں تھا وہ رات کب آیا تھا، ہاں صبح میں اٹھی تو وہ اور شاہ زیب گیسٹ روم میں سو رہے تھے، زین کو چھٹی تھی سو میں جلدی اور بنا ناشتے کے نکل آئی تھی، ہاسپٹل میں ایمرجنسی آ گئی تھی، سو سارا دن انتہائی بزی گزرا میرا، رات آٹھ بجے گھر واپس آتے ہی میں بنا کسی کا سامنا کیے اپنے کمرے میں آ گئی تھی فریش ہو کے کھانا بھی وہیں منگوایا تھا اور کھانا کھاتے ہی سونے کے لئے لیٹ گئی تھی مما آئیں تھیں مگر مجھے سوتا دیکھ کر واپس چلی گئیں تھیں، میں نے گہری سانس لے کر کروٹ بدل لی تھی، آنے والے تین دن میری ایسی ہی روٹین رہی تھی، میں ہاسپٹل میں اپنے علاوہ اپنی ایک کولیگ کے حصے کی ڈیوٹی بھی دینے لگی تھی اس کی شادی ہونے والی تھی، گھر آتے ہی میں اپنے روم میں گھس جاتی تھی اور صبح جب سب سوئے ہوتے میں نکل آتی تھی، پتہ نہیں میں اس کا سامنا کرنے سے گریزاں کیوں تھی اب جب ہر چیز ماضی کا حصہ بن چکی تھی کیا تھا ایسا جو مجھے اس راہ فرار پہ مجبور کر رہا تھا اور یہ اس سے دو دن بعد کی بات تھی جب مما کی زبردستی کے باعث میں ناشتہ زہر مار کر رہی تھی اور مما کو زین سے لاڈ کرتے دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' اپنی پشت سے ابھرنے والی آواز نے ایک سیکنڈ کے لئے مجھے ساکت کر دیا تھا، کرسی کھینچ کر وہ عین میرے مقابل بیٹھا تھا۔

(کیا اب بھی اس کے اندر اتنا حوصلہ ہے کہ یہ میرا سامنا کر سکے) سامنے رکھے چائے کے کپ کو گھورتے میں نے سوچا تھا۔

''کیسی ہوا مایہ؟'' جھٹکے سے سر اٹھایا تھا میں نے، ایسی دیدہ دلیری، ایسی ہمت ایسا حوصلہ، اتنی جرأت کیسے پیدا کر لی اس نے اپنے اندر کے میرے روبرو بیٹھ کر مجھ سے میرا حال پوچھ رہا تھا، سیکنڈ کے بھی ہزارویں لمحے میں میں نے نظریں پھر سے جھکائیں تھیں میں اسے دیکھنے سے بچنا چاہ رہی تھی، وہ نظر آتا اور وہ سب یاد نہ آتا جو صرف اسی کی ذات سے منسوب تھا یہ کیونکر ممکن تھا؟ اور یاد آتا تو وہ تکلیف بڑھتی جو صرف اسی کی دی ہوئی تھی، زخموں سے کھرنڈ اترتے تو وہ رسنے لگتے اور زخم سنے لگتے تو اذیت دیتے۔

☆☆☆

پین سے رائٹنگ پیڈ پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتے میں وہاں موجود ہو کے بھی نا موجود تھی، ابھی بھی سامعہ وہاں سے اٹھ کر گئی تھی، اپنی شاپنگ کے ہونے والے شوہر کے قصے سناتے اس نے میری غائب دماغی محسوس کی اور پھر مجھے گھر جانے اور ریسٹ کرنے کا مشورہ دیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے گہرا سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی جبھی دروازہ کھلا تھا اندر داخل ہوتے شخص کو دیکھتے ہی میں اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی۔

اس نے میرے مقابل چیئر گھسیٹی میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی وہ وہاں کیوں آیا ہے میں اس سے کہنا چاہتی تھی وہ سیکنڈ کے ہزارویں لمحے میں وہاں سے چلا جائے میں اسے جھڑکنا چاہتی

تھی اور ایک لفظ تک کہنے سے قاصر تھی، اس کا یہاں تک چلے آنا میرے لئے اتنا شاکنگ تھا کہ میں سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

''جانتا ہوں میرا یہاں آنا تمہارے لئے سوائے حیرت اور تکلیف کے کچھ بھی نہیں...... اور میں مر کے بھی تمہیں یہ تکلیف کبھی نہ دیتا اگر میرے کندھوں پہ کسی کی امانت کا بوجھ نہ دھرا ہوتا، بہت عرصے سے ہمت جمع کر رہا تھا تمہارا سامنا کرنے کی حوصلہ جوڑ رہا تھا خود کو تمہارے سامنے لا کر کھڑا کرنے کا، نہ ہمت جمع ہو رہی تھی نہ حوصلہ جڑ پا رہا تھا، اب آیا بھی ہوں تو خود کو شرمندگی اور ندامت کے سمندر میں غرق پاتا ہوں، میں تم سے معافی مانگنے نہیں آیا میں خود کو اس قابل نہیں پاتا، ہاں مگر یہ......'' اس نے سفید لفافہ میرے سامنے رکھا۔

''یہ تمہارے لئے میرے پاس امانت ہے کسی کی، میں جا رہا ہوں امایہ کوشش کروں گا اس چہرے کو جو تمہارے لئے باعث اذیت اور تکلیف ہے دوبارہ کبھی تمہارے سامنے نہ لاؤں، خدا حافظ۔'' وہ اٹھا الوداعی نظروں سے مجھے دیکھا اور چلا، دروازے پہ رک کر اس نے منتظر سی نظر مجھ پہ ڈالی، شاید وہ میری پکار کا منتظر تھا اور میں گم صم سی سفید لفافہ ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

میں امایہ ہوں، امایہ سعد احمد، اپنے ماں باپ کی سب سے بڑی انتہائی لاڈلی اور بے حد فرمانبردار بیٹی، میرے بعد روشان تھا اور سب سے چھوٹی عنایہ جسے چچا جان نے پیدا ہوتے ہی گود لے لیا تھا، ان کے گھر اولاد نہیں تھی، پیچھے رہ گئے میں اور روشان، ہمارے ماں باپ دنیا کے بہترین والدین میں شمار ہوتے تھے، دنیا کی ہر وہ آسائش جو وہ ہمیں دے سکتے تھے انہوں نے دی، دوستانہ ماحول، آسائشات اور بہترین تربیت ان کے احسان تھے ہم پر، ہم دونوں بھی کوئی بہت زیادہ شرارتی یا مشکل قسم کے بچے نہیں تھے، اس کے برعکس ہم دونوں بے حد کوآپریٹو قسم کے بچے تھے، بے جا ضد اور خطرناک قسم کی شرارتوں سے دور، پڑھائی میں بھی ہم دونوں بے حد آؤٹ اسٹینڈنگ رہے تھے، سو ان کے لئے کسی قسم کی پریشانی نہیں بنی تھی، روشان مما کے ساتھ کافی اٹیچ تھا جبکہ میں اس کے برعکس پاپا کے زیادہ قریب رہی تھی، میں نے ان کی انگلی تھام کے قدم اٹھانا سیکھا تھا، آگے زندگی میں ہمیشہ یہ انگلی میرے ہاتھ میں رہی تھی، وہ میرے پاپا تھے دوست تھے، استاد تھے اور دنیا کے ان باپوں میں شامل ہوتے تھے جن پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

''عمر خیام'' وہ شخص تھا جو اچانک سے میری زندگی میں آیا تھا اور پھر ہمیشہ کے لئے رہ گیا تھا، وہ میری خالہ کا اکلوتا بیٹا تھا اور مجھ سے دو سال بڑا تھا، میں میٹرک میں تھی جب خالہ لوگوں نے بوسٹن سے پاکستان شفٹ کیا تھا، خالہ کے شوہر کو بزنس میں اچھا خاصا خسارہ ہوا تھا سو انہیں پاکستان شفٹ کرنا پڑا تھا، خالہ نے ہمارے گھر کے سامنے والے گھر میں جو کہ نانا ابا کا تھا اور ماموں کے جرمنی شفٹ ہونے کے بعد بند پڑا تھا شفٹ کیا تھا، خالہ ان دنوں خاصی پریشان رہا کرتی تھیں اور مما سارا وقت انہیں دلاسہ دینے میں مصروف رہتی تھی، عمر کے ساتھ میری دوستی بہت جلد ہو گئی تھی اور اس میں پچانوے فیصد اس کا ہاتھ تھا میں خود خاص ریزروڈ سی لڑکی تھی اور جلدی ہر کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی مگر وہ تو عمر تھا عمر خیام، اسے بے تکلف ہونا آتا تھا، اسے دوستی کرنا آتا تھا، اسے دل جتنا آتا تھا، پہلے وہ میرا صرف دوست بنا پھر سب سے خاص دوست

اور پھر واحد دوست وہ پہلے میرے لئے ''کوئی ایک'' تھا پھر ''صرف'' ایک ہو گیا تھا، کوئی آپ کے لئے خاص سے اہم کیسے بنتا ہے یہ میں اس سے ملی اور میں نے جانا، ہوتے ہیں کچھ لوگ جن کے ساتھ آپ خوش ہی نہیں مطمئن بھی رہتے ہیں اور وہ میرے لئے وہی شخص تھا اور رہی بات اس کی تو میں نہ اس کے لئے خاص تھی نہ اہم میں اس کے لئے ''ناگزیر'' تھی، کبھی کبھی مجھے اپنا آپ اس طوطے جیسا لگتا جس میں اس کی جان بند تھی، وہ میرے لئے اہم لوگوں کی لسٹ میں شامل تھا، اس کی اہم لوگوں کی لسٹ شروع اور ختم ہی مجھ پہ ہوتی تھی، ہوتے ہیں کچھ لوگ جن کے بغیر نہیں رہا جا سکتا میں اس کے لئے وہی تھی۔

☆☆☆

میرے ایف ایس سی کے شاندار رزلٹ کی خوشی میں پاپا نے بہت بڑا فنکشن رکھا تھا اور اس فنکشن میں میری اور عمر کی انگیج منٹ بھی ہوئی تھی، زندگی میں جو چاہا تھا وہ پالیا تھا، مقام شکر تھا سو میری زبان سے ہر عمل سے شکر ہی ادا ہو رہا تھا اور عمر وہ صرف خوش نہیں تھا اتنا خوش تھا کہ خالہ اور مما کو ہر آدھے گھنٹے بعد اس کے چمکتے چہرے اور خوشی چھلکاتے وجود کی نظر اتارنا پڑ رہی تھی، پاپا بھی بہت آسودہ نظر آ رہے تھے عمر میری ہی نہیں ان کی بھی پسند تھا۔

سی گرین شرارہ سوٹ میچنگ جیولری اور سلیقے سے کیا میک اپ، میں جتنی خوش شکل تھی، آج اس سے دگنی لگ رہی تھی، کچھ دیر مرر کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے خود کو توصیفی نظروں سے دیکھا پھر جھمکا اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا جب ٹھک ٹھک، میں گہری سانس لے کر پلٹی، کھڑکی کھولی اور اسے گھورا تھا۔

''تمہیں دیکھنے آیا تھا، پورا دن موقع نہیں ملا کہ تمہیں تسلی سے دیکھ سکوں۔''

''اچھا۔'' میں نے طنز سے ابرو اٹھایا اور وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسا۔

''میں تعریف کرنا چاہ رہا تھا تمہاری۔'' اس کی بات پہ میں نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا تھا۔

''ابھی کوئی ایسا لفظ باقی ہے جو تم نے صبح سے میری تعریف میں ادا نہ کیا ہو؟''

''میں دیکھنا چاہ رہا تھا تمہیں۔'' اس نے اگلا جواز گھڑا تھا، میں کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی جبکہ وہ شیڈ پہ پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔

''تو سینکڑوں کے حساب سے جو تصویریں لے رکھی ہیں وہ کس دن کام آئیں گی؟'' میں نے ہنسی دبائی تھی۔

''تصویریں سانس نہیں لیتی ناں یار۔'' اس نے بے چارگی بھرے انداز میں کہا تھا، میری ہنسی آؤٹ آف کنٹرول ہوئی تھی۔

''پاگل ہو تم۔''

''ہاں تمہارے لئے واقعی پاگل ہوں میں۔'' میں نے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا، یہ وہ شخص تھا جو میرا خیال رکھتا تھا، یہ وہ شخص تھا جو مجھے اہم سمجھتا تھا، یہ وہ شخص تھا جو مجھ سے محبت کرتا تھا، یہ وہ شخص تھا جو میری عزت کرتا تھا، شکر واجب ہونا اور کسے کہتے ہیں؟

☆☆☆

کنگ ایڈورڈ کالج میں ایڈمشن کے بعد میں لاہور آ گئی تھی، زندگی بہت مصروف اور ٹف ہو گئی تھی، میں پڑھائی کو ہمیشہ ہی سے بہت سیریس لیتی رہی تھی اور ایک اچھی ڈاکٹر بننا یہ میرا ہی نہیں میرے بابا کا بھی دیرینہ خواب تھا جسے تکمیل تک پہنچانے کے لئے میں دن رات محنت کر رہی تھی،

عمر یونیورسٹی میں ایم بی اے کے فرسٹ ائیر میں تھا، وہ خود بھی بہت بزی رہتا تھا، اس کے باوجود دن میں ایک بار کال اور کچھ ٹیکسٹ اس کے مجھے ضرور ریسو ہوتے، میں کبھی کال اٹینڈ کر پاتی کبھی نہیں کبھی ریپلائی دے پاتی کبھی نہیں، جس کی وجہ سے اکثر شرمندگی بھی ہوتی، ایک بار اسے وضاحت دینے کی بھی کوشش کی تھی، اس نے میری کوشش کامیاب نہیں ہونے دی تھی۔

''اب مجھے صفائی دو گی تم؟'' اس نے مجھے چپ کروا دیا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہا تھا وہ واقعی دنیا کا وہ پہلا اور آخری شخص تھا جسے کبھی کوئی وضاحت دینے کی ضرورت مجھے کبھی نہیں پڑی تھی نہ پڑنے والی تھی کیونکہ وہ مجھے جانتا تھا۔

یہ میرا میڈیکل کا تیسرا سال تھا جب چچا اور چچی کی اچانک کار ایکسیڈنٹ میں ہونے والی ڈیتھ کے بعد عنایہ اپنے گھر واپس آ گئی تھی یہ سانحہ ہماری فیملی کے لئے بہت بڑا نقصان تھا سب ہی غم سے نڈھال تھے مگر عنایہ کی حالت سب سے خراب تھی، وہ ان دونوں کی بے حد لاڈلی تھی اور ان سے بے حد اٹیچڈ تھی، میں اور مما اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کی حالت مزید خراب ہوتی جا رہی تھی، یہ حادثہ اس کے لئے بہت بڑا شاک تھا جس میں سے وہ نکل ہی نہیں پا رہی تھی، میں جب تک گھر رہی تھی مسلسل اس کے ساتھ رہی تھی، اسے سمجھانے، تسلیاں اور دلاسے دینے کے ساتھ ساتھ صبر کرنے کی تلقین کرتے، لاہور واپس آ کر بھی میرا دھیان عنایہ میں ہی اٹکا رہا تھا، میں ہر روز کال کر کے مما سے اس کا پوچھتی، اس سے بات کرتی، مما خود بھی کافی پریشان تھی اس کے لئے، پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت سنبھلنے لگی تھی، اس نے حقیقت کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کی وجہ عمر کا سمجھانا تھا وہ پچھلے چھ ماہ سے انگلینڈ میں تھا، ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصے کے لئے اپنے انکل کے پاس چلا گیا تھا، لاسٹ ویک وہ واپس آیا تھا تب میں نے اس سے عنایہ کے بارے میں بات کی تھی میں اپنی بہن کے لئے بہت پریشان تھی اور اس نے مجھے کہا تھا میں پریشان ہونا چھوڑ دوں وہ عنایہ کو سنبھال لے گا، میں نے اس کی بات پر عمل کیا کیونکہ اسے واقعی میری پریشانیوں کو حل کرنا آتا تھا۔

☆☆☆

آنے والے وقت میں عنایہ واقعی سنبھل گئی تھی، اگلی بار چھٹیوں میں گھر آنے پر میں اسے دیکھ کر حیران اور خوش، دونوں طرح کے احساسات سے دوچار ہوئی تھی، وہ اس ڈری ہوئی خوفزدہ، غمزدہ اور خاموش خاموش عنایہ کے بجائے ایک خوش باش پر اعتماد اور چہکتی ہوئی عنایہ کے روپ میں میرے سامنے تھی، اگلے تین دنوں میں جو بات نوٹس کی وہ اس کا ہر معاملے میں عمر پر انحصار تھا، کالج میں پڑھے جانے والے چیپٹرز سے لے کر اسے کسی فرینڈ کی شادی میں کیا پہن کر جانا چاہیے، کون سے کلر کا ڈریس اس پہ سوٹ کرے گا اور کس فرینڈ کو کیا گفٹ دینا بہتر لگے گا تک ہر چیز وہ اس کی رائے اور مشورے سے طے کرتی تھی، اس کی ہر بات عمر بھائی سے شروع ہو کر عمر بھائی تک محدود ہو جانے لگی تھی۔

''جادوگر ہو پورے۔'' میں سیل کان سے لگائے ہنسی تھی۔

''شکر ہے تم نے اعتراف کو کیا۔'' وہ جواباً ہنسا تھا۔

ہاؤس جاب اسٹارٹ ہوتے ہی خالہ نے شادی پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔

''نہیں مما پلیز پہلے میرا ہاؤس جاب مکمل

ہونے دیں۔" شام اس کی کال آ گئی تھی۔

"جس رفتار سے میرے بال گر رہے ہیں عنقریب گنجا ہو جاؤں گا پھر تمہاری سہیلیاں ہنسے گی گنجا دولہا دیکھ کر مجھ پہ، نہیں تو خود پہ رحم کھاؤ۔"

"پرواہ نہیں اور تم گنجے کے ساتھ ساتھ کانے، بہرے اور لولے لنگڑے بھی ہو جاؤ تو چلو گے، لیکن تھوڑے ٹائم بعد کیونکہ میں شادی کے بعد سکون کے ساتھ، کچھ وقت صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔" بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی سو ہنسی خوشی مان لی تھی۔

☆☆☆

"رضوان حیدر" میرا کلاس فیلو تھا اور ایسا کلاس فیلو تھا جس کے ساتھ میری کافی بنتی تھی، وہ کافی اچھا اسٹوڈنٹ ہی نہیں بہت اچھا انسان بھی تھا، شائستہ اطوار اور خوش مزاج سا، اس کا تعلق جنوبی پنجاب کے کسی جاگیردار گھرانے سے تھا اور اب اسی جاگیردار گھرانے سے میرے لئے رشتہ آیا تھا، مجھے مما نے کال کر کے گھر بلوایا تھا، گھر آ کر صورت حال سمجھ آنے کے بعد میں ہکا بکا رہ گئی تھی، بابا نے بہت شائستہ انداز میں انہیں میرا رشتہ طے ہونے کا بتا کر معذرت کی تھی، ان لوگوں کے جانے کے بعد گھر میں کسی نے اس پہ بات نہیں کی تھی کوئی ایشو نہیں بنا تھا، ایشو تب بنا تھا جب آنے والے پچیس دنوں میں ان لوگوں نے پھر سے دو چکر لگائے تھے، وہ یہ سب اپنے بیٹے کی ضد پر کر رہے تھے دوسری اور پھر تیسری بار پاپا کی برداشت جواب دے گئی تھی، بابا نے بہت کھری کھری سنائی تھی، مما مسلسل انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جن کا غصہ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"حد ہے بے شرمی کی، پتہ نہیں کیسے کیسے لوگ پائے جاتے ہیں یہاں۔" بابا کو بمشکل ٹھنڈا کر کے روم میں بھیجنے کے بعد مما کچن میں آئیں تھیں۔

"اب اگر زہرہ یا عمر کو پتہ چلے یہ سب تو پتہ نہیں کیسا لگے انہیں۔" مما کی بات پر میں اور عنایہ انہیں دیکھنے لگے تھے۔

"نہیں خیر عمر کی بات مت کریں آپ، وہ ایسا نہیں ہے آپ جانتی ہیں اور خالہ بھی کوئی روایتی خاتون نہیں ہیں، وہ اس طرح سے کیوں سوچیں گی؟" میں نے مما کو تسلی دی تھی۔

"نہیں بیٹا جب رشتے بدلتے ہیں تو سوچنے کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔" مما کی بات پہ میں نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

رضوان حیدر کے گھر سے پھر کوئی نہیں آیا تھا میں نے خواہ مخواہ کی ٹینشن ختم ہونے پہ سکون کا سانس لیا تھا، عمران دنوں کراچی تھا اور خالہ اپنے شوہر کے ساتھ عمرے پہ، سو یہ بات ان تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی، میرا ہاؤس جاب مکمل ہونے والا تھا اور اس کے فوراً بعد ہی ہماری شادی ہو جانی تھی۔

میری ہاؤس جاب مکمل ہونے کے اگلے ہفتے ہی خالہ تاریخ لینے آ گئی تھیں، یہاں مما پاپا بھی فرض کی ادائیگی چاہتے تھے سو سب کی باہمی رضامندی سے اگلے ماہ کی بیس تاریخ فائنل کر دی گئی تھی۔

"خوش ہو؟" اس کا ٹیکسٹ آیا تھا۔

"نہیں صرف خوش نہیں، مطمئن بھی ہوں۔" میں نے لکھا تھا۔

"تم؟"

"تمہاری سوچ کی آخری حد بھی وہاں نہیں پہنچ پائے جتنا خوش ہوں میں۔" یہ صرف ایک میسج نہیں تھا جو اس نے مجھے کیا تھا یہ ایک فخر تھا جو اس

نے مجھے سونپ دیا تھا۔
دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں، زندگی میں پہلی بار میں نے مما پاپا کو اتنا خوش اور مطمئن دیکھا تھا۔
وہ ہمارے گھر کی پہلی خوشی تھی اور اس خوشی کو سب بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہے تھے، مما اور بابا باقاعدہ بیٹھ کر ہر چیز ڈسکس کرتے یہاں تک کہ وہ شاپنگ بھی جو ہم نے کی ہوتی، بابا مجھے کپڑوں کے کلرز ان کے ڈائیزین اور میچنگ تک سب میں مشورے دیتے اور میں ہنسی دبائے سب سر ہلاتے سنتی، یہ وہ وقت تھا جب زندگی کے سارے منظر مکمل تھے۔
اور یہ اس سے اگلی رات کا قصہ تھا جب میں اور بابا اسٹڈی میں بیٹھے تھے، جب انہوں نے مجھے چند نصیحتیں کی تھیں۔
''عمر بہت اچھا انسان ہے امایہ، بہت بہترین، تمہارے لئے اس سے بہتر آپشن کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا، تم مجھے بہت عزیز ہو اتنی عزیز کے انگلیوں کی پوروں پر گنے جانے والے اثاثے میں سرفہرست اور اپنا یہ قیمتی اثاثہ میں اسے اس لئے سونپ رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں وہ ہمیشہ اس اثاثے کو سنبھال، سنبھال کر سینت سینت کر رکھے گا، وہ تمہارا قدر دان رہے گا تم بھی اس کی قدر کرنا، اس کی قدر دانی کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا، وہ مرد لائق احترام ہوتا ہے جو عورت کو عزت اور محبت دونوں دیتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے اس کا شکر واجب ہوتا ہے۔'' میں سر جھکائے انہیں سن رہی تھی، مجھے علم نہیں تھا میں انہیں ''آخری'' بار سن رہی ہوں، رات کے کسی پہر ہونے والا پہلا اٹیک ہی آخری ثابت ہوا تھا، ہنستے چہرے اور مسکراتی آنکھوں سے مجھے گڈ نائٹ کہنے والا شخص زرد چہرے اور بند آنکھوں کے ساتھ چپ لیٹا تھا۔
حادثے ہمیشہ اچانک ہوتے ہیں، حادثے ہمیشہ ہولناک ہوتے ہیں، بابا کا اس طرح سے چلے جانا ایسا ہی حادثہ تھا ہمارے لئے، سمجھ ہی نہیں آئی تھی صبر آئے تو کیسے؟ منظر جب مکمل نہیں رہتے تو ادھورے ہو جاتے ہیں اور جب ادھورے ہو جاتے ہیں تو ناقابل برداشت بھی ہو جاتے ہیں، آہستہ آہستہ سب سنبھل رہے تھے سوائے میرے میری زندگی سے صرف باپ نہیں گیا تھا میرا مان، فخر اور سہارا بھی گیا تھا، جس انگلی کو پکڑ کر چلنا سیکھا تھا اب اس انگلی کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ہاتھ کا خالی پن برداشت سے باہر تھا۔
چھ ماہ ہو گئے تھے بابا کی ڈیتھ کو، رفتہ رفتہ صبر آ گیا تھا مگر وہ پہلے والی شوخی، خوشی کھلنڈرا پن، بے فکری سب غائب ہو گئی تھی، میں پہلے کی نسبت اب بہت سنجیدہ ہو گئی تھی، عمر خالہ، مما، روشان، سب ہی پہلے سے زیادہ میرا خیال رکھتے تھے، ان سب کی اپنے لئے فکر دیکھ کر میں اکثر شرمندہ بھی ہو جاتی مگر بابا کی ڈیتھ ایسا حادثہ تھا میرے لئے کہ جس سے سب سنبھلنا اتنا آسان بھی نہیں تھا میرے لئے۔
بابا کی ڈیتھ کے ایک سال گزر جانے کے بعد خالہ اور عمر ہمارے گھر آئے تھے خالہ شادی کی تاریخ لینے آئی تھی، یہ ذکر سنتے ہی مجھے بابا یاد آ گئے تھے اور میں نے رونا شروع کر دیا تھا، خود مما کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔
''صبر کرو امایہ اور ثمینہ تم بھی سنبھالو خود کو، موت تو ایک آفاقی حقیقت ہے اور ایک نہ ایک دن ہم سب نے ہی اس حقیقت کا سامنا کرنا ہے، تم لوگ سنبھالو خود کو، یہ تو زندگی ہے۔'' خالہ نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا وہ مجھے تسلی دینے میں

مصروف تھیں۔

مما اور خالہ نے اس منتھ کی لاسٹ تاریخ طے کی تھیں، عمر سے میری اب بہت کم بات ہوتی تھی، پچھلے کچھ عرصے سے وہ بہت مصروف رہنے لگا تھا، گھر بھی کم کم ملتا تھا، میں اس کی روٹین سے آگاہ تھی سو یہ چیز کبھی مسئلہ نہیں بنی ہمارے درمیان۔

اس دن خالہ مجھے اپنے ساتھ جیولر کے پاس لے جانے والی تھیں، میں تیار ہو کے خالہ کی طرف آ گئی تھیں، لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہی مجھے اندر سے عمر کی سخت سی آواز آئی تھی۔

''میں آپ کو بتا چکا ہوں ممی، میں بہت بزی ہوں اور میرا بازار جا کے خوار ہونے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔''

''عمر کیوں کر رہے ہو تم ایسا، میں پچھلے دو ویک سے نوٹس کر رہی ہوں تمہارا یہ روڈ بی ہوئیر، پہلے امایہ کا نام لئے بغیر تمہیں سانس نہیں آتا تھا اور اب اس کا نام آتے ہی تم بھاگنے لگتے ہو، کوئی مسئلہ ہے؟'' خالہ کی بے بسی سی آواز میں غصہ بھی تھا۔

''ہاں ہے مسئلہ۔'' عمر کے اعتراف نے مجھے بھی ٹھٹکا دیا تھا۔

''پلیز شیئر ود می۔''

''مجھے امایہ سے شادی نہیں کرنی۔'' اس نے بہت عام سے انداز میں بہت بڑی بات کی تھی۔

''کیا؟ کیوں؟'' شاک کے عالم میں کھڑی خالہ کے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔

''کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔''

☆☆☆

سفیان ہمدانی سے میری شادی بہت جلدی اور خاصی افراتفری میں ہوئی تھی، وہ مما کی بہت کلوز فرینڈ کا اکلوتا بیٹا تھا، بہت لائق فائق، خوبصورت ویل سٹیڈ بیٹا، جس کے لئے وہ اپنی عزیز ترین دوست کی بیٹی کو بہت چاؤ سے بیاہ کر لائیں تھیں، سفیان بہت اچھا انسان تھا، اتنا اچھا کہ کبھی کبھی مجھے اس کی اچھائی پہ شک ہونے لگتا، وہ مجھ سے بے تحاشا محبت کرتا، وہ میری بے حد عزت کرتا یہ دو چیزیں تھیں جن کے لئے میں اس کی شکر گزار تھی، اس نے میرے سامنے کبھی سوال نہیں رکھے تھے یہ وہ چیز تھی جس کے لئے میں اس کی احسان مند تھی، میں اس کے ساتھ باہر نہیں جاتی تھی، صرف اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتی، اس کے دیئے مہنگے ترین گفٹس بھی صرف ایک مسکراہٹ اور شکریے کے ساتھ قبول کرتی ہوں خوشی سے پاگل نہیں ہوتی، یہ وہ چیزیں تھیں جنہیں اس نے کبھی مسئلہ نہیں بنایا تھا، میں گر کے اٹھنے کے بعد سنبھل ضرور گئی تھی مگر اب دوبارہ قدم جمانے اور پھر سے چلنے میں وقت لگتا تھا اور وہ مجھے وہ وقت دے رہا تھا، زین کے آنے کے بعد زندگی جیسے سیٹ ہونا شروع ہو گئی تھی میرے لئے، میں اگر اب ہر وقت ہنستی نہیں رہتی تھی تو کم از کم میری آنکھوں میں ہر وقت نمی رہنا بھی ختم ہو گئی تھی۔

زین تین سال کا تھا میری اور سفیان کی شادی کا پانچواں سال جب سفیان اور اس کی مدر کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ہونے والی ڈیتھ نے مجھے ایک بار پھر سے اذیت کے تپتے صحرا میں لا کھڑا کیا تھا، بے یقینی خوف، دکھ اور اذیت بے بسی بیوگی اور زین کا تین سال کی عمر میں ہی باپ سے محروم ہو جانا، یہ ساری چیزیں تھی جو مجھے صبر نہیں کرنے دے رہی تھی، محبت، تحفظ، بے فکری، خوشی یہ ساری چیزیں تھی جن پر مجھے صبر نہیں آ رہا تھا، میں سارا سارا دن گونگوں بہروں کی طرح سے گزار دیتی اور ساری ساری رات روتے اور

شکوے کرتے، مما اور روشان میرے ساتھ تھے اور مجھے سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے، مما کا سمجھانا، روشان کی تسلیاں، مجھے یہ سب تب جب میرے احساسات سانس لیتے، وہ کب کے مر چکے تھے۔

"زندگی میں سب ایسے نہیں ہوتا امایہ!" میں ایک ہاتھ گھٹنے پہ دھرے دوسرے سے زمین پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتے بے خبر بیٹھی تھی جب مما نے میرے ساتھ سیڑھی پہ بیٹھتے کہا تھا، میں نے سر اٹھا کر ایک نظر انہیں دیکھا پھر دوبارہ سر گھٹنے پہ دھر لیا، میں دو دن پہلے پہنے گئے کپڑوں، بکھرے بالوں ویران آنکھوں اور اجڑے بچھڑے چہرے کے ساتھ جس حال میں تھی وہ میری ماں کو رونے اور پریشان کرنے کے لئے کافی تھا۔

"بہت ساری چیزیں ان چاہی ہوتی ہیں بہت ساری چیزیں تکلیف دہ ہوتی ہیں، مگر جب وہ ہو جاتی ہیں تو انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔"

"کچھ چیزیں نا قابل برداشت ہوتی ہیں مما۔"

"ہاں ہوتی ہیں مگر جب ہو جائیں تو سہنا پڑتا ہے انہیں، اپنے لئے نہ سہی خود سے جڑے کچھ دوسرے لوگوں کے لئے سہی۔"

"یہ سب کیوں ہوا مما؟" میں بلک بلک کر رو دی تھی۔

"یہ سب تمہارا نصیب تھا امایہ، جو چیز نصیب میں لکھ دی جائے اسے نکالا نہیں جا سکتا، اسے ٹالا نہیں جا سکتا، بس اس پر صبر کیا جاتا ہے۔"

"صبر بہت مشکل چیز ہے مما۔"

"ہاں مشکل ہے۔" میری ماں نے میرا سر اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"مگر پھر بھی کرنا پڑتا ہے کر ہی لینا چاہیے، تم مجھے بہت عزیز ہو بیٹا، تمہاری تکلیف میرے لئے کسی اذیت سے کم نہیں، میرے بس میں ہو تو میں کوئی بھی قیمت دے کر تمہاری اس تکلیف کو راحت میں بدل دوں مگر یہ میرے تو کیا کسی کے بس میں بھی نہیں ہے، کچھ تکلیفوں کا مداوا ہوتا ہی نہیں ہے ان پہ بس سمجھوتہ ہی کیا جا سکتا ہے، خود کو سنبھالو، اپنے لئے نہ سہی، میرے لئے نہ سہی، زین کے لئے ہی سہی، تم دونوں ایک دوسرے کا سہارا ہو تم دونوں کو ایک دوسرے کی طاقت بننا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں میں آنکھیں موندے انہیں سن رہی تھی۔

☆☆☆

وقت گزرتا ہے تو زخموں پر کھرنڈ بھی آنے لگتے ہیں، مما ٹھیک کہتی ہیں کچھ تکلیفوں کا مداوا بھی بس سمجھوتہ ہوتا ہے اور یہی میں نے بھی کیا، مما کے لئے زین کے لئے، مجھے خود کو سنبھالنا ہی تھا سو سنبھال لیا، زندگی بہت پہلے میرے لئے معنی کھو چکی تھی اب پھر سے اسے معنی دینے تھے تو بھی زین کے لئے۔

جاب دوبارہ جوائن کر لی میں نے اور رفتہ رفتہ روٹین سیٹ ہوتی چلی گئی تھی اور اب جب سب ایک طرح سے سیٹ ہو رہا تھا زندگی میں بھونچال لانے کو "وہ" ایک بار پھر سے آ موجود تھا، گلابی لفافے کو چاک کر کے میں اندر موجود سفید کاغذ دو انگلیوں کی مدد سے باہر نکالا اور کھول کر سامنے پھیلایا، نیلی روشنائی سے تحریر الفاظ میرے سامنے تھے۔

"السلام علیکم! اور بہت ساری دعائیں، سمجھ نہیں آتا کہاں سے شروع کروں اور کہاں اختتام، کہ شرمندگی ایسی ہے جو ایک لفظ بھی لکھنے کی اجازت نہیں دیتی مگر بوجھ ایسا ہے کہ جو دم

گھونٹنا ہے اور جسے اتارے اور بانٹے بغیر کوئی چارہ نہیں، سمجھ نہیں آتا کہ اس عورت کو کن الفاظ میں مخاطب کروں جو میری ماں جائی ہے، میری غم گسار رہی مجھ سے ہمیشہ پر خلوص رہی اور جس سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی، ہاں یہ سچ ہے اور میری کہانی اسی اعتراف سے شروع ہوتی ہے کہ مجھے آپ سے نفرت رہی، شدید نفرت اور اس نفرت کی وجہ تھا عمر خیام، ہاں آپی اس کہانی کا دوسرا بڑا اعتراف وہ ''محبت'' ہے جو مجھے عمر سے تھی، میں ان سے متاثر تھی تب سے جب سے میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا اور اتنی متاثر تھی کہ انہیں آپ کے ساتھ منسوب ہوتا دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی رشک آیا تھا آپ پر اور یہ رشک حسد میں تب تبدیل ہونا شروع ہوا جب مما اور بابا کی ڈیتھ کے بعد میں نے یہاں آکر رہنا شروع کیا، عمر اتنا بہترین شخص تھا کہ کسی بھی عورت کو اس سے محبت ہو سکتی تھی اور میں تو بہت پہلے سے ہی اس سے متاثر تھی، بہت شروع میں، میں بہت روئی اس بات کو لے کر کے وہ شخص میرا نصیب نہیں تھا، وہ شخص میرا نصیب کیسے بن سکتا تھا یہ سوچنا میں نے بہت بعد میں شروع کیا تھا، پہلے پہل کچھ سمجھ نہیں آتا تھا، تب آنا شروع ہوا جب رضوان حیدر نے آپ کے لئے پرپوزل بھیجا، ٹھنک تو میں پہلے دن ہی گئی تھی مگر ان لوگوں کے دوسری بار آنے پر میں نے ایسے کھیل کے تانے بانے بننے شروع کیے جس میں جیت جانے کے چانسز سو فیصد تھے، سب سے پہلے میں نے رضوان حیدر سے رابطہ کیا اور اسے یقین دلایا کہ آپ بھی اس سے محبت کرتی ہیں لیکن فیملی کی وجہ مجبور ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنے ساتھ کا بھی یقین دلایا، اس سے کچھ کالج ڈیز کی پکچرز منگوائیں اس کی کالز ریکارڈ کی اور عمر کو سب کچھ

اپنے الفاظ میں بتانا شروع کیا، ہاں آپی میں نے اپنی مرضی کی Pitech بنا کر اپنی رضی کے شارٹس کھیلے اور یہاں قسمت نے بھی میرا ساتھ دیا، بابا کی ڈیتھ کے بعد آپ کا ڈسٹرب ہو جانا میں نے عمر کے سامنے اس طرح سے پیش کیا کہ اسے بھی آپ کی اداسی کی وجہ ''رضوان حیدر'' کو انکار لگنے لگا، میں نے عمر کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ آپ نے خود میرے سامنے رضوان حیدر سے محبت کا اعتراف کیا ہے، میں نے رو رو کر عمر کو یقین دلایا کہ میری بہن اس سے شادی تو کر لے گی مگر کبھی دل سے خوش نہیں رہ پائے گی میں نے گڑگڑا کر اس سے التجا کی اور عہد لیا کہ وہ یہ سب آپ سے نہیں پوچھے گا اور اتنا تو میں اسے جانتی ہی تھی کہ وہ آپ سے اتنی محبت ضرور کرتا ہے وہ کبھی بھی خاندان والوں کے سامنے آپ کو رسوا نہیں کرے گا اور جیسا میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا اس نے ویسے ہی کیا، اس نے سارا الزام اپنے سر لیا اور اندازہ تو میرا آپ کے بارے میں بھی سو فیصد تھا ایک بار ریجکٹ ہونے کے بعد آپ کبھی سوال لے کر اس کے سامنے نہیں جائیں گی اور ایسا ہی ہوا، آپ نے فوراً سے پہلے سفیان بھائی کا پرپوزل قبول کر لیا اور میرے لئے راستہ صاف ہو گیا، عمر نے اپنے نہیں خود کو آپ کے اور رضوان حیدر کے درمیان سے ہٹایا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا اس نے میرا راستہ صاف کیا تھا، وہ آیا تھا میرے پاس سوال لے کر کہ آپ نے رضوان حیدر کو کیوں نہیں اپنایا وہ بھی تب جب اس کی لغت میں ساری مشکل بھی حل ہو چکی تھی میں نے کچھ جھوٹ بول کر اسے مطمئن کیا تھا اور صرف تب ہی نہیں میں نے ہمیشہ ہی اس سے جھوٹ بولا تھا، جھوٹ کی زمین پر جھوٹ کی عمارت کھڑی کی تھی میں نے اور خوش تھی کہ میں

نے وہ سب پالیا جو مجھے چاہیے مگر ہوتا ہے ناں کہ ایک وقت آتا ہے جب آپ جھوٹ بولتے بولتے تھک جاتے ہیں، تب آپ سچ بولنا چاہتے ہیں میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے، میں جھوٹ بولتے بولتے تھکنے لگی ہوں، جھوٹ کی زمین پہ بنایا میرا یہ گھر جہاں سب کچھ ہے ہو آسائش، ہر آرام، اور وہ شخص جس کے لئے میں نے یہ سب کیا اور میری اولاد بھی مگر پھر بھی یہاں سکون نہیں ہے میرے لئے، خوشی کو ترس گئی ہوں میں، عمر میرا ہوگیا ہے مگر وہ میرا نہیں ہوسکتا ہے، میں اس کے وجود کے ساتھ رہتی ہوں اور آپ اس کے دل میں رہتی ہیں، اس کی زندگی سے نکال لیا میں نے آپ کو اس کے دل سے کبھی نہیں نکال پائی، گو کے وہ میرے سامنے آپ کا نام تک نہیں لیتا مگر میں جانتی ہوں جب تک اس کی آنکھ کھلی رہتی ہے اور جب تک اس کا ذہن بیدار رہتا ہے اس کے دھیان کا کوئی نہ کوئی سرا آپ کے وجود میں اٹکا رہتا ہے، کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں ایسا خالی پن اتر آتا ہے کہ میرا دل کرتا ہے میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو اکٹھا کرلوں اور اپنی کھوکھلی جیت کا ماتم کروں، وہ مشین بن گیا ہے اور مشین کے ساتھ رہتے رہتے تھکن میرے روم روم میں آبسی ہے اور اب جب کے کینسر جیسا موذی مرض میرے اندر آخری اسٹیج تک آپہنچا ہے اور ڈاکٹرز کے مطابق میرے پاس فقط چند ہفتے ہیں میں ایسا ہی ایک اعتراف اس کے سامنے کر کے اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں پہلی اور آخری معافی، مگر میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں اس کی آنکھوں میں اپنے لئے نرمی کے بجائے نفرت دیکھوں اور پھر اتنا سب کچھ کرنے کے بعد میں معافی کا لفظ منہ سے نکالوں بھی تو کیسے؟ کیا میرے جیسی عورت اس قابل ہے کہ اسے معاف کر کے اس کے گناہوں کا بوجھ کم کیا جائے؟ یقیناً نہیں اور میں چاہتی بھی یہی ہوں اس دنیا میں نہ سہی اس دنیا میں ہی آپ میرا گریبان پکڑیں اور مجھ سے میری غلطیوں کا کفارہ مانگیں، میں جانتی ہوں یہ سب پڑھ کر حقیقت جان کر آپ کو بہت شاک لگا ہوگا، آپ کو بہت غصہ آرہا ہوگا مجھ پر اور یقیناً آپ مجھے سزا بھی دینا چاہتی ہوں گی مگر میں آپ کو بتاؤں آپی میں پہلے سے سزا بھگت رہی ہوں، پچھلے تین سالوں سے میں جیسے کسی جہنم میں ہوں، آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے آپی ہر چیز میسر ہونے کے باوجود بھی میں کیسی محرومی کی زندگی گزار رہی ہوں، سارا سارا دن میں سوچتے اور ساری ساری رات جلے پیر کی بلی کی طرح پورے گھر میں گھومتے گزرتی ہوں میں سکون نہیں مل رہا، مجھے سکون نہیں ملتا مجھے، پچھتاوؤں کی مٹی تلے محبت کب کی دب چکی ہے اور اپنی زیادتی کا احساس چین نہیں لینے دیتا، بوجھ روح پہ دھرا ہے اور روح شل ہو چکی ہے اسے اٹھائے اٹھائے مگر رہائی ہے کہ ملتی ہی نہیں ہے، میں نے ہمیشہ آپ سے لیا ہے ایک اور چیز لینا چاہتی ہوں ''دعا'' میرے لئے دعا کیجئے آپی مجھے رہائی مل جائے، مجھے سکون مل جائے، فقط آپ کی بہن۔''

عنایہ سعد علی

کاغذ تر کر کے واپس رکھ کر میں نے اپنی نم آنکھیں پونچھی امایہ کے لئے دعا کی۔

☆☆☆

اور کھڑکی کے پردے برابر کر کے بیڈ کی طرف آئی جہاں سارہ اور معیز مزے سے سو رہے تھے، جھک کر سارہ کو پیار کر کے میں سیدھی ہوئی معیز نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔

''کیا بات ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟''

اس کے انداز میں فکرمندی تھی، میں مسکرائی۔

"ہاں۔" اثبات میں سر ہلایا اور اس نے پرے کھسکتے ہوئے میرے لئے جگہ بنائی میں لیٹی تو بہت آرام سے میرا سر اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لیا میں طمانیت سے مسکرائی تھی، دو سال پہلے جب معیز نے پرپوزل بھیجا تھا میرے لئے تب ہی خالہ بھی ایک بار سے عمر کے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھیں۔

"عمر بہت شرمندہ ہے وہ معافی مانگنا چاہتا ہے تم سے۔" خالہ نے مجھے کہا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے خالہ، میں سب بھول چکی ہوں۔" میں نے سکون بھرے لہجے میں انہیں یقین دلایا تھا۔

"تو میں سمجھوں کے۔" خالہ کے لہجے میں خوشی چھلکی تھی۔

"نہیں خالہ یہ سب اب ممکن نہیں ہے میرے لئے۔" اسی سکون بھرے لہجے میں دیئے اگلے جواب نے ان کے چہرے کو تاریک کیا تھا۔

"مطلب تم نے اسے معاف نہیں کیا؟"

"کر دیا ہے خالہ، جن سے محبت ہوتی ہے انہیں معاف کر دیتا ہے انسان، کرنا پڑتا ہے۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا تھا۔

"تو پھر......؟" اب کی بار مما نے سوال کیا تھا؟ میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"آپ جانتی ہیں مما محبت کی کشتی کو ڈبونے والا سوراخ کس چیز کا ہوتا ہے بے اعتباری کا، میرے اور عمر کے درمیان سب کچھ تھا، بس اعتبار نہیں تھا، ورنہ عنایہ کے لئے وہ سب کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا، عمر محبت کرتا رہا مجھ سے مگر محبت کرتے کرتے اعتبار کرنا بھول گیا وہ، اس نے وہ سب میری خوشی کے لئے نہیں کیا تھا، اس نے وہ سب عنایہ کی باتوں کو سچ مان کر کیا تھا، مرد بہت خود غرض ہوتا ہے مما وہ اگر محبت میں قربانی دیتا بھی ہے ناں تو اسے جتاتا ضرور ہے عمر قربانی دیتا تو اسے جتانے ضرور آتا، اس نے قربانی نہیں دی تھی بلکہ بے اعتباری کے ہاتھوں میرے اور اپنے رشتے کو ختم کیا تھا اور میں ایک عورت ہوں مما، میں اس سے محبت کر سکتی ہوں اس کے لئے رو سکتی ہوں، اسے اس کی غلطیوں کے لئے معاف بھی کر سکتی ہوں مگر اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، کیونکہ عورت کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جو اس سے محبت تو کرے مگر اس کا اعتبار نہ کرے۔"

"آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" خالہ نے مجھے منانا چاہا تھا۔

"جو شخص گزرے کل میں میرا اعتبار نہیں کر پایا وہ آنے والے کل میں میرا بھروسہ کرے گا یا نہیں یہ بہت بڑا سوال ہے اور اگر ایک بار پھر...... میں اتنا بڑا سوال اور ایسا خوفناک اگر لے کر زندگی نہیں گزار سکتی خالہ اور پھر محبت کے باوجود وہ شخص میرے دل میں موجود اپنے مقام سے نیچے آ گیا ہے اور کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا اور مجھے اب مشکل کام کرنے سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

آنکھیں موندیں تو ایک آنسو بہت آہستگی سے پلکوں کی باڑھ توڑتا معیز کی شرٹ میں جذب ہوا، اس شخص سے کی جانے والی بے تحاشا محبت کا اتنا حق تو تھا ہی مجھ پر۔

☆☆☆

سیمیں کرن

آج اعترافات کا دن ہے خود اپنے سامنے روبرو ہونے کا دن، وہ دن جب آپ کا بدن نہیں آپ کی اپنی روح اپنی تمام تر غلاظتوں کے ساتھ آپ پر عیاں ہو جائے، آپ کے سامنے برہنہ ہو جائے بالکل ایسے جیسے یوم حساب ہو، مجھے یہ جنت جہنم اور یوم حساب آج سے پہلے کبھی سمجھ نہیں آسکے، مگر آج کی اذیت نے مجھے یوم حساب کو سمجھا دیا کہ کس اذیت سے وجود تار تار ہوگا اور کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت ہوگی؟

نہیں اس سے بڑھ کر اذیت کیا ہو سکتی ہے جب اپنی ذات کی گندگی آپ پر منکشف ہو جائے اپنی ذات و انا کا بت دھڑام سے گر کر پاش پاش ہو جائے، اپنے اوپر سے خود اعتبار اٹھ جائے، یہ ذات کا بھرم ہی تو ہے جو ہماری کی خواہش لئے

ناولٹ

انسان کو ''لورلور'' لئے پھرتا ہے جینے کی امنگ پیدا کرتا ہے اور جو یہ بھرم ہی نہ رہے تو۔

ہاں آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے کبھی اسے دل سے بہن نہیں سمجھا اور بہن وہی ہوتی ہے جو آپ کے باپ کے گھر جنم لیتی ہے وہ بھی تو یہی کہا کرتی تھی ہاں وہ بچی تھی سچ کہتی تھی وہ کہ بہن وہی ہوتی ہے جو آپ کے باپ کی بیٹی ہوتی ہے مگر اس وقت تو مجھ پر دھن سوار تھی کہ میں اس رشتے کو اس سے تسلیم کرواں اور میں نے کروا لیا وہ سچ میں واقعی مجھے اپنا بھائی سمجھنے لگی تھی مجھ پر اپنے سگے بھائیوں سے بڑھ کر اعتبار کرتی تھی بلا تکلف میرے سکوٹر پر بیٹھ کر میرے ساتھ چلی جاتی، وہ سیدھی بچی سادہ مزاج اور معصوم سی لڑکی امنگوں اور دل میں بہت کچھ کرنے کی ٹھان لئے ہوئے دل میں بڑے لمبے چوڑے مقاصد کے انبار سجائے اسے اس مینار کی سب سے اونچی منزل پہ پہنچنے کی دھن دلگن تھی،

اچھے انو کھے خیالات و آدرش تھے اس کے، بلاشبہ وہ ایسی لڑکی تھی جس سے اکثر لڑکیاں خواہ مخواہ ضد باندھ لیتی ہیں بغیر کسی وجہ کے ناراض ہو جاتی ہیں اور جسے دیکھ کر لڑکے خواہ مخواہ مخمور سے ہونے لگتے ہیں بلاوجہ کھینچے چلے جاتے ہیں اور پھر یکدم انہیں ٹھٹک کر رکنا پڑتا ہے کہ شرمین علی حد میں رہنا اور حد میں رکھنا جانتی تھی وہی لڑکے جو خواہ مخواہ مخمور ہوئے جاتے تھے پھر ٹھٹک کر نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو جاتے، ہاں ایسی یہ تھی شرمین علی، اس کے حسن کو دیکھ کر بے لگام ہوتے سرکش گھوڑے اس کے سامنے آکر اپنی لگامیں کھینچ کر عزت سے نگاہ جھکا لیتے اور اپنے سرکش جذبات کو قابو کرتے ہوئے بظاہر بڑے معزز بن کر اس سے بات کرتے تو سوچئے کہ ایسی لڑکی کتنی باعزت ہوگی کہ اس کے سامنے مہذب و معزز بننا پڑتا تھا۔

وہ پہلے ہی دن میری نگاہ میں آگئی تھی ہاں وہ ایسی ہی تھی کہ بغیر کسی کوشش کے خود بخود مرکز نگاہ بن جائے وہ تو روز اول سے جانے کتنی نگاہوں میں آگئی تھی کن کن نظروں میں سما گئی تھی کتنے مسائل اس معصوم سی سادہ لڑکی کے لئے کھڑے ہو گئے تھے کالج آنا جانا اس کے لئے مسئلہ بن گیا تھا، حسن تھا پھر یا حجاب تھا اور چہرے پر (Not available) کا بورڈ آویزاں تھا، جو مرد کو خواہ مخواہ اکساہٹ دلاتا جبکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ صرف نفس کے لئے ہی ہلکان ہو رہے تھے ورنہ وہ سب جو بے شک اس پر نظر رکھتے تھے مگر اس کی شرافت و رویے سے دبک کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔

ہاں تو مسئلہ یہ نہیں تھا کہ میں متوجہ نہیں تھا، وہ تو روز اول سے میری نگاہ میں تھی مسئلہ تو میرا تھا میں کسی کی نگاہ میں نہیں تھا نہ آسکتا تھا، میں مکرم عباس جتنا بھاری بھر کم میرا نام اس سے بالکل

مگر وہ نخوت اور غرور حسن میں مجھے اپنے جوتے بھی صاف نہ کرنے دیتیں وہ لڑکیاں بلا تکلف مجھ سے "مکرم بھائی، مکرم بھائی" کہتی ہنس ہنس کر باتیں کرتی میرے چٹکلوں پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتیں، اپنے تمام کام بلا تکلف مجھے کہتیں اور لڑکے مجھے حسد سے دیکھتے اور کبھی رشک سے بلکہ بعض خبیث تو جلے دل کے پھپھولے پھوڑ بھی لیتے۔

"سالے عیش ہیں تیرے، بھائی بن کے مزے لوٹ رہا ہے تو۔"

تو میں بظاہر بڑی متانت سے آنکھوں کے اوپر چشمہ صحیح کرتے ہوئے کہتا۔

"تو تم بھی بھائی بن جاؤ، سمجھو ان کو اپنی بہنیں، عزت دو تو وہ تمہارے ساتھ خود ہی اپنے رویے میں نرمی پیدا کر لیں گی، مگر عورت کو عزت دینا اسے ماں بہن بیٹی سمجھنا یہ تمہارے بس کا کام ہی نہیں۔" بیچ میں کوئی ٹوک کر کہتا۔

"نہیں یار تو ہمیں تو معاف کر تو ہی اپنی بہنوں کا بھائی بن، تو کچھ اور بن بھی نہیں سکتا۔"

میں اندر ہی اندر تلملا جاتا اس تفریق سے میرے اندر نفرت کا لاوا ابل ابل پڑتا، مگر میں خود کو سنبھال کر عورت کی عزت و توقیر پر لمبے لمبے لیکچر دیتا اور یہ تو تھا کہ میں گفتگو کا دھنی تھا باتوں میں دلائل میں مجھ سے جیتنا مشکل تھا کچھ تو مجھ سے متاثر ہو جاتے اور کچھ تمسخر میں اڑا دیتے۔

جو بھی تھا مگر میں لڑکوں کی اکثریت کی نظر میں ایک شریف اور معصوم انسان تا اور رہی لڑکیاں وہ تو مجھے فرشتہ سمجھتیں جب میں ان کے سامنے اپنے اونچے "وچار" کا اظہار کرتا، کسی کو چھوٹی باجی کسی کو آپی کسی کو بہنا اور کوئی پیاری منی...... میں کہتا۔
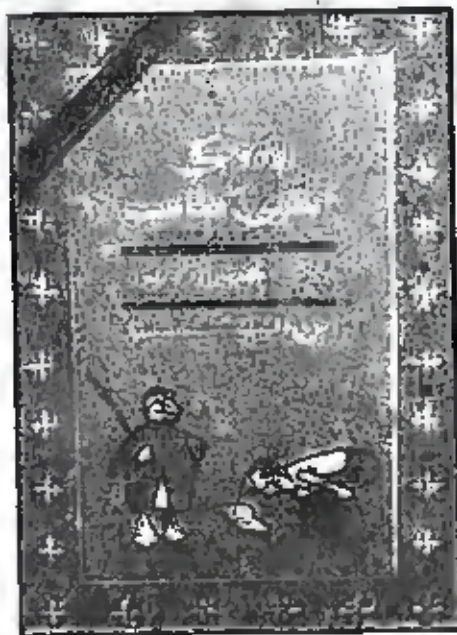
''میرا بس چلے اور میرے وسائل و مسائل نے اجازت دی تو میں ایسی بسیں شہر میں ضرور چلاؤں جو صرف خواتین کے لئے ہوں اور خاص طور پر ایسے اوقات میں جب وہ رش کے ٹائم میں سواری کے لئے خوار ہوتی ہیں دھکے کھاتی ہیں اور اوباش مرد طرح طرح سے انہیں تنگ کرتے ہیں۔''

مجھے میں سناٹا چھا جاتا میں کنکھیوں سے دیکھتا لڑکیاں کس عقیدت سے مجھے دیکھ رہی ہوتیں، میں ماہر فنکار تا جانتا تھا کہ کیا بات مقابل کو چاروں شانے چت کر دے گی۔

بیچ میں ہی کوئی لڑکی بڑی عقیدت سے مخاطب ہوتی۔

''مکرم بھائی آپ کی نیت اتنی اچھی ہے اللہ آپ کو ضرور اتنے وسائل عطا کرے گا پھر آپ ماشاء اللہ اتنے Talented تو ہیں۔''

اور یہ تو سچ تھا کہ میں اچھا خاصا قابل طالب علم تھا، بہت ذہین تو نہیں مگر محنتی تھا، ہم ایم اے فائن آرٹ کے سٹوڈنٹ جہاں رنگ و بو رومانیت حسن و تخلیقی ذہنوں کا انبار لگا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ زیادہ تر امراء کے شوقین مزاج بچے تھے جو محنتی ہرگز نہ تھے، ایم اے فائن آرٹ ڈیپارٹمنٹ تخلیق کاروں کے اجتماع ہی کا نام تھا جہاں ہر شخص اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بناء پر موجود تھا کسی کے پاس کم کسی کے پاس زیادہ کوئی لینڈ اسکیپ میں ماہر کوئی پوٹریٹ بہت اچھی بناتا اور کسی کا ہاتھ اسٹل لائف پر بہت صاف تھا کسی کے ہاں رنگوں کا امتزاج بہت اچھا ملتا، اسی لئے مجھ میں تخلیقی صلاحیتیں تو تھیں اور پورٹریٹ میرا پسندیدہ میدان تھا چہرے کے تاثرات کے ساتھ شخصیت کو پڑھنا مجھے بڑا مرغوب تھا اور شاید میں چہرے کی لکیروں میں باطن کو کھوجنے کی کوشش

کرتا تھا کیونکہ خود میں نے اپنے وجود کو اک اور چہرے کا نقاب اوڑھا رکھا تھا۔
آج سوچتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں کہ میں نے کتنے مقدس رشتے کو اپنی آلودہ خواہشوں سے پامال کیا میں جو احساس و جذبے پر قائم مودا خات کے عظیم ورثے کا علمبردار تھا اور میں نے نا آسودہ آرزوؤں کی کند چھری سے اس رشتے پر سے اعتبار ہی ذبح کر دیا آج جب میں خود ایک بیٹی کا باپ ہوں مگر آج اور تب میں بہت فرق ہے۔
یہی میری سوچ کے رنگ ڈھنگ تھے جب مجھے شرمین علی ٹکرائی کتنی عجیب سی لڑکی تھی بظاہر ہر بات ہر شے اور گرد سے بے نیاز اور بیک وقت انتہائی محتاط کو مخاطب خود بخود اپنی حد بندی کر لے۔
اس کو دیکھتے ہی میں اپنے مورچے پر سرگرم عمل ہو گیا اور خود کو اس کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن میں ششدر سا رہ گیا بلکہ یوں کہیے کہ یہ میرے لئے حیرت کا شدید جھٹکا تھا جب اس نے بڑے دوٹوک سے مگر شائستہ سے انداز میں مجھ سے معذرت چاہی۔
''جی نہیں شکریہ مجھے اپنے کام خود کرنے کی عادت ہے۔''
ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا وہ لڑکیاں بھی جو مجھے دل سے بھائی نہیں بھی سمجھتیں تھیں کام کے وقت گدھے کو باپ بناتے ہوئے بڑے لاڈ سے مجھے آواز دیتیں۔
''مکرم بھائی ذرا یہ نوٹس فوٹو کاپی کروا دیں یا پھر کولڈ ڈرنک لا دیں یا یہ بورڈ اوپر چھوڑ آئیں اور......مگر......''
یہ کس قسم کی لڑکی تھی جو آسانی کو چھوڑ کر مشکل رستہ چن رہی تھی مگر میں نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ایک بار پھر بڑی سنجیدگی اور قدرے افسردگی سے اسے کہا۔
''دیکھئے Sis میں نے تو آپ کو بالکل چھوٹی بہنا سمجھ کر یہ سب کہا ہے، بھائی کے ہوتے ہوئے بہنیں ایسے کام کرتی ہوئی بھلا اچھی تھوڑی لگتی ہیں مگر آپ نے تو بالکل بھی میری عزت نہیں رکھی۔''
اور وہ پھر مجھے ٹوک گئی۔
''دیکھئے مکرم بھائی آپ مجھے بہن کی طرح سمجھتے ہیں شکریہ، یہ آپ کی نیک نیتی ہے مگر میں یہاں کسی بھی قسم کے رشتے نبھانے نہیں آئی میری مدد اور کام کے لئے ابو اور بھائی ہیں مجھے ضرورت ہوئی تو ضرور آپ کو تکلیف دوں گی، بحثیت ہم جماعت خیال رکھنے کا شکریہ۔''
وہ مجھے میری حیثیت جتا گئی تھی اور میں حیرت سے اس بے وقوف سی نازک لڑکی کو دیکھتا جو کبھی بھاری بھرکم بورڈ اٹھائے دیگنوں میں ہلکان ہوتی کبھی Reliej work اوپر پہنچا رہی ہوتی کبھی وزنی پورٹ فولیو کے ساتھ نبرد آزما ہو رہی ہوتی مگر کبھی مدد کے لئے نہ پکارتی مگر میں نے بھی ہمت نہ ہاری اور آنے بہانے اس کے اردگرد منڈلاتا رہتا خاموشی سے کسی باڈی گارڈ کی طرح کہ شاید اس کو مدد کی ضرورت پڑ جائے یا پھر کوئی اور لڑکا اس کو تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے، میں جانتا تھا کہ لڑکے اس کے پیچھے مرے جا رہے تھے کوئی اس کی جھکی سیاہ بھنورا اداس آنکھوں کا دیوانہ تھا کوئی اس کے شہد و میدے ملے رنگ کا کوئی اس کے سرو قد کا اور کوئی اسے لچکیلی شاخ گردانتا، وہ آپس میں چہ مگوئیاں کرتے۔
''بھلا اس کے بالوں کا رنگ سیاہ ہوگا۔''
کیونکہ اس کے چہرے ہاتھوں اور پاؤں کے علاوہ بدن کے تمام حصے ڈھکے ہوتے اور عموماً وہ

سیاہ یا سفید چادر نما دوپٹے میں ہوتی مگر اس سادگی میں بھی حسن کی چاندنی چار سو بکھر کر چکوروں کو دیوانہ بنا رہی تھی۔

میں سمجھ نہیں پایا اب تک کہ یہ میری کمینگی تھی یا پھر میرے اندر نیکی کی کوئی رمق کہ میں دوسری بدنظروں سے اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتا تھا یا یہ کہ میں سمجھتا تھا کہ اس پر صرف میرا حق ہے، نہیں نہیں ایسا تو میں نے مکرم عباس جیسے حقیر و رذیل انسان نے مر کر بھی نہیں سوچا تھا میں جانتا تھا یہ چاند اور اس کی چاندنی میرا مقدر نہیں، میں تو بس اس رشتے کی آڑ میں اس کا لمحاتی قرب ہی چاہتا تھا۔

لیکن ابھی تک میں اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہا تھا اور پھر مجھے بھی جیسے ضد سی ہوگئی تھی کہ مجھے خود کو اس رشتے کو اس سے تسلیم کروانا ہے اور جیسے ابھی قدرت کو میری رسی مزید دراز کرنی تھی اس لئے تو اس دن شرمین علی کی ای یونیورسٹی فائن آرٹ ڈیپارٹمنٹ اسے لینے آگئیں کہ انہیں شرمین کی ساتھ انار کلی سے کچھ شاپنگ کرنی تھی اور آنٹی سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ شرمین علی اتنی اچھی انوکھی اتنی سادہ اور اتنی حسین کیوں ہے مگر وائے تقدیر کہ یہ بیٹیوں کی مائیں کبھی بہت خودغرض اور کبھی بہت سادہ ثابت ہوتی ہیں آنٹی کو شیشے میں اتارنا ذرا بھی مشکل ثابت نہ ہوا میں تھوڑی ہی دیر میں ان پر ثابت کر چکا تھا کہ میں کتنا شریف مزاج انسان ہوں اور یہ کہ شرمین علی کو دل سے اپنی بہن مانتا ہوں اور یہ بھی کہ اگر وہ مجھے بھائی تسلیم کر لے تو بہت سی پریشانیوں سے بچ جائے گی اور آوارہ مزاج لڑکوں کی بدنظروں سے بچی رہے گی اور آنٹی میری باتوں سے سو فیصد متفق تھیں۔

اور آج میں عرق ندامت لئے یہ ضرور سوچتا ہوں کہ کیا یہ گناہ میرے مقدر میں لکھا جا چکا تھا؟ وہ لڑکی جو مجھے تسلیم کرنے سے انکاری تھی اور اس دن آنٹی کا آنا مجھ سے ان کا ملاقات ہونا اور پھر ہو کر مجھ سے متفق ہو جانا یہ کیا طے شدہ امر تھے؟ آخر اگر یہ سب قدرت کو منظور نہ ہوتا تو اس کڑی کا کوئی ایک سرا کوئی ایک امر نہ ہوتا تو آج میں اس عذاب سے نہ دوچار ہوتا اپنی نظروں سے یوں آپ نہ گرتا، جو گناہ مجھ سے سرزد ہوا اس کے بعد اگر کبھی کسی پشیمانی نے مجھے گھیرا بھی تو میں نے بڑی خودغرضی سے خود کو باور کرایا یا پھر وہ جو اک آواز اندر سے اٹھتی ہے جیسے یار لوگ ضمیر کہتے ہیں یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ یہ سب قسمت میں لکھا تھا ایسا ہی ہونا تھا لیکن یہ تو پہلے کی بات ہے نہ آج تو؟

اور پھر وہی شرمین علی جو بہت اعتماد اور قدرے سختی سے کہتی تھی۔

''میں نہیں مانتی مکرم بھائی کہ کسی کو بھائی کہہ دینے سے یا کسی کو بہن بنا لینے سے یہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے، بھائی وہی ہوتا ہے جو آپ کے باپ کا بیٹا ہوتا ہے۔''

اسی شرمین علی کے میں خاندان کا بڑا لازم حصہ بنتا چلا گیا تمام منزلیں میں نے بڑی تیزی سے طے کیں شرمین کے ای ابو اور چھوٹا بھائی مجھے واقعی اپنا بڑا بیٹا سمجھنے لگے تھے۔

یہ سب سوچتے ہوئے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ کر چھوڑ دیا ہے۔

آہ اپنی ضد و دھن میں اپنی آلودگی کی نظر میں نے کتنے انمول رشتے اور لوگ کر دیئے۔

شرمین علی بھی آہستہ آہستہ مجھ پر کھلتی چلی گئی اور مجھ سے کافی بے تکلف بھی ہوگئی تھی، انہی دنوں میں، میں نے یہ محسوس کیا کہ شرمین کی زندگی میں بڑے بھائی کی کمی اک خلا کی مانند تھی

وہ اپنے خاندان کا بڑا بچہ تھی بڑی بیٹی اور اس سے چھوٹا بس ایک بھائی جو ابھی صرف دس سال کا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بہت محتاط اور بہت سخت رد یہ اپنائے رکھتی تھی۔

اور اب وہی خلا میں بھرنے جا رہا تھا، اپنی یہ محرومی اس نے بہت بار مجھ سے بانٹی وہ کہا کرتی تھی۔

''مکرم بھائی میں اسکول میں بڑی حسرت سے دیکھا کرتی تھی جب میری دوستوں کو ان کے بھائی لینے آتے ان کو اچھی اچھی چیزیں لا کر دیتے وہ بڑے فخر سے بتاتیں یہ بھائی نے لا کر دی ہیں تو میرے دل میں بھی حسرت ابھرتی کہ کاش میرا بھی کوئی بڑا بھائی ہوتا لیکن وقت نے مجھے دکھایا کہ میری دوستوں کے بڑے بھائی صرف ان کے بڑے بھائی ہیں تو میں بہت محتاط ہو گئی میں نے اپنی اس محرومی کو بہت اپنے اندر دبا دیا مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ میری خواہش یوں پوری کر دے گا۔''

تو ایک پل کو میرے دل کو ندامت نے گھیرا مگر میں نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی کی ڈگڈگی تھما دی کہ میں کون اسے کوئی نقصان پہنچا رہا ہوں جو کچھ ہے وہ تو کہیں میرے دل کے دروں خانے میں بہت گہرا پوشیدہ ہے۔

وہ مجھ سے اس قدر بے تکلف ہو چکی تھی اور اتنا اعتبار کرنے لگی تھی کہ بعض اوقات آنٹی مجھے فون کر دیتیں کہ شرمین کو لے جاؤ تو وہ آرام سے میرے سکوٹر پر بیٹھ کر میرے ساتھ آ جاتی۔

وہ چونکہ یونیورسٹی میں نو وارد تھی اور میں تو گزشتہ چار سال سے وہیں تھا ابھی لوگ اسے اچھی طرح جانتے نہ تھے اسی لئے جب اس کو میرے ساتھ دیکھا گیا تو بہت سی چہ مگوئیاں ہوئیں اور بہت سے سوال۔

لیکن میں نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کروا دیا کہ یہ میری خالہ کی بیٹی ہے جس پر کافی حیرت کا اظہار بھی ہوا بلکہ بے تکلف یار دوستوں نے تو یہاں تک کہا۔

''یار تو کہیں سے شرمین علی جیسی حسینہ کا بھائی نہیں لگتا۔'' میں اندر ہی اندر تلملا کر کہتا لیکن اس تلملاہٹ پر سادگی و بردباری کی ردا اوڑھ لیتا۔

''ہاں تو میں کون سا اس کا سگا بھائی ہوں، خالہ زاد ہوں نہ اور خالہ زاد ایک جیسی صورتوں کے مالک نہیں ہوتے۔''

وہ افضال کم بخت آنکھ میچ کر کہتا۔

''یہ تو ہمیں تسلی دے رہا ہے یا خود اپنے دل کو یا (option) کھلا رکھتا ہے۔''

میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور میں نے بغیر سوچے سمجھے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

''اوئے سوچ کر بات کر بتایا نہ کہ بہن ہے میری۔'' اور وہ لمبا تڑنگا افضال مجھے مکا مارتے مارتے رہ گیا کیونکہ میرے نازک سے وجود کو گرانا تو کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر یہ میرے موقف کی درستی تھی کہ بہت سے لڑکے میرے ہم خیال ہو کر افضال کو ملامت کرنے لگے۔

یوں یونیورسٹی میں فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ جانتا تھا کہ شرمین علی مکرم عباس کی کزن ہے۔

یہ مرحلہ تو میں نے سر کر لیا مگر شاید مجھے ابھی اور گرنا تھا اتنا گرنا تا کہ زندگی کے اس مرحلے پر جب ادراک نے چشم کشائی کی تو میں اتنی گراوٹ کے بعد اٹھ بھی نہیں پا رہا، اپنی نظروں میں خود گر جانا کیسا ہوتا ہے، ہڈیاں چٹختی ہیں کڑکڑاتی ہیں اپنا آپ خود پہ عیاں ہو جاتا ہے بالکل یوم حساب کی مانند اور انسان گوڈے گوڈے عرق ندامت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔

میں سوچتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ یہ

سب میں نے کیوں کیا آخر اس کا مقصد کیا تھا؟ کس احساس کی تسکین کرتی تھی مجھ کو؟ کیا مجھے بس اس کا قرب درکار تھا؟ وقتی اور لمحاتی قرب چاہے وہ کسی بھی حوالے سے ہو؟ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بھی کیوں پھر میں مطمئن نہ ہوا؟ آخر میں کیا چاہتا تھا۔

شاید مجھے اس کی سادگی معصومیت اور ذہانت سے چڑ ہوگئی تھی بالکل ویسی ہی چڑ جیسی بدی کو نیکی سے ہوتی ہے۔

وہ محنتی تھی ذہین تھی، پیدائشی تخلیق کار تھی میری نسبت پڑھے لکھے خاندان سے تعلق تھا اور پھر اک لگن اک دھن تھی اسے آگے بڑھنے کی، اس کا ریسرچ ورک کمال کا تھا، پاکستانی آرٹ خاص طور پر سندھی آرٹ پر تھیسس یہ وہ کام کر رہی تھی جس کی تعریف ہمارے اساتذہ بھی کرتے تھے، رنگ تو اس کے ہاتھوں میں آ کر باتیں کرتے ہی تھے وہ صرف کوئلے سے ہی جو چہرہ بناتی تھی وہ بھی اپنے خال و خد و تاثرات سمیت گویائی حاصل کر لیتا تھا۔

اور میں نہیں جانتا کہ کب میں جو صرف اس کے لمحاتی قرب کا متمنی تھا کہ چلو یار موج کرو بہن بنا کر ہی صحیح نہیں جانتا واقعی نہیں جانتا تھا کہ کب اس سے حسد کا شکار ہو گیا۔

شاید تب جب بھی وہ کسی پروفیسر یا لیکچرر کے سامنے کھڑی ہوتی اور ادا ہونے والے تحسین آمیز کلمات کچھ اس قسم کے ہوتے۔

''مکرم یار تمہاری کزن بہت Talented ہے یہ لڑکی بہت آگے جائے گی۔''

یا یہ کہ۔

''پورٹریٹ مکرم کا بھی اچھا تھا، مگر مکرم تمہاری کزن یہاں تمہیں پیچھے چھوڑ گئی ہے۔''

یا پھر وہ نمائش جو ہم طالب علم مل کر کرتے یا دوسرے کالجز کے ساتھ مل کر منعقد کی جاتیں۔

ان میں جو داد و تحسین اس کے حصے میں آتی اور ایک تناظر میرے ساتھ کیا جاتا تب۔

شاید اسی طرح کا کوئی لمحہ تھا جب میرا دل اس سے حسد کا شکار ہوا میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ مجھے کسی طرح اسے پچھاڑنا تھا مجھے اس سے بڑا آرٹسٹ بننا تھا میں شاید اس سے خائف ہو گیا تھا پاکستان جیسا ملک جو صرف ملاؤں کا ملک بنتا جا رہا ہے جہاں تمام تخلیقی علوم متنازع بھی سمجھے جاتے ہیں اور ان صلاحیتوں کو کمتر اور دوسرے درجے کے علوم میں گردانا جاتا ہے پتہ نہیں علوم میں بھی گردانا جاتا ہے کہ نہیں جہاں بڑی بوڑھیاں تصویر بنانے پر ٹوک کر کہتی ہیں۔

''ہائے ہائے قیامت دیلے ایدے وچ جان پائی جائے گی فیر کی کرو گے۔''

ایسے ملک میں کتنے آرٹسٹ پنپ سکتے ہیں تو بس شرمین علی کے ہوتے ہوئے میری جگہ کبھی نہیں بن سکتی میں خوف زدہ ہو گیا تھا اس کی صلاحیتوں سے اور مجھے اسے کیسے بھی اپنے رستے سے ہٹانا تھا۔

شرمین علی جس کو سارا ڈیپارٹمنٹ جانتا تھا اس کی ذہانت و لیاقت و شرافت کی وجہ سے اور مکرم عباس کی خالہ زاد بہن کی حیثیت سے اور جس کے گھر میں، میں بالکل ایک بڑے بیٹے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے دل میں کیا چل رہا ہے اور ابھی دلوں میں، میں نے محسوس کیا کہ شامہ علوی شرمین پر بری طرح مرمٹا ہے وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ چپکا رہتا ہر وقت اپنی نظروں کا ارتکاز اس پر جمائے رکھتا، اپنے ایزل پر ہوتا تو اپنا زاویہ ایسا رکھتا کہ نظریں

شرمین پر رہیں، لیکچر روم میں کرسی اس طرح سے سیٹ کرتا کہ نظریں اس پر جمی رہیں حتیٰ کہ اس کے گال حدت ارتکاز سے تپ اٹھتے اور یہ سب میری تیز بین نظروں سے چھپ نہ سکا میری ہی کیا کسی کی بھی نظروں سے نہ چھپ سکا تھا یہ سب۔

اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جب میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے یہی وہ موقع تھا جس سے میں فائدہ اٹھا سکتا تھا، ہاں میرے ہاتھ وہ مہرہ لگ گیا تھا جہاں میں اپنی مرضی کی چال چل سکتا تھا اسپ کی وہ خطرناک چال ڈھائی قدم کی دوری اور رانی کو شہ مات۔

میں نے آہستہ آہستہ شاہد علوی سے مراسم بڑھانے شروع کیے اور اس نے بھی مجھ سے مراسم بڑھانے میں گہری دلچسپی لی۔

حتیٰ کہ اس نے اپنا دل میرے سامنے کھول کر رکھ دیا کہ وہ شرمین کی محبت میں کس قدر مبتلا ہو چکا ہے اور یہ کہ وہ شرمین علی سے شادی کرنا چاہتا ہے میں نے رشک وحسد سے ملی جلی نظروں سے شاہد علوی کو دیکھا لمبا تڑنگا سرخ و سفید مناسب سے نقوش لئے یقیناً وہ شرمین کے ساتھ سجتا مگر کسی کے ساتھ کے لئے کیا صرف یہی پیمانہ کافی ہے کیا دنیا میں صورت ہی سب کچھ ہے اک انتقام کی سی لہر میرے اندر ابھری اور جیسے سب کچھ بہا کر لے گئی۔

اور آج جب میں سب کچھ ہارے بیٹھا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ بھی شاید خود کو بری کرنے کے لئے اپنے گناہ کو شدت کو کم کرنے کی لاشعوری سی کوشش ہے کہ۔

شاید میں انتقام کی لہر میں بہہ گیا تھا یا۔

شاید میں شرمین علی کے فن و ہنر سے حسد کا شکار ہو گیا تھا خائف ہو گیا تھا اس ملک کے حالات سے جہاں آرٹسٹ کے لئے بہت محدود سکوپ ہے۔

شاید میری روح بیمار تھی یا۔

وجہ جو بھی رہی ہو میں نے اس لڑکی کو برباد کرنے کی ٹھان لی تھی اور قدرت میری پوری طرح مددگار تھی، میری رسی دراز کی جا رہی تھی شاید لیکن میری رسی دراز کر کے کیا قدرت نے شرمین علی جیسی نفیس لڑکی کو چارے کے طور پر استعمال کیا، یہ سوچ دکھ اور تکلیف کی آری سے مجھے چیر دیتی ہے اور میری اذیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب میں اپنی بیٹی کو دیکھتا ہوں جو جانے کیوں حیرت انگیز طور پر شرمین سے مشابہہ ہے اس کی عادات اس کا رکھ رکھاؤ، یا مجھے ہی ایسا لگتا ہے بھلا وہ کیسے شرمین سے مشابہہ ہو سکتی ہے؟ لیکن جو بھی ہے اذیت اور تکلیف کی آری میرے وجود کو ادھیڑنا شروع کر دیتی ہے کہ کیا شرمین علی جیسی پیاری حسین اور نفیس لڑکیوں کا ایسا مقدر ہوتا ہے؟ کیا ایسا ہونا چاہیے؟ اور کیا آئندہ میری بیٹی جو مجھے شرمین جیسی لگتی ہے کیا اس کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ ہاں جب سے میں اعتراف کی چکی میں پسنے لگا ہوں جب سے تکلیف اور اذیت کی آری نے مجھے ادھیڑنا شروع کیا ہے مکافات عملی کا جہنم بھی مجھ پر کھول دیا گیا ہے میں شرمین علی کو یاد کرتا ہوں اور اپنی بیٹی کو دیکھ کر پوری جان سے لرز جاتا ہوں۔

شاہد علوی اپنا دل مجھ پر عیاں کر چکا تھا اور شرمین علی بمعہ اپنے اہل و عیال کے مجھے اپنے بڑے بھائی اور گھر کے فرد کا درجہ دے چکی تھی ان حالات میں جو میں کرنا چاہتا تھا وہ میرے لئے قطعاً مشکل نہ تھا۔

وجاہت علی صاحب جنہیں میں انکل کہتا تھا انتہائی شریف نیک ایماندار بلکہ درویش صفت شخص تھے شرمین علی انہی کا تو پرتو تھی تمام تر ذہانت

کے باوجود وہی فطری سادگی۔
انکل وجاہت علی گو کہ گورنمنٹ آفیسر تھے مگر بااصول اور ایماندار اسی لئے بڑا محدود حلقہ احباب تھا اور شرمین علی کی والدہ اکلوتی اولاد تھیں، انکل وجاہت کے والد وفات پا چکے تھے اور والدہ سوتیلی تھیں انکل کے دو بھائی اور ایک بہن انہی سوتیلی والدہ سے تھے جو نہ ہونے کے زمرے میں آتے تھے بالکل رسمی سی غمی خوشی پر ملنے والے بڑے محدود سے تعلقات تھے اور ان کے بچوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو شرمین کے جوڑ کا تھا اور وہ دل ہی دل میں اس کے رشتے کے لئے بڑے متفکر تھے اور کئی بار مجھے کہہ چکے تھے۔

''مکرم بیٹا دھیان میں رکھنا کوئی اچھا لڑکا تمہاری نظر میں ہو تو، اچھے شریف خاندانی لوگ ہوں تمہیں تو پتہ ہی ہے شرمین بیٹی بے شک بہت ذہین و لائق فائق ہے مگر فطرتاً بہت معصوم و سادہ ہے بلکہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف ذہن ہے اس کا تو کوئی ایسا لڑکا جو اس کو سمجھ سکے اسے عزت دے سکے، اس کے عزائم میں حائل نہ ہو سکے، اس بے وقوف لڑکی نے شادی کے لئے بس یہی اک شرط رکھی ہے کہ کوئی ایسا ساتھی میرے لئے ڈھونڈ لیے گا جو ساتھی بن سکے حاکم نہیں جو میرے مشن اور میرے کام میں میرا ہم سفر بن سکے۔''
میں نے بظاہر بڑی خوش دلی اور قدرے خوشامدانہ انداز سے کہا۔

''ظاہر ہے انکل آپ کی بیٹی ہے آپ جیسی ہی ستھری سوچ کی مالک ہوگی آپ بے فکر رہیں اپنی بہن کو میں کسی اچھے ہاتھوں میں ہی سونپوں گا۔'' لیکن میرے دل میں جو جوار بھاٹا سلگ رہا تھا وہ تو میں ہی جانتا تھا۔

شاہد علوی اپنا دل مجھ پر کھول چکا تھا اب میری باری تھی کہ میں اسے اپنے طور پر جانچنا شروع کروں میں نے بغور اس کا مطالعہ شروع کر دیا، اس کی ظاہری شخصیت خاندانی پس منظر اس کا باطنی مشاہدہ اور کچھ عرصے بعد وہ بالکل میرے سامنے یوں عیاں ہو چکا تھا جیسے آپ کا وجود ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ کے بعد ڈاکٹر پر عیاں ہو جاتا ہے، میں جو پورٹریٹ میں چہروں کے تاثرات کو پینٹ کرنے میں خاص صلاحیت رکھتا تھا اس کی وجہ بھی تھی شاید کہ میں لوگوں کو پڑھنے کو بھی خاص صلاحیت رکھتا تھا، میں اپنے اندازے کی درستگی پر اس وقت نازاں ہوا تھا اور آج شرمندہ ہوں از حد شرمندہ کہ میرے اندازے کتنے درست ثابت ہوئے۔

اور جب میں نے شاہد علوی کو اچھی طرح جانچ لیا پرکھ لیا تو میں نے بظاہر سرسری سے انداز میں اس کے سامنے تذکرہ کر دیا کہ انکل وجاہت شرمین کی شادی کے لئے کس قدر پریشان ہیں اور شاید یہ سن کر مٹی کے تیل میں بھیگی دیا سلائی کی طرح بھڑک اٹھا بلکہ بھڑکا اور پھر یوں جیسے ہوا کے جھونکے سے بجھ گیا۔

''یار کچھ کرو مر جاؤں گا میں اس کے بغیر آخر شادی تو اسے کرنی ہی ہے نہ تو پھر میں کیوں نہیں، کیا کمی ہے مجھ میں، تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔'' وہ اپنے سر کے بالوں کو نوچتا ہوا گویا ہوا۔

''تم کہو تو آج میں اس سے کھل کر بات کر لوں آخر میں کوئی گناہ تو کرنے نہیں جا رہا جو بھی ہے سامنے تو آئے آخر۔'' میں فوراً اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

''نہ نہ یہ غضب نہ کرنا، تمہیں اتنے عرصے میں اندازہ نہیں ہوا شرمین کا، وہ بڑی ٹیڑھی لڑکی ہے صاف انکار کر دے گی بلکہ بے عزت بھی کرے گی۔'' وہ یہ سن کر ڈھ سا گیا حقیقت تو یہی

تھی میں جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا وہ اسی ٹائپ کی مضبوط لڑکی تھی۔

''تو پھر کیا کیا جائے، تمہیں بتانے کا کیا فائدہ، تم مجھے یونہی بھکاتے رہو گے اور وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔'' وہ سلگتے ہوئے بولا۔

''اگر اتنی مضبوط اور اچھی ہے تو پھر تمہارے ساتھ کیوں گھومتی پھرتی ہے تم پر کیوں اتنا اعتبار کرتی ہے تم کون سا اس کے سگے بھائی ہو منہ بولا رشتہ بھی کوئی رشتہ ہے اور وہ......'' وہ ابھی نہ جانے کتنی خرافات بکتا کہ میں نے اسے سختی سے جالیا۔

''تم اگر ابھی سے یہ سب بکواس کر رہے ہو تو آگے جا کر کیا کرو گے ہوش میں تو ہو کہیں پی تو نہیں رکھی میں جو تمہاری ہر ممکن مدد کر رہا ہوں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کیسے تم اور شرمین ایک دوسرے کے ہو سکتے ہو کیسے تم اپنی محبت کو پا سکتے ہو، تم مجھی پر شک کر رہے ہو، اس سے بہتر ہے کہ میں تم سے یہیں جان چھڑا لوں، میں اپنی بہن کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔'' میں انتہائی طیش میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا، نتیجہ عین میری توقعات کے مطابق تھا وہ میرے پیروں پر گر پڑا۔

''یار معاف کر دے جانے کیا کچھ بھونک گیا میں، تو جانتا ہے میری حالت اس وقت کیا ہو رہی ہے، پیارے دیکھ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔'' وہ میرے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا مگر میں ہنوز غصے سے کھڑا رہا۔

''دیکھ یار تو کہے تو کان بھی پکڑ لوں چل پیارے چھوڑ دے غصہ، تو نے پیار نہیں کیا نہ کیا ہوتا تو جانتا کہ جان کیسے عذاب میں آ جاتی ہے۔''

مجھے نرم ہونا پڑا اور مجھے نرم ہونا ہی تھا، جو مجھے کرنا تھا وہ میں کر چکا تھا جو بیج میں نے بو دیا تھا اب تو اس کے پھوٹنے کا پھلنے پھولنے کا انتظار تھا۔

میں بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہد علوی دل ہی دل میں مجھ سے جلتا ہے یا وہ اس رشتے کو ناگواری اور بدگمانی کی عینک سے دیکھتا ہے، وہ مجھے صرف اس لئے برداشت کر رہا ہے کہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ شک کا بیج بھی اس کے دل میں، میں نے خود ہی بویا اور شاہد جیسے کمزور ذہن میں اس بیج کا بونا کون سا اتنا مشکل کام تھا، یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کر لیا میں نے، پہلے تو میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ میری خالہ زاد نہیں بلکہ منہ بولی بہن ہے یہ دھچکا ہی اس کے لئے کافی تھا وہ ہونق بنا میرا منہ دیکھتا گیا۔

''یہ بھی تیری منہ بولی بہن، تمہاری کتنی بہنیں ہیں۔''

تھی تو تلخ سچائی مگر مجھے ہضم کرنی ہی تھی اور اس دھماکے کے بعد اس کے دل میں شک کا بیج بونا کون سا مشکل کام تھا۔

اب اگلا مرحلہ قدرے مشکل تھا شاہد کا اپنے والدین کو راضی کرنا اور انکل وجاہت کو اس رشتے پر رضامند کرنا۔

اس مشکل مرحلے کو سوچ کر جانے کتنی ندامتیں گلے ملنے کو چلی آئی ہیں اور میں اپنے سامنے ہی شرمندہ کھڑا ہوں کیا کڑا حساب ہے۔

انکل وجاہت کو میں نے کس طرح اس رشتے کے لئے منایا یہ میں ہی جانتا ہوں وہ یوں بھی کافی سیدھے سادے اور شریف النفس انسان تھے، دنیاداری کے جھمیلوں سے آزاد، شاہد علوی ان سے بذات خود مل چکا تھا جب ایک دفعہ وہ کالج شرمین کو لینے آئے، وہ تو ان کو پسند ہی آیا تھا بظاہر مہذب سلجھا ہوا اور اسی فیلڈ سے وابستہ مگر انہیں تامل تھا تو اس بات پر کہ ذات برادری سے

بالکل پرے ایک انجانا خاندان اور پھر دیہاتی پس منظر، وہ برادری ازم کے بہت قائل تو نہیں تھے خاص طور پر ایسے حالات میں جب اس کا کوئی مناسب جوڑ بھی نہ تھا اور خاندان میں بھی کہیں کوئی گنجائش نہ تھی انہیں باہر ہی دیکھنا تھا مگر ان کی خواہش تھی کہ کوئی جانا پہچانا خاندان ہو لوگ بالکل اجنبی وانجانے نہ ہوں وہ کہا کرتے تھے۔

''ہم نہ تو خاندان و برادری کو بنیاد بنا کر کوئی زندگی تباہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی مکمل نفی کر سکتے ہیں کہ کسی خاندان میں پنپنے والے رسم و رواج ان کا رہن سہن اپنے اندر صدیوں کے تجربے لئے ہوتا ہے۔''

مگر میں نے کیا کیا نہ جتن کیے کس کس طرح سے انکل کو مطمئن کیا کچھ ایک دو خاندان سے مراسم نکالے جو شاہد علوی کو اور اس کے خاندان کو جانتے تھے غرض اک آگ کا دریا تھا جو میں نے پار کیا، شرمین نے یوں تو تمام اختیارات اپنے والدین کو تھما رکھے تھے مگر اس نے مجھ سے چپکے سے پوچھا ضرور۔

''مکرم بھائی آپ نے شاہد کو بتا دیا ہے نہ کہ میرے کیا عزائم ہیں کیا مقاصد ہیں مجھے کام کرنا ہے اپنی شناخت بنانی ہے، میرا پروفیشن ہی میرا پہلا عشق ہے آپ نے اسے بتایا ہے نہ میں اپنی تصویروں کے ذریعے عورت کے مسائل کو سامنے لانا چاہتی ہوں اور میری خواہش ہے کہ میں ایک لمبی فہرست......'' شرمین کے پاس اس موضوع پر بولنے کے لیے بہت کچھ تھا اس موضوع پر جب بات ہوتی تو وہ اس کا چہرا چمک اٹھتا اس کے عزائم کی اک طویل فہرست تھی اسے یہ بھی کرنا تھا اسے وہ بھی کرنا تھا، مگر...... میں نے بڑی متانت سے کہا۔

''یقین نہیں تو تمہاری بات کروا دوں بلکہ بہتر ہے کہ آمنے سامنے کر لو ابھی تو کلاسز کے سلسلے میں آنا جانا چل رہا ہے کسی بھی دن امتحانوں سے پہلے مناسب موقع دیکھ کر بات کر لو تمہاری تسلی ہو جائے گی پھر ہی میں اسے کہوں گا کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھیجے۔''

اور یوں ایک دن میں نے شرمین علی کو شاہد علوی کے سامنے بیٹھا دیا اور اس ملاقات کی باضابطہ طور پر میں نے انکل سے اجازت لی تھی۔

اور شاہد علوی جو اس کے عشق میں گوڈے گوڈے غرق ہو رہا تھا اور پورا ڈیپارٹمنٹ جانتا تھا اس نے شرمین کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا انداز سا جنگلی سلئے کہ اس ایک ملاقات میں اس نے اس سادہ سی لڑکی کو ملکہ بنا دیا اپنے دل کی سلطنت کی ملکہ، اس نے اپنی جان کی قسم کھا کر کہا کہ وہ جو چاہے کرے وہ تن من دھن سے اس کا ساتھ دے گا وہ شوہر نہیں اس کا ساتھی اور دوست بن کر رہے گا وہ اس کے اتنے ناز اٹھائے گا کہ وہ خود پر رشک کرے گی اور یہ کہ یہ اس کا بہت بڑا احسان ہو گا کہ وہ اس رشتے کو قبول کر لے گی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ بہت سے معاملات میں اس سے کمتر ہے دیہاتی پس منظر ان پڑھ اور جاہل سا خاندان مگر اس نے اسے بتایا کہ وہ اور اس کی سوچ ان سے قطعی مختلف ہے اور وہ خود ایک آرٹسٹ ہے ان تمام نزاکتوں سے آگاہ، وہ جب اس سے ملاقات کر کے اٹھی تو یوں لگتا تھا کہ ان خواہشوں رنگوں خوابوں کے غباروں کے ساتھ ہوا میں پرواز کرتی پھر رہی ہے زمین پر قدم تیرتے پھرتے تھے اور رخساروں پر دھنک اتری تھی وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی، کورا دل تھا اتنے خواب دکھانے پر بہل گیا تھا زندگی کی شاہراہ بڑی سیدھی اور شفاف لگنے لگی تھی اسے، بھلا اور کیا چاہیے تھا دیوانوں کی طرح

چاہنے والا شریک سفر اور من چاہا رستہ اور سید ھے سبھاؤ والدین کی رضامندی سے اس کا نصیب بننے جارہا تھا۔

وہ خوش تھی مطمئن تھی ہنسی کے فوارے لبوں سے خواہ مخواہ پھوٹ پڑتے اور یہی تو میں چاہتا تھا میں بھی مطمئن اور خوش تھا کہ خود پنچھی دام صیاد میں آرہا تھا اور یوں میں نے ابھی رسم ہونے سے پہلے ہی غیر محسوس طریقے سے یہ خبر پھیلا دی کہ شاہد علوی اور شرمین علی کی بات طے ہوگئی ہے۔

شرمین بڑی بری طرح سٹپٹائی انکل بھی بہت پریشان ہوئے، پریشان تو شاہد بھی تھا ابھی وہ اپنے خاندان کو منانے کی کوشش کررہا تھا جو اس کی شادی سے اس کے چچا کی بیٹی سے چاہتے تھے اور ماں کی خواہش تھی کہ اس کی شادی ماموں زاد سے ہوجائے اور یہ تیسرا محاذ اس کے لئے کھل گیا تھا، مگر وہ اس قدر پریشان نہیں تھا جتنا شرمین کا خاندان کہ وہ جانتا تھا شرمین کے گرد دائرہ جتنا تنگ ہوگا اتنی ہی آسانی سے وہ اس کی بن جائے گی مگر وجاہت انکل وہ ضرورت سے زیادہ پریشان تھے اور میں ضرورت سے زیادہ مسرور تھا میں نے تو دانہ پھینکا تھا بساط بچھائی تھی، تمام مہرے میری مرضی سے بڑھ کر چالیں چل رہے تھے۔

اور پھر وہی ہوا جو میں چاہتا تھا، شاہد علوی نے نہ جانے کیسے اور کیا کیا دھمکیاں دے کر اپنے گھر والوں کو راضی کیا مگر وہ ان کو لے آیا اور یہ تمام ان کے رویے سے ظاہر بھی ہورہا تھا، کہ وہ زبردستی لائے گئے ہیں، انکل اور آنٹی ان کے رویوں سے شرمندہ ہی ہوتے چلے گئے اور وہ لوگ اپنی تمامتر رعونت اور غرور کے ساتھ یہ کہہ کر چل دیئے کہ جب لڑکا اور لڑکی راضی ہیں تو گھر والے اور ان کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے۔

شرمین اس بار کو اٹھا نہ پائی اور ڈھ گئی یہ الزام اس کے وجود کو آری کی طرح کاٹ رہا تھا اور دوسری طرف چاہت کا پھینکا بیج دل کی سرزمین کو پھاڑ کر کسی سبز کونپل کی نشان دہی کررہا تھا، درد دونوں ہی منہ زور اور نوکیلے تھے جو اسے لہولہان کرگئے، شدید تناؤ نے اسے بیمار کر ڈالا حتیٰ کہ تیز بخار کی وجہ سے اسے ہسپتال داخل کروانا پڑا جب شاہد علوی کو یہ پتہ چلا کہ اس کی حالت دیوانوں سی ہوگئی، وہ جیسے مرغ بسمل کی مانند تڑپتا اس کے قدموں میں جا گرا، اس نے یہ بھی نہ لحاظ کیا کہ میں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔

کتنا عجیب سا لمحہ تھا وہ اب بھی آنکھوں کے سامنے بالکل تازہ پینٹ کیے ہوئے منظر کی طرح سامنے آ کھڑا ہوا ہے، وہ دونوں اس سے پہلے کبھی میرے سامنے مخاطب نہ ہوتے تھے، پہلی ملاقات کا تمام حال بھی شرمین کی زبانی ہی مجھے معلوم ہوا تھا اور آج شاہد علوی میرے سامنے بستر پر پڑی شرمین کے پیروں میں گرا اس کے پیروں کو پکڑے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

''معاف کردو مجھے، معاف کردو، اس محبت کے صدقے میں، خیرات کردو اپنا ساتھ، نہیں مر جاؤں گا تمہارے بغیر، بخش دو اپنا ساتھ مجھے، میرا وعدہ رہا میں تمہیں ہر سکھ دوں گا ہر حد تک جاؤں گا، میں تمہیں عزت دلاؤں گا تمہارے لبوں کی مسکان واپس لاؤں گا، تمہاری آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا جو تم چاہو گی کروں گا تم دن کو......''

وہ جانے کیا کچھ ہذیان بک رہا تھا اسے ہوش ہی نہ تھا اس لڑکی کی محبت میں وہ اپنی انا و خود داری بھلا بیٹھا تھا۔

میرا دل اک لمحے کو تو اس کی محبت کی بے اختیاری پر خوف سے سکڑ کر پھیلا، مجھے لگا کہ میرا رچایا ڈھونگ بس ختم ہونے کو ہے اور یہ کیا ہونے جا رہا ہے، ایک لمحے کو مجھے شرمین علی پر پھر سے بڑا حسد محسوس ہوا قسمت اس لڑکی پر کتنی مہربان تھی کوئی اس پر کس بری طرح سے فدا تھا اپنا آپ بھلا کر اس کی چاہت میں گم، میرا دل چاہا کہ کسی طرح میں اس کی چاہت شاہد علوی کے دل سے نوچ کر پھینک دوں، مگر یہ سچ ہے کہ اس کی شدت نے مجھے دم بخود اور قدرے خوفزدہ ضرور کر دیا تھا۔

اور ہسپتال میں بستر پر زرد سی پڑی شرمین کے چہرے پہ جانے کہاں سے گلاب سے کھل اٹھے، اس بے خودی پہ، وہ آنکھیں موندے لیٹی کسی مندر کی جھکی ہوئی حسین مورتی لگ رہی تھی اور پھر اس پتھر کی مورتی پہ پہلے گلاب کھلے اور پھر کنول آنکھوں سے قطرے ٹپکنے لگے اور تکیے میں جذب ہونے لگے گویا اس بات کی علامت تھی کہ پتھر میں جونک لگ گئی۔

وہ سچ مچ شاہد علوی سے متاثر ہو چکی تھی، اس کی محبت کی شدت سے اسے لگنے لگا تھا کہ وہ واقعی ایک مختلف مرد ثابت ہوگا، مگر وجاہت انکل اب اس شادی کے لئے کسی طرح بھی رضامند نہیں تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ شادی اس کے گلے کا پھندا بن جائے گی اتنے زیادہ ماحول کے تفاوت کے ساتھ زندگی جینا بہت مشکل ہوگا۔

شرمین کے لئے واپس مڑنا آسان نہ تھا دل پہلی بار کسی نئے ذائقے سے آشنا ہوا تھا مگر میں جانتا ہوں وہ لڑکی ایسی تھی کہ جو اپنی انا اور عزت کو پہلی محبت گردانتی ہیں اور اس محبت کی بھینٹ اپنی چاہت ہنسی خوشی کر دیتی ہیں، میں جانتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اندر ہی اندر مار لے گی مگر اپنی عزت کی قیمت پر محبت حاصل نہیں کرے گی مگر حالات کا دائرہ اس کے گرد تنگ ہو رہا تھا اور رسوائیاں اس کا مقدر بن گئی تھیں، شرمین اور شاہد علوی کا افیئر زبان زد عام تھا، وہ کچھ نہ کر کے بھی بدنام ہو گئی تھی۔

ان حالات میں اس کے پاس کوئی چارہ ہی نہ تھا اور پھر میں نے کہا نہ کہ ہونی کو ہو کر رہنا تھا اور ہونی یہی تھی کہ شرمین علی کو شاہد علوی کی زوجیت میں جانا تھا۔

ہاں یہی تو میرا منصوبہ مشن تھا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا میں نے شرمین علی کو اپنی ضد انا اور حسد کی بھینٹ چڑھا دیا ہاں میں تو اسے بھینٹ ہی کہوں گا۔

☆☆☆

میں مکرم عباس جس دن شرمین علی کو شاہد علوی کے سنگ قرآن کے سائے میں رخصت کر رہا تھا اس دن میرے چہرے پر جیت کے سرشاری کے اتنے انوکھے رنگ تھے کہ شرمین نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا یہ رنگ کسی بھی طرح ایک بھائی کے جذبات سے میل نہیں کھاتے تھے۔

وہ ٹھٹک ضرور گئی تھی مگر تبھی شاید کچھ بھی نہ تھی، ورنہ اپنے عزائم میں، میں کبھی کامیاب نہ ہو پاتا۔

پہلے چند ماہ تو آندھی و طوفان کی طرح ان دونوں کو اپنے ساتھ لئے اڑاتے پھرتے ایک دوسرے کی محبت میں سرشار ان دونوں کو ایک دوسرے کے سوائے کچھ نظر نہ آتا، شاہد اس جیسی طرحدار اور حسین بیوی پا کر جتنا بھی اتراتا کم تھا مگر سچ تو یہ ہے کہ شرمین بھی اس کے ساتھ بہت پرسکون اور خوش تھی، طمانیت سکون محبت چاہت اور اعتماد اس کے انگ انگ سے پھوٹا پڑتا اور وہ مسکان لئے کہتی۔

''سچ میں، میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ شاہد جیسا شوہر ملا وہ سچ میں میری بہت عزت کرتے ہیں بہت محبت اور عزت ملی ہے البتہ ان کے گھر والے، مگر مجھے امید ہے کہ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور اس کی اس خوش فہمی پر تقدیر اور میں دونوں ہنس رہے تھے لیکن بظاہر میں نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

''اچھا یہ شاہد ''الو'' اب یہ وہ بن گئے ہیں؟'' واقعی یہ القابات اسی کے لئے ہیں؟ اور وہ شرمیلی سی ہلکی ہنس دی۔

آج میں سوچتا ہوں اور عرق ندامت میں ڈوب ڈوب جاتا ہوں کہ میں نے کیا کیا اور میں تو شیطان کو بھی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

اور جب زندگی کے اڑتے گرد و غبار نے بیٹھنا شروع کیا اور زندگی کے معمولات اپنی ڈگر پر آنے لگے تو میں بھی اپنے محاذ پر ڈٹ گیا اور جو میں کانٹے بو رہا تھا اس کے نتائج بہت جلد سامنے نظر آنے لگ گئے۔

سب سے پہلا اور بڑا جھٹکا تو اسے تب لگا جب شرمین نے شاہد سے لیکچرر شپ کے لئے اجازت چاہی تو اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔

''امی ابو سے اجازت لو پہلے۔'' وہ حیران سی ہو کر اسے دیکھے گئی اور پھر بولی۔

''یہ تو ہمارے درمیان طے تھا شاہد اور آپ جانتے ہیں کہ امی کبھی اجازت نہیں دیں گی تو ایسی بات کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ اتنے ہی آرام اور سکون سے بولا۔

''تو تم کیوں ایسی بات کر رہی ہو جس کے متعلق جانتی ہو کہ اجازت کبھی نہیں مل سکتی۔'' وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ اور یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہو، بالکل ایسے جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہو۔'' وہ اس سے زیادہ غصے میں بولا۔

''اور تمہیں یہ تمیز کسی نے نہیں دی کہ شوہر سے بات کیسے کی جاتی ہے یہ تم تم کیا لگا رکھی ہے؟'' وہ اٹک سی گئی۔

''میں تو پہلے بھی......'' وہ مزید بھپر کر بولا۔

''پہلے کی بات اور تھی اب تم شادی شدہ عورت ہو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو گھر تو تم سے سنبھلتا نہیں اور کیا کرو گی نوکر چاکر ہیں اپنی زمینداری ہے عیش کرو۔'' وہ حیرت سے گنگ اس ''بالکل اجنبی مرد'' کو دیکھے گئی جو ہر وعدے سے منکر بالکل اس کی ذات کی نفی کر رہا تھا۔

اور جب مجھے پتہ چلا کہ ان کے درمیان کس بات پر ناراضگی چل رہی تھی تو میں نے شرمین کو ہی سمجھایا۔

''ابھی تو بالکل نئی منزل ہے تم حوصلے و صبر سے کام لو اس کو چڑاؤ مت آہستہ آہستہ قدم جماؤ اس کو ضد مت دلاؤ۔'' شرمین میرے سامنے بھپر ہی تو گئی۔

''کیا مطلب ہے چڑانے سے؟ ایک ایسی بات ایک ایسا مطالبہ جو شرط بنا کر نکاح کی شرطوں کی طرح مانا گیا، کیا وہ بھی بحث طلب اور مصلحت کی نذر کیا جا سکتا ہے؟'' میں نے اسے ٹالا۔

''اچھا نہ میں بات کروں گا تم مرد کی فطرت و نفسیات کو نہیں جانتی، تم اسے چڑا کر کام خراب کر لو گی۔'' وہ عجب یاسیت سے بولی۔

''شاید جانتی ہوں، اسی لئے بابا کے سامنے ایک واحد یہی شرط رکھی تھی مگر......'' اس کو افسردگی و یاسیت میں مبتلا دیکھ کر میرے دل کو بڑی کمینی خوشی محسوس ہوئی، پھر اسے پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیسے اس کے ہاتھ سے تمام پتے اپنے ہاتھ میں

لیتا چلا گیا، کیسے وہ ہر محاذ پہ ہارتی چلی گئی۔

شاہد جیسے جذباتی شکی، دیہاتی پس منظر کے تنگ ذہن مرد کو بھڑ کانا کون سا مشکل کام تھا، اس کے نزدیک عورت سے آخری حد تک اخلاص یہی تھا کہ آپ اس سے شادی کر لو گھر کی عزت بنا کر اچھا کھلاؤ پلاؤ مگر دل نے اندرونی طور پر وہ اس سے زیادہ آزادی یا اپنی صلاحیت کے بل بوتے کسی مقام بنانے کو محض ڈھکوسلہ اور اپنی عزت و انا کے خلاف سمجھتا تھا اس کے نزدیک عورت کو پیدا ہی بچے پالنے اور مرد کی خدمت کے لئے کیا گیا تھا شاید شرمین کی قربت و محبت اس کے خیالات میں کوئی سرنگ لگا بھی لیتی مگر یہ موقع میں نے آنے ہی نہیں دیا۔

میں نے اسے بہت اچھی طرح اور غیر محسوس طریقے سے یہ باور کرایا کہ شرمین جیسی اعلیٰ اور نفیس لڑکی تمہارے جاہل روایتی سے خاندان میں کبھی نہیں پنپ سکے گی اور جونہی وہ اس قابل ہوئی تمہیں چھوڑ کر اڑن چھو ہو جائے گی اور یہ وہ مقام تھا کہ وہ شاید شرمین کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا پسند کرتا، مگر اپنی عزت بنا کر اسے چھوڑنا اس کے لئے مر جانے کے مترادف تھا اور اسی نقطے کو میں نے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے شرمین کو کوئی ایک موقع بھی نہ دیا کہ وہ اپنی ذات کے اظہار کا کہ وہ اطمینان پا سکتی بات بہت زیادہ بحث اختیار کر لیتی تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتا، انہی روکھے پھیکے دنوں میں جب وہ جیسے جو کبھی لڑائی لڑ رہی تھی اپنی ذات و ہنر کی بقاء کی اک مکمل اجنبی ماحول میں بیر جمانے کی، اپنے اندر جلتے جوار بھاٹے سے اور خود اپنے اسی ''محافظ'' سے جس نے نکاح کی انمول شرطوں کے ساتھ اسے جیتا تھا، اسے یونہی لگتا کہ یہ تو بازی بس ہار اور جیت کی تھی جس میں اس کے حصے بس ہار ہی آتی تھی تو انہی روکھے پھیکے دنوں میں جب وقت کانٹا اس کے لئے عذاب بن جاتا شفا اس کی زندگی میں چلی آئی، شفا نے جہاں شرمین کو کچھ مضبوطی دی وہیں پیروں میں اک زنجیر بھی باندھ دی کہ وہ شاہد کے رویے سے اتنی مایوس تھی کہ بعض اوقات چھلک پڑتی۔

''مکرم بھائی مجھے نہیں لگتا کہ میں اس بندے کے ساتھ گزارا کر پاؤں گی میرا دل کرتا ہے کہ اس کو یہی سزا دوں کہ خود کو اس سے دور کر دوں مگر جب ایسا سوچتی ہوں نہ تو یوں لگتا ہے کہ کوئی مجھے کند چھری سے ذبح کر رہا ہے شاہد کے لئے شاید کھیل ہو ہار اور جیت کا مگر میں نے تو سچے دل سے اس کو اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔''

''شفا کے آنے پر شاہد نے اس کو یہ کھلونا دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ شفا کے کچھ بڑا ہونے پر وہ جو چاہے کر سکتی ہے اس نے پھر اسے خوش رنگ خواب دکھائے، بس کچھ عرصہ کی بات ہے بچے بڑے ہوں گے تو ان کی تعلیم کے بہانے ہم شہر شفٹ ہو جائیں گے پھر جو تمہاری مرضی آئے کرنا۔''

وہ عارضی طور پر بہل گئی اور جب وہ بہل جاتی تو اس کے رخساروں کے گلاب پھر کھل اٹھتے، امید و نا امیدی کے بیچ ڈولتی وہ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔

اور پھر شاہد اور شاید قدرت نے اسے کوئی موقع دیا ہی نہیں، شفا کے بعد اوپر تلے تین اور بچے آ کر اس کے پیروں میں مزید زنجیریں ڈال گئی، وہ اندر تک مایوس ہو چکی تھی، اتنے سالوں کی رفاقت نے جہاں اس کی گود میں چار بچے ڈالے تھے وہیں شاہد کو بھی اس پر کھول دیا تھا وہ

اسے اندر تک جان گئی تھی وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اپنی انا کو مارا ہوا ایک روایتی سا مرد ہے جو اسے کبھی اپنی شناخت کے لئے کچھ کرنے کا موقع نہیں دے گا کہ وہ اندر سے خوفزدہ ہے اور اس خوف کی جڑ بڑی گہری ہے وہ اس خوف کو کبھی اکھاڑ کر نہیں پھینک سکے گی۔

شاہد کو دیکھ کر وہ حیران ہوتی کہ واقعی یہ شخص کبھی فائن آرٹس جیسے مضمون کا طالب علم تھا لطیف تو اسے کبھی چھو کر بھی نہ گزری تھی، اس نے شادی کے بعد کبھی اس کے ہاتھ میں برش نہ دیکھا بلکہ اس کی تمام تر فرمائش و خواہش پر وہ کبھی بھی اسے آرٹس اور پینٹنگ کی نمائش پر بھی نہ لے کر جاتا، وہ دھواں دار عشق جانے کہاں اڑنچھو ہو گیا تھا۔

وہ تو مکمل طور پر ایک زمیندار اور دیہاتی روپ میں ڈھل گیا تھا جہاں اس کو شرمین کے منہ بولے بھائی کی موجودگی بھی کھٹکنے لگی تھی پہلے یہ ناگواری ڈھکی چھپی تھی اور اب جبکہ شرمین مکمل طور پر اس کے شکنجے میں جکڑی گئی تھی وہ جانتا تھا کہ اب اس کے پر کٹ چکے تھے تو یہ ناگواری بڑی واضح اور لبوں پر آ گئی تھی، اس حد تک آ گئی تھی کہ اس دن شرمین نے مجھے یاسیت و حسرت کی انتہا پر جا کر کہا تھا۔

''بھائی میں سوچتی ہوں آخر لوگ مر بھی تو جاتے ہیں نہ اور کوئی مر جائے اس سے بڑھ کر کیا ہوتا ہے، مر جائے تو صبر بھی تو کیا کرتے ہیں نہ، مجھے بھی یونہی لگ رہا ہے کہ میں اندر سے مر گئی ہوں، میرے ہر جذبے ہر لگن کو موت آ گئی ہے بس آپ صبر کرنا باقی ہے اور صبر بھی آ ہی جائے گا، شرمین علی تو کبھی کی مر گئی اب تو سامنے مسز شاہد علوی کے چار بچوں کی ماں کھڑی ہے جسے اپنے بچوں کو ایک ڈھال دینی ہے کہ کہیں وہ اس ماحول کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں۔''

وہ پل بھر کو رکی، میں نے اس کو غور سے دیکھا، آنکھوں کے نیچے حلقے، الجھے بال، شفاف رنگت مرجھا گئی تھی، وہ شرمین کا سایہ معلوم ہو رہی تھی، وہ واقعی اندر سے مر رہی تھی، شاہد کا عشق اگر اڑنچھو ہو گیا یا بھوت اتر گیا تھا تو کوئی ایسے اچنبھے کی بات بھی نہ تھی یہ اور بات کہ وہ اس کی اس حالت کا ذمہ دار تھا۔

وہ پھر بولی۔

''شاہد کو ہر وہ چیز بری لگتی ہے جو میری ذات کو کچھ سکھ اور تسکین دیتی ہے، برش کینوس اور آپ کے ساتھ دکھ سکھ کی بانٹ، سب کچھ چھوڑ دیا، اب آپ کو بھی چھوڑ دوں؟ وہ یہی کہتا ہے، وہ سب جو امی اور بھائی سے نہیں کہہ پاتی آپ سے کہہ دیتی ہوں کہ باپ کو تو کھو دیا، اب ماں کو کیسے دکھی کروں لیکن ٹھیک ہے۔'' وہ توقف کرتے بولی۔

''یوں تو یونہی سہی آخر لوگ مر بھی تو جایا کرتے ہیں بے آسرا بھی ہوتے ہیں، بالکل تہی داماں پھر بھی جیا کرتے ہیں اور پھر...... مر بھی جایا کرتے ہیں۔''

وہ عجب کیفیت میں بول رہی تھی بے ربط سی، آج سوچتا ہوں تو اس کی اذیت دل کو سکیڑ دیتی ہے مگر اس وقت تو میں اپنی پلاننگ بے داغ پلاننگ کی کامیابی پر نازاں تھا کہ جو میں نے چاہا آخر وہ پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کے دکھ کے متضاد میرے چہرے پر اک عجب چمک و خوشی آ گئی تھی وہ بول رہی تھی۔

''اس کے کہنے پر برش کینوس سے ناطہ توڑ لیا اب تو برش پکڑنا بھی بھول گیا ہو جیسے اور وہ آپ کے میرے رشتے کو بھی شک کی نظر سے دیکھتا ہے میں اندر سے مر رہی ہوں مر گئی ہوں،

میں......"

اچانک اس کی نظر میرے چہرے پر پڑی، یقیناً وہاں کچھ ایسا تھا کہ وہ ٹھٹک گئی گہری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی آخر اب وہ پہلے والی کمسن شرمین نہ تھی میرا چہرہ جانے کیوں فق ہو گیا اس کی اندر اترتی نظروں سے ہمیں ایک دو پل کو کچھ نہ بول پایا، وہ کچھ دیر کو مجھے یک ٹک دیکھتی رہی پھر جیسے تھک کر بولی۔

"آپ جایئے بھائی اور اب نہ آیئے گا بس کچھ نہیں۔"

میں وقتی طور پر پر ملال سا ہوا مگر پھر سے میری مسرت لوٹ آئی آخر میں کامیاب رہا تھا، میں نے شرمین کو مات دے دی تھی اور وہ کچھ بھی تو نہ جانتی تھی۔

☆☆☆

میرا رابطہ شرمین سے ٹوٹ گیا کبھی کبھار شاہد کے ساتھ فون پر بات ہو جاتی تھی، اسی سے پتہ چلا کہ شرمین کو نروس بریک ڈاؤن ہوا میں نے جانے کیوں اور کیسے ہسپتال اسے دیکھنے چلا گیا، وہ اتنی زرد کمزور اور ٹوٹی ہوئی نظر آ رہی تھی کہ میں زیادہ دیر اس کی ٹکٹکی باندھی نظروں کا سامنا نہیں کر پایا۔

اس کے بعد بہت میرا اور شاہد کا رابطہ بہت کم ہوا، نہ اس نے مجھ سے کوئی گلہ کیا اور نہ میں نے اس کے غلط رویے اور شرمین سے ناروا سلوک پر کوئی باز پرس کی، کرتے بھی کیسے ہم دونوں کے دلوں میں کھوٹ تھا، وہ تو خود دل میں ہزاروں بدگمانیاں میرے اور شرمین کے رشتے کو لے کر بیٹھا تھا اور میں کس منہ سے اس سے باز پرس کرتا میں نے کب اسے دل سے بہن سمجھا تھا میں تو خود اس تمام تر آگ کو سلگانے کا ذمہ دار تھا۔

پھر میری شادی ہو گئی، شادی پر میں نے ان دونوں کو نہیں بلایا، شاہد کو دیگر دوستوں سے پتہ چلا تو بطور خاص فون کر کے مجھ سے گلہ کیا۔

"ہاں بھئی شادی بہن کے بغیر ہی کر لی، یہی سب تو میں اسے سمجھاتا تھا مگر وہ نادان ہی رہی اور اب تو لگتا ہے کہ جیسے یہ فیصلہ ہم دونوں کے لئے ہی غلط تھا نہ وہ مجھ سے سمجھوتا کر سکی اور...... خیر تمہیں مبارک ہو، آنا اپنی بیگم کے ساتھ، بھابھی سے ہمیں بھی ملوا دیا پھر اپنی بیوی کو پردہ کرواؤ گے؟" اس کے لہجے میں کیا کچھ نہ تھا؟ دکھ، پچھتاوے، غصہ، رنج، تلخی اور طنز مگر میں یونہی دھیرے دھیرے سے کھسیانی سی ہنسی ہنستا اسے ٹالتا چلا گیا مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب میرا ضمیر گہری نیند سو رہا تھا۔

مکافات عمل کیا ہوتا ہے اور یہ جہنم آپ پر کیسے کھول دیا جاتا ہے، مجھے تب پتہ چلا جب عالیہ میری زندگی میں شامل ہوئی، وہ میری نسبت اچھی خاصی حسین عورت تھی اور میں نے اپنی تمام چاہت اس پر نچھاور کر ڈالی تھی مگر جانے کیوں پھر بھی کیوں وہ اس قدر شکی مزاج تھی اس کو جانے کیسے شرمین کے بارے میں پتہ چل گیا تھا بلکہ نہ صرف شرمین کے بارے میں بلکہ یہ بھی کہ میں لڑکیوں میں "مکرم بھائی" کے طور پر مشہور تھا اور کتنی لڑکیاں میری بہنیں تھیں۔

میرے دکھ کی انتہا نہ رہی جب میری بیوی نے مجھ سے کہا، میں مکرم عباس جس کا خواب تھا کہ وہ اک جنت نظیر گھر کی بنیاد رکھے گا کہ مجھے بڑا مان تھا کہ میں عورت کی نفسیات کو سمجھتا ہوں، اسے جب اس کی بیوی نے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ مرد جو عورت کو کسی اور شکنجے میں نہ پکڑ سکیں، بہن بنا لیتے ہیں، شرمین بھی تو غالباً آپ کی بہن تھی بڑے گہرے آپس کے تعلقات تھے

فیملی ریلیشنز، آخر پھر ایسا کیا ہوا کہ وہ آپ کی شادی پر نہیں آئی یا آپ نے نہیں بلایا۔''

اور یہ ان دیکھی تحقیقات کا اک جہنم تھا جس کا دروازہ کھلا تھا وہی گڑھا جو میں نے شرمین کے لئے کھودا تھا ان سوالوں کے جوابات مجھے اندر سے کھا رہے تھے مگر مجھے ان کو دینا تھا۔

میں اندر ہی اندر ٹوٹنے لگا اکثر ضمیر مجھے چھوٹی سی چٹکی بھرتا مگر میں پھر نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا، میری شکست وریخت کے دنوں میں میرے گھر بیٹی نے جنم لیا، جانے کیوں وہ جوں جوں بڑی ہو رہی تھی مجھے شرمین کا عکس لگتی اور میں اندر ہی اندر کانپ جاتا مگر انسان بڑا ڈھیٹ ہے جب تک مکمل شکست نہ ہو ہار نہیں مانتا، اندر ہی اندر میں مطمئن تھا کہ میں نے جو بھی کیا اپنی بقاء کے لئے کیا آخر آج میں ایک مایہ ناز آرٹسٹ ہوں اندرون ملک میری دھوم ہے میرا کام بڑی بڑی آرٹ گیلریوں کی زینت ہے۔

انہی دنوں میں قدرت نے مجھے چت کرنے کا مکمل انتظام کر دیا، یہ ایک ملک گیر تقابلی نمائش تھی جس میں آرٹسٹوں کو ایک تھیم پر اپنا کام پیش کرنا تھا اور اس پر پہلے دوسرے تیسرے انعامات تھے، تھیم کا عنوان تھا ''چہرہ'' مجھے قوی امید تھی کہ پورٹریٹ میں میرا کوئی ثانی نہیں یہ انعام میں ہی جیتوں گا۔

نمائش کے روز میری پینٹنگ کو بہت پذیرائی مل رہی تھی میں نے چہرے کو انسانی ظاہر و باطن کا رخ دے کر پینٹنگز کی سیریز بنائی تھی، تا یک بڑا اچھوتا تھا میرے چہرے پر فخر وانبساط تھا۔

حیرت کا جھٹکا مجھے اس وقت لگا جب گیلری کے بالکل کونے پر قدرے غیر اہم سے کونے پر کافی رش دیکھا تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے آگے ہو کر دیکھا تو حیرتیں آئینہ تھامے میری منتظر تھیں۔

وہاں شرمین کھڑی تھی، مجھے لگا کہ یہ شرمین کا سایہ ہے بھلا یہ کھچڑی سے بالوں والی عورت چہرے پہ بوسیدگی اوڑھے کہاں شرمین ہو سکتی؟ مگر بلاشبہ وہ شرمین ہی تھی، شاید شاہد نے اس کی حالت کے مدنظر اب اسے اجازت دے دی تھی یا پھر اب وہ خطرے کی گھنٹی سے آزاد ہو گئی تھی، جو بھی تھا وہ مجسم حقیقت میرے سامنے تھی، دوسرا حیرت کا جھٹکا یہ تھا کہ وہ میرے گرد لگا سارا رش کھینچ کے لے گئی تھی، یہ اذیت وحیرت پہلے سے بڑھ کر تھی جب چہ مگوئیوں میں، میں نے سنا۔

''یہ غیر معروف اور نیا نام ہے مگر کام انتہائی پختہ ہے اور کیا لاجواب سوچ ہے چہرہ گویا بول رہا ہے ایک ہی شخص کے مختلف سات چہرے واہ کیا بات ہے۔''

لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے زیادہ تر لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ تصاویر پہلا انعام جیتیں گی، جب اذیت، تکلیف اور حیرت حد سے سوا ہو گئی تو میں غصے سے آگے بڑھا کہ آخر دیکھوں تو سہی ایسا بھی کیا اس نے پینٹ کر دیا تھا، میں غصے وحقارت میں کھولتا آگے بڑھا وہاں اک اور آئینہ حیرت مجھے منجمد کرنے کو کافی تھا۔

ہاں آئینہ ہی تو تھا میرے سامنے، بھلا کیسے نہ میں خود کو شناخت کرتا، مجھے وقت پندرہ سال پیچھے لے گیا جب میں اور شرمین کلاس میں بیٹھے اپنے اپنے ایزل پر کام کر رہے تھے، شرمین نے ہنستے ہنستے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے بورڈ پر ایک بوڑھا پینٹ کر دیا کمال کا پورٹریٹ تھا اور میری طرف شرارت سے مسکرائی۔

''بھائی پہنچانیں اسے۔'' میں نے

لاپرواہی سے کہا۔

"کون ہے یہ؟" وہ پھر بولی شرارتی لہجہ لئے ہوئے۔

"ذرا غور کریں نہ، ارے یہ آپ ہیں جب آپ بوڑھے ضعیف ہو جائیں گے نہ تو بالکل ایسے ہوں گے۔"

میں چونک گیا اور گہری بغور نظروں سے تصویر کو دیکھنے لگا۔

"واقعی یہ تو میں تھا، میں شرمین کے سچے کھرے مشاہدے پر حیران رہ گیا اس نے میرے چہرے پر کیسے میرا بڑھاپا ڈھونڈ لیا تھا۔"

اور آج میں گویا خود کو دیکھ رہا تھا، میرا چہرہ ہاں میرے بڑھاپے کا چہرہ میرے آنے والے دنوں کا چہرہ میرے سامنے دھرا تھا، آئینہ جیسے سات ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا، میرا چہرہ اگلے بیس برس بعد کیسا ہوگا؟ یہ کسی اور نے نہ پہچانا ہو مگر شرمین اور میں تو اس بھید سے آگاہ تھے۔

ساتوں رنگوں اور کیفیتوں میں بٹا میرا چہرہ میرے آنے والے دنوں کا چہرہ جو وقت کی ساری گرد آلودگی اور تھکن سمیٹ کر بوڑھا ہو گیا تھا، مگر میں جانتا تھا پہچانتا تھا، پہچان گیا تھا کہ یہ آلودگی و غلاظت تو ہمیشہ سے میری ذات کا حصہ تھی، اک چہرہ خباثت آمیز مسکراہٹ لئے ہوا اک گھاک کسی دلال کا، اک چہرے پہ باطن کا ساری آلودگی و سیاہی، تیسرا چہرہ کسی اندرونی تکلیف کو شکنوں سے اٹا اور چوتھا چہرہ کسی شاطر و عیار جو بساط بچھائے بیٹھا ہو۔

میں جو ابھی ان تصاویر میں اپنے وجود کے تڑخے ہوئے ٹکڑے ڈھونڈ رہا تھا ان میں غرق اور گم تھا۔

مجھے پتہ چلا کہ اس کی تصاویر اور تھیم نے پہلا انعام جیت لیا تھا اک سچا آرٹسٹ جیت گیا تھا اس ملک میں جہاں کوئی چھوٹی سی فائل بھی سفارش و رشوت کے بغیر آگے نہیں جاتی وہاں حقدار کو حق کا ملنا مجھ پہ مکافات عمل کا جہنم کھولتا تھا کہ ہر غلیظ کوشش اور سازش سے اوپر اک طاقت ہے جو ہر تدبیر و سازش کو ناکام کرنے پر قادر۔

ان تصاویر یا میرے وجود کے ٹکڑوں میں آخری اور میرا ساتواں چہرہ، ساتواں ٹکڑا جیسے آئینہ تھا اس آئینے میں نہ صرف میری آج کل اور آنے والے برسوں کی تمام کیفیات رقم تھیں بلکہ جانے کیوں بار بار یہ ساتواں چہرہ میری بیٹی کا چہرہ بنتا تھا، جانے کیوں؟

☆☆☆

نایاب جیلانی

سولہویں قسط کا خلاصہ

کالج میں نومی کا ٹکراؤ شانزے سے ہوتا ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔
نیل بر کی بنگلے پہ جانے کی خبر ہٹو محل کی دیواروں کو ہلا دیتی ہے، نیل بر کا اعتراف محبت صندیر خان کو سنگین فیصلے کی انتہا پہ لے جاتا ہے۔
صندیر خان، سردار ہٹو کو وارننگ دیتا ہے، بیٹی کو سمجھا لو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔
نشرہ ولید کی ''فرمائش'' اور ''بدلاؤ'' پہ تشویش کا شکار ہے۔
اسامہ، ہیام کی امانت لے کر اس کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں اس کا بے حد اچھا استقبال ہوتا ہے، اُدھر عشیہ کو دیکھ کر اسامہ کے من کی مراد بر آتی ہے۔
نیل بر، حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے پہ امام فریدے سے ملنے کو جاتی ہے، امام فریدے، نیل بر کو دیکھ کر برہمی کا اظہار کرتا ہے، لیکن جب اس کی نگاہ حمت پہ پڑتی ہے تو اس کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔
ہیام کو اپنے گھر پیسے بہت ارجنٹ بھجوانے ہیں، سسٹر بیہ کے مشورے پہ وہ اسامہ کی خدمات حاصل کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

قسط

نوی کا اس اداسیوں کے شہر میں دل لگ گیا تھا۔
امی بلاوجہ ہی اداس ہو کر اسے بار بار فون پر بلاوے بھیجتی تھیں، نوی کا فی الحال لاہور جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔
ان دنوں اس میں ایسی تبدیلی آئی تھی کہ خواہ مخواہ کی ''آوارہ گردیوں'' سے بھی دور دور تھا اور خلاف توقع دل لگا کر ہر ٹیسٹ کی تیاری میں مگن رہتا تھا، جس کے پیچھے بڑی ٹھوس وجوہات تھیں۔
اگر زیادہ گہرائی میں دیکھا جاتا تو اسے اپنی کلاس فیلو رومی سے بڑی چڑ تھی، کیونکہ رومی شانزے کی فیورٹ اسٹوڈنٹ تھی، بہت لائق اور حاضر جواب تھی، اب رومی کے نمبر شانزے کی گڈ بک سے کم کرنے کے لئے نوی صاحب دن رات رٹے لگا لگا کر پڑھ رہے تھے، تاکہ رومی کو ہرا کر وہ شانزے کی نگاہ میں اپنا مقام بحال کر سکے۔
گو کہ نوی نے کبھی رومی کو جتایا نہیں تھا، لیکن اندر ہی اندر وہ رومی کو اپنا حریف سمجھتا تھا، بلکہ ہر ایک اس کا حریف اس نسبت سے تھا جسے شانزے کی پسندیدگی کا حصار میسر تھا، جانے کیوں یہ جلن اس کے حصے میں آئی تھی، اس کے محسوسات اور جذبات میں یہ کیسا طلاطم تھا جو ابھی تک عقل سے باہر تھا اور ادھر اسامہ کی ایک ہی دھمکی اسے چین لینے نہیں دیتی تھی۔
''مجھے تمہارا رزلٹ سو فیصد چاہیے۔''
حد تھی بھلا تو تعایت کی، بیس پرسینٹ نہیں، پچاس نہیں، اکٹھے سو فیصد، مرتا کیا نہ کرتا، اسے اسامہ کی بات ماننا ہی تھی ورنہ دوسری صورت میں واپس لاہور بھجوا دیا جاتا، جو کہ ممکن ہی نہیں تھا، اب تو بالکل بھی نہیں، اسے یہیں رہنا تھا، اسی نگر میں، اسی شہر میں، شانزے کے آس پاس کل جس کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں، آج وہ از خود اس کی نیندیں اڑا چکی تھی، اس حال میں کہ قاتل کو خبر ہی نہیں تھی، وہ کسے قتل کر رہا ہے اور قتل ہونے والا بڑے شوق کے ساتھ نگاہوں کے اثر سے قتل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

فرح کی کال نے ایک دم ہی احسان منزل والوں کو گھما ڈالا تھا۔
وہ پاکستان آ رہی تھی، اس کا پاکستان آنا کچھ اچنبھے کی بات نہیں تھی، لیکن اتنی جلدی چکر لگانا کچھ حیران کن تھا، اوپر نیچے والوں کو بلا کا تجسس تھا، فرح کیا ولید کی شادی کرنے آ رہی تھی، لیکن شادی کے ارادے تو نہیں لگ رہے تھے، تاہم جب وہ آ گئی تو اچانک ہی ایک دھماکہ ہو گیا، فرح نے حقیقتاً شادی کی تاریخ رکھ دی تھی۔
ادھر تائی پریشان تھیں کہ سب انتظام کیسے ہوں گے، جہیز نہ بھی دیا تو کیش دینا پڑے گا، شادی پہ خرچہ بھی ٹھیک ٹھاک ہوگا، ولید اکلوتا تھا، فرح کے ارمان بھی اس حوالے سے بہت تھے، تائی تایا متفکر تھے اور فرح کچھ بے نیاز اور پر اسرار بھی، اسامہ دیا مرتھا، اس نے سنا تو چیخ ہی اٹھا۔
''پھپھو کو جلدی کیا ہے؟ ہتھیلی پہ سرسوں کیوں جما رہی ہیں؟ پہلے تو پروگرام نہیں تھا، اب اچانک کیا ہوا؟ ہم تو شادی کی پوزیشن میں نہیں ہیں ابھی۔'' وہ بگڑ رہا تھا اور تائی پہلے سے بھری

بیٹھی تھیں، پھٹ ہی پڑیں۔
"تو اور کیا، نہ صلاح کی نہ مشورہ کیا اور جہاز پر بیٹھ کے آ گئی حد ہے، ہماری کوئی تیاری ہی نہیں۔"
"شادیاں یوں تھوڑی ہوتی ہیں، اتنے انتظامات کرنے پڑتے ہیں، سو طرح کے خرچے ہوتے ہیں۔" تائی کو خرچوں کا ہی رونا تھا، اسامہ خود بڑا پریشان تھا، ڈیڑھ گھنٹہ سر کھپاتا رہا، پھر ہتھیار پھینک دیئے۔
"تو پھر آپ تیاری شروع کریں، آخر شادی تو کرنا ہی ہے۔" اسامہ کے کہنے پر تائی جز بز ہو گئی تھیں۔
"تم اسے سمجھاؤ، چھ سات ماہ تو انتظار کرے۔"
"رہنے دیں، چھ ماہ بعد بھی تو کرنی ہے۔" اسامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا، یعنی وہ اپنا مائنڈ میک اپ کر چکا تھا، تائی کو کوئی جواز نہیں مل رہا تھا، جسے ڈھال بنا کر شادی کو لیٹ کر دیتیں۔
"تم کب آ ؤ گے؟ تمہارے بغیر تو کچھ نہیں ہو گا، وہاں ڈاکٹر کی بہن کے فنکشنز نمٹاتے پھر رہے ہو، اپنی بہن کا بھی تم نے ہی کرنا ہے۔" انہوں نے لگے ہاتھوں اسامہ کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا تھا، ساتھ یہ بھی جتا دیا تھا کہ سب کچھ تمہی نے کرنا ہے۔
"مجھے خبر ہے سب کچھ میں نے کرنا ہے، لیکن کچھ تو تکلیف آپ کو بھی کرنا پڑے گی۔" اسامہ بھی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا۔
"وہ کیا؟" وہ تھوڑی جز بز ہوئی تھیں۔
"ظاہر سی بات ہے، پھپھو جہیز تو نہیں لیں گی، نہ فرنیچر کا ٹرک بھروا کر دوبئی منگوائیں گی اور ہم نے نشرہ کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرنا، کپڑا لتا زیور گہنا تو ہو گا اور ساتھ کیش کا بندوبست بھی رکھیں۔" اسامہ نے تائی کی آنکھیں کھول دی تھیں، ان کو بڑا گہرا دھچکا لگا تھا، لمحہ بھر کے لئے تو وہ بھونچکی رہ گئی تھیں۔
"اسامہ!" انہوں نے گہرے صدمے سے نکل کر پکارا۔
"دیکھو بیٹا! ہم میں کیش دینے کی تو طاقت نہیں، تم خود سوچو، تمہارے باپ کی تو ایسی آمدنی نہیں اور چچا تمہارا ہاتھ اٹھا لے گا، ہم کہاں سے کریں گے؟" تائی نے معاً انداز بدل کر ازلی کنجوسی کا رونا رویا تو اسامہ بھی بگڑ گیا۔
"عینی کا بھی تو کر ہی لیا تھا۔"
"وہ تو میرے میکے والوں کا تمہیں پتا ہے، انہی کی مدد سے۔" تائی نے کمال مہارت سے بات سنبھالی تو اسامہ نے خاصی ناگواری کا مظاہرہ کیا تھا۔
"بس کریں امی! جھوٹی تعریفیں مت کیا کریں اپنے میکے والوں کی، میں انہیں جانتا نہیں ہوں، جگہ جگہ سے قرض اٹھا کر گزارہ کرتے ہیں، باتیں آپ ایسی کرتی ہیں جیسے وہ کہیں کے لارڈ ہوں۔"
"اب میرا منہ نہ کھلواؤ اسامہ۔" تائی شدید برا مان گئی تھیں۔

"تو منہ آپ کا بند ہی کہاں ہے امی۔" اسامہ کو اچنبھا ہوا۔

"اچھا کوئی خاص ٹرک ہوگا آپ کے پاس، بند منہ سے گفتگو کرنے کا، مجھے بھی بتا دیں، میں بھی ٹرائی کروں گا۔" اچھا بھلا سنجیدہ اسامہ اپنے مزاج اور جون میں لوٹ آیا تھا، وہی تائی کو زچ کرنے والے انداز، جس سے وہ بہت چڑتی تھیں۔

"کام کی بات کرلو، اسامہ!" انہوں نے زچ ہوکر کہا تھا۔

"اچھا تو یہ کام کی بات نہیں تھی؟" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا، تائی کا دل چاہا اپنا سر ہی پیٹ لیں۔

"تم کب آرہے ہو؟"

"آپ اتنے پیار سے بلائیں گی تو ابھی آجاؤں گا۔" اس نے بڑے دلار سے کہا تھا۔

"تو آجاؤ، میں تو بڑی اداس تھی۔" انہوں نے لہجے میں رقت بھر لی تھی، اسامہ کو غش آتے آتے رہ گیا تھا۔

"کیا خرچہ ختم ہے امی؟" اسامہ نے گہرے لہجے میں استفسار کیا۔

"کیوں تم نے کیوں پوچھا؟" وہ تھوڑا گڑبڑا گئی تھیں۔

"ایسے ہی۔" اسامہ مسکرایا۔

"آپ تب ہی مجھ غریب سے اداس ہوتی ہیں جب خرچہ ٹک مکا جاتا ہے۔" اسامہ بھی ازل کا کمینہ تھا، تائی کا خون کھول اٹھا، اس کی کمینگی پہ تاؤ کھا کر رہ گئی تھیں، بدتمیز بال کی کھال اتار دیتا تھا۔

"میں اپنے بیٹے کو ایسے نہیں یاد کرسکتی۔" انہوں نے تھوڑا مسکا لگایا تھا، آخر اس کی سوتیلی ماں تھیں۔

"رہنے دیں امی! مجھے خواہ مخواہ ہارٹ اٹیک ہو جائے گا جیسے میں آپ کو جانتا نہیں، بغیر مطلب کے تو آپ نے کبھی اپنی امی کو بھی یاد نہیں کیا۔" اس کا انداز صاف تپانے والا تھا، تائی تو ناک تک بھر آئی تھیں۔

"بہت ہی کمینے ہو تم۔" آخر میں انہوں نے یہی تپ کر جواب دینا تھا۔

"وہ تو میں ہوں۔" اس نے تسلیم کرلیا تھا۔

"پھر آجاؤ کمینے! نشرہ کی شادی کے انتظامات تمہی کو کرنے ہیں۔" انہوں نے جتا کر کہا تھا۔

"میں ہیام کے ساتھ آجاؤں گا۔" اسامہ نے انہیں تسلی دی تھی، اب وہ تھوڑا سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"اس کی بہن کی شادی ہوگئی کیا؟" تائی کو تھوڑا تجسس ہوا تھا۔

"ماشاءاللہ سے۔" اسامہ نے دل سے کہا تھا۔

"کتنی بہنیں ہیں اس کی؟" وہی ازلی ٹوہ لینے والی عادت۔

"چار۔" اسامہ نے بھی بتا دیا، پھر آگے ان کے مزید سوال کرنے سے پہلے ہی بولا، جیسے ان کا ارادہ بھانپ چکا ہو۔

''چار بہنیں ہیں اس کی، چاروں بڑی ہیں، وہ آخری نمبر پہ ہے، دو کی شادی ہو چکی ہے، ایک کی چھ ماہ تک کر دے گا۔''

''اچھا......اچھا...... میں نے اتنی بھی تفصیل نہیں پوچھی۔'' انہوں نے جھنجھلا کر فون بند کر دیا تھا جبکہ اسامہ دیر تک اکیلا بیٹھا ہنستا رہا۔

☆☆☆

وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔

اور اپنے پورشن کی طرف آنے کی بجائے سیدھا شانزے کی طرف آ گئی تھی، آج شانزے کا آف تھا، وہ گھر میں تھی اور چھٹی کو انجوائے کر رہی تھی، کومے کو آندھی وطوفان کی طرح آتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''خیریت تو ہے؟ ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہو۔''

''خیریت نہیں ہے۔'' وہ بوکھلائی سی شانزے کے قریب بیٹھ گئی تھی، پھر اس نے شانزے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقام دل پہ رکھا تھا۔

''ذرا محسوس کرو، ہارٹ بیٹ اتنی تیز کیوں ہے؟'' اس کے انداز میں پہلے سا جوش و جذبہ موجود تھا، شانزے نے مشکوک نگاہوں سے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''محترمہ! میں ہارٹ اسپیشلسٹ نہیں ہوں۔'' اس کے جواب نے کومے کا جوش تھوڑا ماند کیا۔

''میں نے کب کہا، تم جیسی نالائق ڈاکٹر ہو بھی نہیں سکتی۔'' اس نے ناک بھوں چڑھالی تھی۔

''اچھا...... بتاؤ یہ لال ٹماٹر سی شکل کیوں بنا لی ہے؟'' شانزے نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

''بہت ہی غیر شاعرانہ قسم کی عورت ہو تم، یہ بھی تو کہہ سکتی ہو، ایسی گلاب سی کیوں دکھائی دے رہی ہو؟'' کومے نے اسے بری طرح سے جھڑکا تھا۔

''او...... ہو۔'' شانزے اب کہ معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔

''تو یہ بات تھی۔'' وہ اسے چھیڑنے لگی۔

''کیا وہ آئس مین پھر دکھائی دے گیا؟'' اب وہ تسلی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں...... نا...... وہ آیا تھا، گو کہ پہلے جیسا نہیں تھا۔'' وہ بتاتے بتاتے تھوڑا رکی۔

''پہلے جیسا نہیں تھا؟ مطلب بدل گیا؟'' شانزے چونکی۔

''نہیں یار۔'' کومے جھنجھلائی۔

''جب وہ اینول ڈنر پہ لاسٹ ٹائم آیا تھا، تو بہت اچھے طریقے سے ملا تھا، اس نے اسپیچ بھی کی تھی، اسٹوڈنٹس سے بات چیت بھی اور مجھ سے تو بہت خاص طریقے سے، لیکن اب وہ محض فارمیلٹی پوری کرنے آیا تھا، کچھ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔'' کومے نے افسردگی سے بتایا تھا۔

''کیا پتا، کوئی پرابلم ہو۔'' شانزے نے سنجیدگی سے کہا تھا، پھر اس کا موڈ بدلنے کے لئے بولی۔

"تمہارے کالج والوں کو تو بس وہی چیف گیسٹ ملتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں بلاتے۔"

"وہ کالج کو اتنی تگڑی اماؤنٹ دے کر جاتا ہے، بہت دولت والا بندہ ہے۔" کومے نے اسے گھورتے ہوئے بتایا تھا۔

"میں نے کب کہا، کسی اسکول کا چپڑاسی ہے۔" شانزے اسے تنگ کر رہی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کالج میں ایک دو سال سے مسلسل انوائٹ کیے جانے والے چیف گیسٹ کے لئے کومے کے اندر بڑے نرم گرم جذبات پنپ رہے ہیں۔

"ویسے بندہ کمال کا ہے۔" اب وہ کومے کا موبائل دیکھ رہی تھی، جس میں فنکشن کے حوالے سے تصویریں محفوظ تھیں، شانزے بہت متاثر نظر آئی تھی۔

"موصوف خاصے مغرور لگتے ہیں۔" اس نے تبصرے سے نوازا تھا۔

"خاصے نہیں، بہت مغرور۔" کومے نے مسکرا کر بتایا تھا۔

"ایسی اکڑ والا بندہ ہمارے ساتھ کیسے چلے گا کومے؟" شانزے نے کچھ دیر بعد بڑی سنجیدگی سے کہا تھا وہ اس کے جذبات کے تناظر میں کہہ رہی تھی۔

"کیا پتا، وہ بدل جائے۔" اس نے بڑی معصومیت سے خود کو تسلی دی تھی۔

"ممکن تو نہیں لگتا۔" شانزے اپنے تجربے کی روشنی میں اسے سمجھا رہی تھی۔

"لیکن میرے ساتھ وہ ایسا نہیں ہے۔" اس نے شدت سے نفی کی۔

"نہ کال پہ نہ ملاقات میں۔"

"ملاقات؟" شانزے پوری جان سے چونک گئی تھی۔

"اوف..... وہیں کالج میں نا، مجھ سے تو بہت اچھے طریقے سے بات کرتا ہے۔" کومے نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔

"پتا نہیں کومے! مجھے کیوں ڈر لگتا ہے۔" شانزے کا انداز عجیب تھا، کومے کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

"اب تم مجھے ڈراؤ نا۔"

"میرا مقصد یہ نہیں، بس وہ عجیب سا بندہ ہے، سرد اور برف سا، وہ ہم سے بہت مختلف ہے؟" شانزے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، اسے کس طرح سے سمجھائے، یا روکے یا پھر اس راہ پہ چلنے سے منع کرے۔

"مختلف تو ہے، تبھی تو اچھا لگتا ہے۔" کومے ایک نئے جہان کی آباد کاری میں مگن تھی، وہ ایسی نزاکتوں سے پرے تھی، وہ اس راہ کی تلخیوں سے دور تھی۔

"اچھا بتاؤ نا، موصوف کا نام کیا ہے؟" شانزے نے بات کو بدل دیا۔

"بتایا تو تھا، پھر بھول گیا۔" کومے تھوڑا خفا ہو گئی۔

"اتنا مشکل نام ہے، بھول تو جائے گا۔" شانزے نے اپنا کان کھجایا تھا۔

"اب نہ بھولنا، پھر بتاؤں گی نہیں، وہ صندیر خان ہے۔" کومے ایک جذب کے ساتھ کہہ

رہی تھی، جبکہ اندر آتی پلوشہ کے سر پہ جیسے پہاڑ آن گرا تھا، وہ کسی پتھر کی طرح ساکت اور بے جان ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

بہن کو رخصت کرنے کے بعد ایک فطری سی خاموشی اور اداسی تو تھی جس کے حصار میں ہیام نظر آ رہا تھا، لیکن اس اداسی کے پیچھے ہلکی سی پریشانی بھی دکھائی دیتی تھی، ایک ان دیکھا سا اضطراب تھا جو ہیام سے چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔

رات کی تاریکی میں چٹانوں کے کہیں اوپر سے جہاں ایک خلا تھا، پتھروں اور پانی کا ایک ملا جلا سیلاب رواں تو دوں کی صورت میں سڑک پر بہتا چلا جا رہا تھا اور اس کا شور تھا، سڑک کے دونوں طرف چند ٹرک اور جیپیں بھی تھیں۔

سڑک پر سے پتھروں کا ایک سیلاب نیچے کہیں کھائی میں گر رہا تھا اور اس شور میں ہیام کا اضطراب کہیں واضح نہیں تھا پھر بھی محسوس ہوتا تھا، اس نے سیب کی گہری ہوتی شاخوں سے نگاہ ہٹا کر ریلنگ سے نیچے جھکے ہیام کی طرف دیکھا تھا، وہ اب بھی مضطرب نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پہ سوچوں کا ایک تکلیف دہ جال تنا ہوا تھا۔

ہیام کو آخر کیا پریشانی تھی؟ ایک اچھا دوست ہونے کے ناطے اسامہ کا تجسس فطری تھا، جب اس سے برداشت نہ ہوسکا تو وہ مہمان خانے سے نکل کر ہیام کے قریب آ گیا، بالکونی کے اندر، ریلنگ کے پاس، جہاں ہیام اب بھی گم صم سا کھڑا تھا اور اس بارہ دری کو دیکھ رہا تھا، جو شاید بہت دور تھی، بیال کے اندر، سردار بٹو کے محل میں، یا وہ ان بالکونیوں پہ نگاہ جمائے کھڑا تھا، جو پرانے پولو گراؤنڈ سے جھانکتی تھیں، سفید محرابوں والی اونچی عمارت، جس کی بالکونی میں کبھی وہ کھڑا ہوتا تھا، خوبصورت آنکھوں والا فرخزاد۔

ہیام کی آنکھوں میں دھند پھیلنے لگی، معاً کسی کے نرم ہاتھ کا لمس اسے چونکا گیا تھا، ہیام نے گردن گھما کر دیکھا، اس کے قریب اسامہ کھڑا تھا، ہیام نے نظر چرا سی لی تھی، شاید اپنا آپ اس سے چھپانا چاہ رہا تھا، اسامہ نے گہرا سانس بھرا اور بولا۔

"دل پہ اگر کوئی بوجھ ہو تو اسے دل پر نہیں دھرے رکھتے، ہٹا دیتے ہیں۔" ہیام اس کے نرم الفاظ سن کر بھی چپ رہا، کچھ بولا نہیں، اسامہ کو تفکر لاحق ہوا، گویا معاملہ گمبھیر تھا۔

"کیا بات ایسی ہے، جس کو چھپانا مناسب ہے، تو میں اصرار نہیں کروں گا، تاہم تمہاری پریشانی مجھے ڈسٹرب کر رہی ہے۔" کچھ دیر بعد اسامہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا، ہیام نے نفی میں ہولے سے سر ہلایا، اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، جیسے وہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

"میں پریشان ہوں بھی اور نہیں بھی، عجیب سی دو کیفیتوں میں پھنسا ہوا ہوں۔" کچھ دیر بعد ہیام کی دھیمی سی آواز ابھری تھی، جیسے بہت سوچ سوچ کر بول رہا ہو، اسامہ قدرے چونکا، اتنے چونچال سے ہیام پہ یہ سنجیدگی سوٹ بھی نہیں کر رہی تھی، اسامہ کو اندرونی تفکر تھا، جانے کس معاملے نے ہیام کو اتنا ڈسٹرب کر رکھا تھا۔

"آخر مسئلہ کیا ہے ہیام!" اسامہ نے ملائمت سے استفسار کیا تھا، ہیام کی کانچ سی آنکھوں

میں نمی بھر گئی۔
''بات ایسی نہیں، جسے بیان کر سکوں، لیکن کہہ دینا ضروری ہے، سمجھ نہیں پا رہا، خوشی کا اظہار کروں، یا غم سے سوگ کا اعلان کروں۔'' وہ بے ربط سا بول رہا تھا، اسامہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، اب کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ تھا۔
''ہیام! اب تم مجھے اور بھی پریشان کر رہے ہو۔'' اسامہ مضطرب سا ہو گیا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہیام کے تفکر کو اس سے چھین کر ہٹا دے، کہیں دور پھینک دے، وہ ہیام کو پہلے کی طرح ہشاش بشاش دیکھنے کا خواہش مند تھا۔
''اسامہ!'' وہ لمحہ بھر کے لئے اس کی طرف مڑا تھا۔
''میں واقعی ہی پریشان ہوں۔''
''جانتا ہوں اور پریشانی کے سبب کو جاننے کے لئے اور بھی متفکر ہوں، کیا تم مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے؟ کیا میں تمہاری پریشانی کی تشہیر کروں گا؟'' اسامہ نے نرم الفاظ میں اس کا حوصلہ بڑھایا تو ہیام قدرے بے چین ہو گیا تھا۔
''مجھے تم پہ خود سے بھی زیادہ بھروسہ ہے، ایسے الفاظ نہ بولو۔'' ہیام نے صاف دل سے کہا تھا۔
''بس اپنی ہی دھول اڑانے سے ڈرتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں اذیت کی لہر سی پھیلی۔
''مسئلہ بہت گمبھیر ہے کیا؟'' اسامہ متفکر ہوا۔
''شاید بہت زیادہ، لیکن تم نے دیکھا نہیں؟ مورے کس قدر مطمئن اور خوش ہیں۔'' ہیام نے دھیمی آواز میں جتلایا، اسامہ مورے کی خوشی کا پس منظر نہیں جانتا تھا، اس لئے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔
''ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن ہوا اور ضرور ہوا، خاک دھول سی اڑ گئی، پھر بھی دل خوش نہیں۔'' ہیام اضطراب کو دباتا بے ربط سا بولے جا رہا تھا۔
''اور مورے خوش ہیں، انہیں اللہ کا انصاف زمین پہ اترا نظر آیا، لیکن میں خوش نہیں ہوں، میرا دل خوش نہیں ہے۔'' وہ بڑی اذیت میں تھا، اس کی سرخ آنکھیں بلا کی رنجیدہ تھیں، گہرے غم میں ڈوبی ہوئی تھیں، اسامہ کے دل کو کچھ ہوا، آخر اس کے دوست کے ساتھ راتوں رات کیا معاملہ ہوا تھا؟ ہیام کو آخر کیا ہوا تھا؟ اسے کون سی ٹھیس لگی تھی؟
''ہیام! آخر کیا ہوا ہے؟'' اسامہ اب اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا تھا، وہ گھبرا اٹھا تھا، ہیام کے اضطراب نے اسے بھی مضطرب کر دیا تھا۔
''تمہیں نہیں پتا؟ علاقے میں دھواں اڑ رہا ہے۔'' وہ اڑے اڑے حواسوں کے ساتھ اسامہ کی طرف دیکھ رہا تھا، اسامہ لب بھینچ کر اسے دیکھتا رہ گیا، ہیام کیا کہنا چاہتا تھا؟
''سردار ہنو کی بیٹی کسی سرکاری ملازم کے ساتھ بھاگ گئی ہے، جانے پکڑی گئی یا نہیں، بات اندر دبی ہے، کچھ پتا نہیں چل رہا، دیکھو، اگر مل گئی تو بچے گی نہیں، ماری جائے گی اور سردار کا حال دیکھو، غیرت کے مارے بے حال ہے اور صندیر خان کے پالتو اسے کتوں کی طرح ڈھونڈ رہے

ہیں۔'' ہیام کی سرخ آنکھوں میں لہو بپھر رہا تھا اور اسامہ اتنا حیران تھا کہ بول ہی نہ سکا، بھلا سردار بڈو کی بیٹی کے بھاگنے کا ہیام کو کیوں صدمہ تھا؟ آخر وہ اس کی کیا لگتی تھی؟ یہ کیوں اس قدر نڈھال تھا؟ اسامہ کے ذہن میں اتنے سوال تھے کہ خدا کی پناہ اور ہیام جواب دینے کی پوزیشن میں تھا؟

''تم کیوں اتنے ڈسٹرب ہو؟ تمہارا ان لوگوں سے کیا تعلق؟'' اسامہ نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''تعلق تو بنتا ہے نا، تعلق ٹوٹتا تو نہیں، چاہے ملے یہ نہ ملیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا لب بھینچے بول رہا تھا، اسامہ کو وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔

''میرے دل کو بڑی تکلیف ہے جانے کیوں؟ وہ تو مرے گی ہی، صندیر خان اسے نہیں چھوڑے گا، لیکن وہ سرکاری ملازم، وہ تو بالکل نہیں بچے گا، اسے کیا ضرورت تھی آگ میں کودنے کی؟'' ہیام نے بھینچے لہجے میں کہا، اسامہ اسے اب بھی الجھی الجھی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے اس کی باتوں کو سمجھنا چاہتا ہو۔

''تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟'' اسامہ اس کے قریب آ گیا تھا، اس نے ہیام کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا، وہ بہت اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

''کیا تمہیں نہیں پتا؟'' ہیام نے حیرت سے اسامہ کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' اسامہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''نیل بر کبیر میری...... '' ہیام آنکھیں میچ کے بڑی اذیت کے ساتھ کہہ رہا تھا، تبھی مورے کی نیچے سے پاٹ دار آواز سنائی دی تھی، وہ پشتو میں ہیام کو کچھ کہہ رہی تھیں، اسامہ پشتو سے نابلد ہوتا تو شاید کبھی نہ سمجھتا، مورے اونچی آواز میں چلا چلا کر کہہ رہی تھیں۔

''نیل بر کبیر تمہاری کچھ نہیں لگتی، اس غم سے نکل آؤ ہیام، سردار بڈو اپنے ہاتھوں سے کیے گناہوں کی سزا پا رہا ہے، ودھا کا قتل عام کرنے والا، آج پل صراط پہ کھڑا ہے، جاؤ اور جا کر اسے میرا سندیسہ پہنچاؤ، ودھا کو قتل کیا تھا، اب نیل بر کو قتل کر کے دکھاؤ۔'' نیچے سے اب بھی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں اور ہیام کے ساتھ ساتھ اسامہ بھی حیران کھڑا تھا، وہ اس کہانی کو نہیں سمجھتا تھا، وہ اس کہانی کے کرداروں کو بھی نہیں سمجھتا تھا، لیکن اسے قطعاً خبر نہیں تھی کہ وہ اس کہانی کا حصہ بننے والا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح بجھی بجھی سی تھی۔

وہ بڑی دیر تک کسل مندی سے پڑا رہا، آج اسے واپس جانا تھا، لیکن طبیعت پہ عجیب سی سستی سوار تھی۔

وہ بہت دیر تک ہیام کے رویئے کو سوچتا رہا، عمکیہ کی شادی کے خوشگوار اختتام کے ساتھ ان کے گھر میں عجیب سی یاسیت نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

عشیہ کے علاوہ سبھی الجھے الجھے اور پریشان تھے۔

آج صبح اس کا ناشتہ عروفہ کی بجائے عشیہ اٹھا کر لائی تو اسامہ کی ساری سستی ہوا ہو گئی تھی، وہ

ایک دم بستر سے اٹھ کر سیدھا ہو گیا تھا، چہرے پہ بجے بجھے تاثرات میں تازگی بھر گئی تھی۔
عشیہ بڑے موڈ میں اندر آئی تھی، تیوری پہ ایک دو تیکھے بل پڑے تھے، جس کا مطلب تھا، مطلع ابر آلود ہے، شاید عروفہ یا مورے سے لڑائی ہوئی تھی۔
اسامہ اتنے دنوں میں یہ تو جان ہی گیا تھا کہ عشیہ کے ساتھ مورے اور عروفہ کی نہیں بنتی، اس وقت بھی عشیہ نے آف موڈ کے ساتھ ٹرے ٹیبل پہ پٹخی تو اچانک اسامہ کو نشرہ یاد آ گئی تھی، وہ بھی ہیام کے سامنے اسی انداز میں ٹرے پٹختی تھی جب بھی اسے تائی پہ غصہ آیا ہوتا، نشرہ کا انداز سوچ کر اسے ہنسی آ گئی تھی، اسے مسکراتا دیکھ کر عشیہ کا موڈ بگڑ گیا۔
''میں نے لطیفہ سنایا ہے کیا؟''
''تمہارا ایسا سینس آف ہیومر، لطیفے تمہیں چھو کر بھی نہ گزریں۔'' اسامہ نے ہنسی دبا کر اسے چھیڑا تھا، عشیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔
''ہمارا میراثیوں کے خاندان سے تعلق نہیں۔'' اس کا انداز طنزیہ تھا۔
''میں نے یہ کب کہا، تمہارے منہ سے تو گولیاں اور بارود نکلتا ہے، تمہارا تعلق تو کسی جنگجو خاندان سے ہے۔'' اسامہ کی وضاحت پہ عشیہ کے چہرے پہ ایک سایہ سا آ گیا تھا۔
''تم نے ٹھیک کہا، کاش ہم اس خاندان سے نہ ہوتے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی، اس کے چہرے پہ پھیلی یاسیت دیکھ کر اسامہ نے بات ہی بدل دی۔
''یہ اداسی کا تشغل کر لینا۔'' اسامہ کے کہنے پہ اچانک عشیہ چونک گئی تھی۔
''تم جا رہے ہو کہیں؟'' اس کی آنکھوں میں ہراس سا ابھر گیا۔
''تو جناب! مہمان دو چار دن کا ہوتا ہے، عمر بھر کا نہیں۔'' وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا تھا، عشیہ کا منہ اتر گیا۔
''ہمارا مہمان ایسا نہیں ہوتا۔'' اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔
''تو پھر کیسا ہوتا ہے؟'' اسامہ نے دلچسپی کے ساتھ اس کے بجھے بجھے تاثرات دیکھے تھے۔
''عمر بھر کا ہوتا ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں بتایا تھا، اسامہ لمحہ بھر کے لئے بول ہی نہ سکا، ایک دم خاموش ہو گیا تھا اور پھر دونوں کے درمیان خاموشی بولتی رہی، بہت دیر تک بولتی رہی، لفظ بنتے اور بگڑتے رہے، احساسات بولتے رہے، دونوں کی دھڑکنوں کا ردھم ایک ہی تھا اور قدرت نے بڑے انوکھے انداز میں ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا تھا، یہ قدرت کا انعام نہیں تو اور کیا تھا؟
''تو سمجھ لو، میں تمہارے دل کا مہمان ہوں اور عمر بھر ٹھہرنے کے لئے آیا ہوں۔'' اسامہ نے اسے ایک خوشگوار اظہار کی ڈور میں باندھ دیا تھا، عشیہ نے بے یقینی بھری نگاہوں سے اسامہ کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی نمودار ہوئی تھی، جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔
''میں اسے کیا سمجھوں اسامہ!'' وہ جیسے دو پل میں ہی امر ہو گئی تھی، فنا ہو گئی تھی، کبھی کبھی وقت ایسے مقام پہ بھی لے آتا ہے، جب لفظ معتبر ہو جاتے ہیں اور اظہار کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

"ایک وعدہ۔" اسامہ دلفریبی سے مسکرایا تھا، عشیہ کی آنکھوں میں ستارے بھر گئے تھے، اسے گمان ہی نہیں تھا، فن گندھارا کی تلاش میں نکلا یہ قریہ قریہ گھومتا مسافر اس کے دل کو آباد کر دے گا، دل کا مہمان بن جائے گا، عشیہ ستاروں سی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی، اسے پہلی نگاہ کی محبت پہ جیسے یقین آ گیا تھا۔

☆☆☆

بیال پہ رات سایہ فگن تھی اور یہ رات خونی رات کی طرح تھی، خون آشام بلا کی طرح تھی، ماہ و انجم تک پردوں میں چھپا تھا، ہر طرف شب تاریکی کا راج تھا، ایسی شب تاریکی جو ہو محل پہ بد نصیبی کی طرح جھکی ہوئی تھی، ایسی شب تاریکی جو نیل بر کی زندگی کو ڈسنے کے قریب تھی، یوں لگتا تھا، افق مشرق سے کوئی نور کی کرن اب طلوع نہیں ہو گی، کیونکہ نیل بر کی ذات ایک ایسے تاریک گڑھے میں مقید کر دی گئی تھی، یہ خوفناک سا جیل نما کمرہ تھا، جس کے چاروں طرف کوئی روزن کوئی دریچہ نہیں تھا اور وہ ابھی تک یہ جاننے سے قاصر تھی کہ اسے یہاں قید کر کے لانے والا کون ہے؟ اور وہ کس طرح واپس اس زندان میں قید ہونے کے لئے پکڑی گئی تھی؟

آج دوسری رات تھی اسے اس تہہ خانے میں اور وہ اپنا تمام تر احتجاج، چیخ و پکار، آہ و فغاں کے بعد بالکل بے بس ہو گئی تھی، اسے اندازہ ہو چکا تھا، اس زندان سے اس کی آواز نہیں باہر نہیں جائے گی اور نہ کوئی اسے یہاں سے نکالنے آئے گا، لیکن وہ ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک مرتبہ پھر اس نے اونچی آواز میں چلانا اور رونا شروع کر دیا تھا، وہ پچھلے دو دن سے یہی ایک کام دل جمعی سے کر رہی تھی، لیکن اس کی فریاد تک کوئی نہیں پہنچ رہا تھا، نیل بر کو بی جاناں اور صندیر خان سے کوئی امید نہیں تھی، لیکن اس کے بابا؟ ہاں بابا تو تھے نا، جو اسے بچا لیتے؟ اس زنداں سے نکال لیتے، آخر اس کا جرم کیا تھا؟

وہ ان جنگلی سرداروں کے چنگل سے نکل کر ایک آزاد اور خود مختار زندگی کے لئے اس گھر سے بھاگی تھی، اسے ان رواجوں اور رسومات کے ساتھ یہاں نہیں رہنا تھا۔

وہ آزاد ملک کی پروردہ تھی، وہ سختیوں اور پابندیوں میں نہیں رہ سکتی تھی، لیکن اس بات کی سمجھ صندیر خان کو نہیں آتی تھی، اس کے سر پہ خون سوار تھا اور وہ اسے گھر سے بھاگنے کے جرم میں جرگہ بلوا کر سزا دلوانا چاہتا تھا وہ اسے جان سے مار دینا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی گھر کی ایک ملازمہ کھانا دینے کے لئے آئی تو نیل بر کو حمت کا پیغام پہنچا گئی تھی، اس پیغام کو پڑھ کر نیل بر کے حواس جاتے رہے تھے، خوف سے اسے ہر احساس سے بیگانہ کر دیا تھا، یہ حمت کا پیغام نہیں تھا، اس کے لئے موت کا پروانہ تھا، نیل بر پہلی مرتبہ اپنے اس انتہائی اقدام پہ خوف و ہراس کا شکار ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں ابھی تک حمت کا بھیجا رقعہ لرز رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا، تم کیسے یہاں واپس آ گئی، تمہیں نہیں خبر نیل بر اب تمہارا کیا انجام ہو گا، صندیر خان جرگہ بلوا رہا ہے، آج رات یا کل سویر کو تمہیں خاندانی رسومات کی بنا پہ گھر سے رات کی تاریکی میں بھاگنے کے جرم میں مار دیا جائے گا، اگر جان بچانے کی آخری کوشش کر سکتی ہو تو کر لو، یہاں سے نکل لو نیل بر۔" وہ اس رقعے کو پڑھ کر اونچی آواز میں رونے لگی تھی، وہ اس جیل سے کہاں نکل

سکتی تھی، اگر ایسی بخت آور ہوتی تو سردار بنو کی بیٹی ہی نہ ہوتی، اگر اتنے اچھے نصیب ہوتے تو صندیر خان کے بندوں کے ہاتھوں پکڑی کیسے جاتی؟ وہ کئی گھنٹے ہوش و ہواس سے بیگانہ روتی رہی۔

اسے بھول گیا کہ کسی امام فریدے سے محبت بھی تھی، اس محبت کے بلند و بانگ دعوے بھی تھے، اسے سب کچھ بھول گیا تھا، یاد تھا تو صرف اس قدر، کہ موت چند قدم کے فاصلے پہ تھی اور آج کے بعد اس کی زندگی کا چراغ گل ہو جانا تھا، اسے دنیا سے چلے جانا تھا۔

وہ خوف کے مارے کانپنے لگی، اس پہ رعشہ طاری ہو رہا تھا، پھر تہہ خانے میں اندھیرا ہو گیا، شاید بتی چلی گئی تھی، وہ بابا بابا چلاتی رہی، اونچی آواز میں چیختی رہی، دہاڑیں مار مار کے روتی رہی۔

اسے خبر نہیں تھی، صندیر خان اسے کس جرم میں قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ تو صندیر خان کی پابندیوں اور دھمکیوں سے تنگ آ کر رات کی تاریکی میں بنو محل سے فرار ہوئی تھی، اسے پتا نہیں تھا، اس کے نگران کتنے سخت تھے اور کتنے چوکنا تھے، پتہ ہلتا بھی تو الرٹ ہو جاتے، پھر کیسے نیل بر کے مفرور ہونے پہ انجان رہ سکتے تھے؟

نیل بر کو پکا یقین تھا، جہاندار نے اسے پکڑوایا ہے، کیونکہ جس وقت نیل بر کبیر رات کی تاریکی میں بنو محل چھوڑ رہی تھی، تب بارہ دری کے قدمچوں پہ کوئی پرسکون سا کھڑا تھا اور نیل بر کبیر کو دیوار پھلانگتے سکون سے دیکھ رہا تھا، لیکن اس نے گارڈز اور چوکیداروں کو سگنل دے کر الرٹ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، جہاندار نے ایسا کیوں کیا تھا؟ تہہ خانے کے اس تاریک کمرے میں اپنی قسمت پہ بلند آواز میں روتی نیل بر کو تب خیال نہیں آیا تھا، اسے اب خیال آ رہا تھا، اس وقت بھلا کیا ہوا تھا؟ نیل بر کی آنکھوں میں کوئی ٹوٹے عکس بکھرتے رہے۔

☆☆☆

اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا، اسے یہاں نہیں رہنا، وہ یہاں سے نکل جائے گی، ہمیشہ کے لئے بہت دور چلی جائے گی اور کبھی واپس نہیں آئے گی، اسے اپنے بابا کے دیس سے بہت دور چلے جانا تھا، یہ وحشیوں کا نگر تھا، جہاں انسانوں کی کوئی قیمت نہیں تھی، انسانیت کی کوئی قدر نہیں اور محبت کا کوئی مول نہیں تھا، یہاں پہ سارے جذبوں کوڑیوں کے بھاؤ بکتے تھے، نیل بر کو یہاں نہیں رہنا تھا، فیصلہ تو اسی رات ہو گیا تھا۔

جب صندیر خان نے اپنی عدالت سجائی تھی اور نیل بر پہ فرد جرم عائد کیا تھا، اسے گھر سے نکلنے پہ پابندی لگائی تھی اور اسے بنو محل میں قید کرنے کا حکم دیا تھا۔

یہ ایک ٹریلر تھا کہ نیل بر گھر سے باہر نہ نکل سکے، امام فریدے سے نہ مل سکے اور صندیر خان جلد از جلد اس کی زندگی کا فیصلہ سنا کر اسے اپنے گھر، جائیداد اور خاندان سے بے دخل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، نیل بر اس گھر سے نکلنے کا یہ انتہائی قدم شاید نہ اٹھاتی، لیکن جمعہ کی شام اسے اڑتی اڑتی ایک خبر نے حواس باختہ کر دیا تھا۔

''نیل بر کا نکاح ہے، شین قبیلے کے سردار خنک خان کے ساتھ۔'' یہ خبر نہیں ایک دھماکہ تھا، جس نے سنا کلیجہ پکڑ لیا، خنک خان سردار بنو کی عمر کا آدمی تھا اور اسے نیل بر کبیر کے لئے چنا گیا

تھا، اس نیل بر کبیر کے لئے جو مغرب کی پیداوار تھی، ساری عمر آزاد فضاؤں کی باسی رہی اور باپ کے علاقے میں آنے کے شوق میں سولی پہ چڑھائی گئی۔
حمت تو غم و غصے اور اذیت کے مارے گم صم رہ گئی تھی، لیکن سبا خانہ نے لاکھ نیل بر کو ناپسند کرنے کے باوجود احتجاج ضرور کیا تھا۔
''صندیر خان! پاگل ہو چکا ہے، وہ نیل بر کو کس گناہ کی سزا دے گا؟ وہ اتنا ظلم کیوں کرے گا؟'' سبا خانہ کے چلانے پہ بی جاناں نے ایک سرد آہ لبوں سے برآمد کی تھی۔
''محبت جرم ہے، لیکن ایسی ظالم سزا نہ دیں، نیل بر کو واپس بھیج دیں، کم از کم وہ اپنی من پسند زندگی تو گزار سکے، اسے خٹک خان سے بیاہ کر زندہ درگور مت کریں، اس کا گناہ بڑا سہی، اس سرکاری آفیسر سے مت بیاہیں، لیکن اسے واپس بھیجنے کی تیاری کروا دیں، پلیز بی جاناں، ایسا مت کریں، آخر صندیر خان کسے سزا دے رہا ہے؟'' وہ سبا خانہ تھی جو ڈنکے کی چوٹ پہ بات کر سکتی تھی اور نیل بر کو ناپسند کرنے کے باوجود نہیں چاہتی تھی کہ پرانی روایات کو دہرا کر ان کی زندگیوں کو ایک مرتبہ پھر جامد کر دیا جائے، حمت نے روئی روئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا، وہ یہ ڈنکا بجتا کب سے سن رہی تھی۔
صندیر خان نے نیل بر کی خودسری پہ یہی سزا تجویز کی تھی اسے راتوں رات بیاہ کر بتو محل سے نکال دیا جانا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ سردار بتو شدید بے بس تھا۔
''وہ سزا نہیں دے رہا سبا خانہ، وہ ودھا کا انتقام لے رہا ہے۔'' بی جاناں نے آنکھیں بند کر لی تھیں، اس لئے کہ وہ سارے گناہ آنکھوں کی پتلیوں پہ اپنا عکس چھوڑ رہے تھے، جو ان کے ہاتھوں سرزد ہوئے تھے، وہ گناہ جو پیچھا کرتے پھر لپک لپک کر آ رہے تھے۔
''وہ رکے گا نہیں، وہ ایسا ضرور کرے گا۔'' بی جاناں کی بے جان سی آواز سنائی دی تھی۔
شام تک بتو محل میں پراسرار تیاریاں ہونے لگیں، باہر دیگیں پکنے لگیں، مہمان نہ ہونے کے برابر تھے، گھر پہ موت کا سا سناٹا چھایا تھا اور کسی نے تب ہی حمت کا پیغام نیل بر کو پہنچا دیا۔
''خود کو بچانا چاہتی ہو تو آخری فیصلہ کر لو نیل بر، یہ تمہاری میت پہ پھول چڑھانے آ رہے ہیں۔'' نیل بر کے دل کو جھٹکے لگ گئے تھے، اسے اپنے نکاح کی خبر ملی تو حیران رہ گئی۔
ایسا کس طرح سے ممکن تھا، بھلا نیل بر کے ساتھ کوئی زبردستی کر سکتا تھا؟ بابا کہاں تھے؟ وہ دیواروں سے ٹکریں مارتی چلا رہی تھی، اس کے پاس کوئی فون نہیں تھا اور باہر کی دنیا کے ساتھ کوئی کنکشن نہیں تھا، گھبرائی گھبرائی سی حمت کو دیکھ کر سدا کی پراعتماد نیل بر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔
''یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے حمت! میں مر جاؤں گی مگر ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ اونچی آواز میں چلانے لگی تھی۔
''تم کچھ بھی نہیں کر سکو گی، تمہارے دعوؤں کی دیواریں بہت کچی ہیں۔'' حمت نے بھرائی آواز میں کہا تھا۔
''میں کیا کروں نیل بر! تمہیں قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتی، میرا دل ودھا کے بعد اس صدمے کو سہار نہیں پائے گا۔'' حمت بے آواز رونے لگی۔

"تم نے ایسی جلد بازی کیوں دکھائی؟ صندیر خان کے سامنے امام کا نام لینا کیا ضروری تھا؟" اب وہ اسے جھڑک رہی تھی، غصہ کر رہی تھی، اس کی غلطی کا احساس دلا رہی تھی۔

"اب جو ہو گیا، لوٹ نہیں سکے گا۔" نیل بر نے کرب سے آنکھیں میچیں، وہ اس دوراہے پہ اکیلی ہی کھڑی تھی اور کیسی ناکام سی عاشق تھی، دوسرا فریق تو قطعی طور پہ انجان تھا، اسے خبر ہی نہیں تھی، اس پہ کیا گزری؟ نیل بر پہ کیا گزری؟ وہ کیسی بدقسمت تھی، جس کے لئے جنگ لڑ رہی تھی، وہ اس کا شاید طلب گار ہی نہیں تھا۔

"اب میں کیا کروں؟" وہ رو رہی تھی۔

"کیا کرو گی؟ اپنے لئے عذاب تو خود خریدے ہیں۔" حمت بگڑنے لگی۔

"اب مجھے ہی کچھ کرنا ہے۔" اس کا انداز پرسوچ تھا۔

"تم کیا کرو گی؟" نیل بر نے گھبرا کے پوچھا۔

"میں امام سے رابطہ کرتی ہوں، وہ میری مدد ضرور کرے گا اور تم یہ چار دن کی یک طرفہ محبت کو خدا کے واسطے بھول جاؤ، میں اس کی منت کرتی ہوں، تم یہاں سے نکلو اور آگے سے وہ تمہیں پک کرے گا اور تمہیں اسلام آباد پہنچا دے گا، آگے تم ایمبیسی سے رابطہ کر لو اور یہاں سے چلی جاؤ، تمہاری زندگی کا بچنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔" حمت نے اپنی اسکیم بتائی تو نیل بر کی آنکھیں بہنے لگیں۔

"وہ ہماری مدد نہیں کرے گا، میری تو بالکل بھی نہیں، اس نے میرا فون سننا بھی چھوڑ دیا تھا۔" نیل بر کو کچھ یاد آیا تھا۔

"امام میری بات نہیں ٹالے گا۔" اس نے یقین سے کہا تھا اور اپنے یقین پہ حمت خود بھی حیران رہ گئی تھی، یہ یقین اسے کیوں تھا؟ وہ جیسے حیران رہ گئی، کیا یہ یقین امام کی ان نگاہوں کا بخشا ہوا تھا جس میں حمت کے لئے کچھ خاص جذبوں کی لو دکھائی دیتی تھی؟ فی الحال ان باتوں کو سوچنے کا وقت نہیں تھا، حمت اسے چھوٹی چھوٹی چیزیں سمجھا رہی تھی۔

"وہ صرف تمہاری مدد کرے گا، اسلام آباد تک، اس سے آگے تم کو خود اپنے لئے کوشش کرنی ہو گی۔"

"لیکن وہ میرے لئے اپنی زندگی کو مشکل میں کیوں ڈالے گا؟ وہ کبھی نہیں مانے گا۔" نیل بر بھینچی آواز میں رونے لگی۔

"مجھے ایک کوشش تو کرنے دو، آگے تمہاری قسمت۔" حمت کچھ پر امید تھی، نیل بر نے سر ہلا دیا، وہ شدید خوف کا شکار تھی، اچانک اس کی زندگی میں عجیب وغریب موڑ آ گئے تھے، اس نے سوچا بھی نہیں تھا، اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ بھی ایک دن اپنی خاندانی بھیانک رسومات کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔

☆☆☆

خانہ دل میں مچلتے خوف کو دبا دبا کر حمت نے اس پرچی کو مٹھی میں دبایا جس پہ امام کا فون نمبر لکھا تھا اور چپکے سے پری گل کو اشارہ کر کے پچھلے صحن میں آ گئی، رات اس وقت بھی تاریک تھی اور

ایک خوف ان کے اردگرد چکرا رہا تھا، معاً پری گل نے اپنی اوڑھنی کے نیچے سے ننھا سا موبائل نکال کر حمت کی طرف بڑھایا تھا، حمت نے موبائل جھپٹ کر پری گل کو سمجھایا۔
''تم وہاں کھڑی رہو، جیسے ہی کھٹکے کی آواز آئی مجھے فوراً اطلاع کرنا۔'' حمت نے لرزتی آواز میں کہتے ہوئے نمبر ڈائل کیا اور فون ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی، کچھ ہی دیر بعد امام کی آواز سنائی دی تھی، حمت کا دل پہلو میں دھڑکنے لگا، امام سے پہلی مرتبہ فون پہ بات کرنے کا تجربہ جانے کیسا ثابت ہوتا؟ اسے امید تو تھی کہ امام اس کی بات نہیں ٹالے گا لیکن یقین اتنا مستحکم نہیں تھا، امام کو کیا ضرورت تھی اپنی جان کو اس کی خاطر جوکھم میں ڈالنے کی۔
پھر بھی ایک امید کے تحت اس نے ہیلو کے بعد اپنا تعارف کروایا تو امام پہلے ہی لمحے میں حیران اور خوش ہوا تھا۔
''زہے نصیب! خاکسار کو کیسے یاد کیا؟'' امام کا انداز بے ساختہ پرجوش تھا، اسے نیل بر کی یہ کزن یاد تھی، جس کی شکل اسے کوے سے ملتی جلتی لگتی تھی اور جسے دیکھ کر اپنائیت کا گہرا احساس ہوتا تھا، اسے حمت کی آواز سن کر قلبی اور روحانی خوشی محسوس ہوئی تھی۔
''میں حمت ہوں۔'' اس نے دھیمی آواز میں بتایا۔
''بتانے کی ضرورت نہیں، میں پہچان چکا ہوں۔'' امام نے خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔
''مجھے یاد رکھنے کا شکریہ۔'' حمت بے ساختہ احسان مند ہوئی تھی، کیا وہ اتنی اہم تھی جسے امام نے ذہن میں محفوظ رکھا تھا، امام کا دل چاہا، وہ برجستہ یہ جواب دے۔
''تم میرے ذہن سے ایک لمحے کے لئے بھی محو نہیں ہوئی۔'' لیکن وہ یہ کہہ نہیں سکا تھا، ایک جھجک نے اسے روک دیا، کیا خبر حمت کو اس کی بے تکلفی پسند نہ آتی؟
''میں پوچھ سکتا ہوں خاکسار کو کیوں یاد کیا گیا؟'' امام کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، وہ جو تمہید کے لئے الفاظ سوچ رہی تھی، ایک دم چوکنا ہوئی۔
''مجھے آپ سے مدد چاہیے۔'' کچھ دیر کی ہچکچاہٹ کے بعد حمت نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا، اس کے پاس وقت کم تھا، سو اپنا مدعا جلدی سے آگے پہنچا دیا، امام فطری طور پہ چونکا تھا۔
''میں اس علاقے میں آپ کی خدمت کے لئے موجود ہوں، کہیے کیا خدمت کروں؟'' اس نے شائستگی کا مظاہرہ کیا تھا، تب حمت نے آنکھیں بند کر کے اپنا مدعا پیش کر دیا، جسے سن کر لمحہ بھر کے لئے امام بھونچکا رہ گیا تھا۔
''حمت! میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں۔'' اسے بالآخر کوئی جواب تو دینا تھا، جبکہ حمت منتظر تھی اور ہاں میں جواب بھی چاہتی تھی۔
''میں جانتی ہوں، پھر بھی مدد مانگ رہی ہوں، نیل بر کی زندگی کا سوال ہے۔'' اس نے مختصراً الفاظ میں پوری سچویشن کو مختصر کر کے بتایا تو امام سوچ میں گم ہو گیا تھا۔
''آپ انسانیت کے ناطے ہماری مدد کریں، یقین کریں، نیل بر کی زندگی کو خطرہ ہے۔'' حمت جیسے رو دینے کو تھی، جانے کیسے اس کے ذہن میں امام سے مدد لینے کا خیال آیا تھا، گو کہ وہ جانتی تھی، یہ بہت بڑا رسک ہے، لیکن نیل بر کو بچانے کی خاطر وہ خطرے میں کود پڑی تھی، وہ دھا

کے بعد نیل بر کو کھو دینا کچھ معمولی نہیں تھا۔
''آپ کو خدا کا واسطہ، انکار مت کریں، صدر تک ہی نیل بر کو چھوڑ دیں، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' وہ بری طرح سے رونے لگی تھی، امام جیسے بے بس ہو گیا، حمت نے اسے اپنے آنسوؤں سے زیر کر لیا تھا، وہ نیم رضا مند ہو گیا۔
''احسان کو بے شک بھول جانا، مگر مجھے نہ بھولنا، او کے میں تیار ہوں، لیکن یاد رکھنا، تمہاری خاطر اگر قربانی دوں گا تو قربانی لوں گا بھی۔'' اچانک امام کو جانے کیا ہوا تھا، وہ آپ سے تم پہ آ گیا تھا اور اس کے الفاظ نے حمت کو پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔
اسے امام کے الفاظ اور لہجہ غیر معمولی لگا تھا، اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جس نے حمت کو ٹھٹکا دیا تھا، وہ صرف حمت کی خاطر تیار ہوا تھا، یعنی خطرے کو آواز دے رہا تھا، حمت کی خاطر؟ کیوں آخر کیوں؟ حمت کا دل بری طرح سے کپکپانے لگا، پہلو سے باہر آنے لگا، وہ امام کے غیر معمولی لب و لہجے سے اس حقیقت کی خوشبو کو پا گئی تھی، جس کا ادراک کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

☆☆☆

رات بڑی تاریک تھی، بے انتہا تاریک تھی، اس تاریکی میں بڑے بھید چھپے تھے۔
بٹو محل کے اندرونی حصوں میں کہیں کوئی ہلکی سی ہلچل ہو گی، تاہم ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا، وہ بارہ دری میں کھڑا تھا، جس کے ایک طرف دو ہیولے پچھلے صحن سے آتے دکھائی دیئے تھے، اس نے ان ہیولوں کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ جانتا تھا، پچھلے صحن سے کون نکل رہا ہے، وہ بے نیازی سے تاریکی کے پار دیکھتا رہا، اسے رات پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی سیاہ نظر آ رہی تھی۔
معاً پاتوں کی جھنجھناہٹ قریب آ گئی، اسے اندازہ تھا، پری گل اور حمت اب اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھیں، وہ پری گل کے ہاتھ میں ننھا سا چمکتا آلہ دیکھ چکا تھا، لیکن اس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، وہ اسی طرح نخوت سے تن کر کھڑا رہا اور سردار بٹو کی اونچی حویلی کو حقارت سے دیکھتا رہا۔
ابھی کچھ دیر بعد کیا ہونے والا تھا؟ جہاندار اس حقیقت سے واقف تھا اور وہ ان ساعتوں کا بلکہ مبارک ترین ساعتوں کا انتظار کر رہا تھا، جب سردار بٹو کی اونچی حویلی کی ساری فصیلیں زمین بوس ہو جاتیں۔
اس دن کے انتظار کی خاطر وہ کتنے ہی عرصے سے زہر کے گھونٹ بھر بھر کے روز جیتا اور روز مرتا تھا، بھلا اس حویلی کے اندر سردار بٹو کو دیکھ کر اپنے قدموں پہ کھڑا رہنا اور اپنے بے قابو جذبات کا گلا گھونٹنا آسان تھا؟ اور کیا یہ آسان تھا؟ سردار کبیر بٹو کو زندہ حالت میں دیکھنا؟
وہ نفرت اور حقارت سے بٹو محل کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے گیلی گھاس پہ تھوک دیا۔
''سردار بٹو کی بیٹی ایک معمولی ملازم، ہونہہ سرکاری ملازم کے عشق میں گھر سے فرار ہونے والی ہے۔'' وہ اس شہ سرخی کو اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا، جس کا چرچا افق پہ نور کی دھاریوں کے نکلتے ہی پھیلنے والا تھا، سردار بٹو کا اونچا طرہ زمین پہ گرنے والا تھا۔

معاً کچھ ہی دیر بعد ایک ہیولا پچھلے صحن کی دیوار کے آس پاس دیکھنے لگا، کوئی مضطرب قدموں کے ساتھ بٹو محل کی زمین پہ سردار بٹو کی عزت کو روندتا دیوار تک پہنچا، دوسرے ہی پل سیاہ لبادے میں لپٹا ہیولا دیوار سے پار تھا، جہاندار نے اک پرسکون سی سانس سینے کی قید سے آزاد کی تھی۔
اب وہ دبنگ انداز میں چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف آیا، دروازہ کھولا اور بند کیا اور پھر بڑے ہی پرسکون انداز میں نیند کی دو گولیاں پھانک کر سو گیا۔
وہ ایک گھنٹہ پہلے سردار بٹو کو اطلاع دے چکا تھا کہ وہ میگزین کی وجہ سے گولیاں کھا کر سونے کے لئے جارہا ہے، اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے، وہ سردار بٹو کو عمر بھر کے لئے ڈسٹرب کر کے خود پرسکون انداز میں سو رہا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

عید رنگوں، خوشیوں اور مسرتوں بھرا تہوار، ایک خوشگوار مہکتا ہوا احساس، عید کے تین حرفی لفظ سے ہزاروں خوشیاں وابستہ ہیں، عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور چاند رات کو تو یہ تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں، منتظر نگاہیں چاند کی متلاشی ہوتی ہیں، پرنور بادلوں کی اوٹ سے باریک سا نقرئی چاند طلوع ہوتا ہے، تو ہر سمت خوشیوں کی دھنک بکھر جاتی ہے، مہندی کی خوشبو، بازاروں کی رونق، بچوں کی چہل پہل، عید کے میٹھے پکوانوں کی تیاری، اگرچہ چاند رات دل نواز اور خوش کن ہوتی ہے تو صبح عید کا تصور ہی جاں فزا ہوتا ہے۔
عید مبارک کی صداؤں میں عید کا دن طلوع ہوتا ہے، آرائش و زیبائش، خوشبو، خوشیاں، میل ملاقات، عیدی اور عید کی یہ خوشیاں اس وقت مزید دوبالا ہو جاتی ہیں جب ایسے میں کسی عزیز ہستی کی طرف سے عید مبارک کا پیغام ملے تو خوشی کا عالم ہی اور ہوتا ہے، ان خوشیوں کو دوستوں کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے ہم نے عید سروے کا اہتمام کیا ہے، جن کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔
سوالات:۔
۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں کون سی بات آپ کو بے حد پسند اور کون سی ناپسند ہے؟
۲۔ کوئی ایسی عید جس کے یادگار لمحات آپ کے ذہن میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گئے ہوں؟
۳۔ عید کا خصوصی اہتمام، خصوصی ڈش بمعہ تراکیب؟
۴۔ کوئی ایسی عزیز ہستی جن سے ملے بغیر آپ کو عید ادھوری لگتی ہے؟
۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ، عید کارڈ ایس ایم ایس یا پھر فون کال؟
۶۔ اگر آپ شادی شدہ ہیں تو سسرال میں پہلی عید کا احوال اور جیون ساتھی کی طرف سے کیا تحفہ ملا؟
۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟
ان سوالات کے جوابات ہمیں پندرہ جولائی تک بھجوا دیں شکریہ۔

میرے اجنبی میرے آشنا
سونیا چوہدری

جون جولائی کی گرم تپتی دوپہروں میں جب لوگ گھروں میں آرام کرتے تو وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ مل کر پورے گاؤں کا دورہ کرنے میں مصروف ہوتی، کہنے کو اس کی عمر بائیس سال تھی لیکن حرکتیں اس کی اب بھی بچگانہ ہی تھیں، آغا جان اور بی جی سے چوری چھپے وہ حویلی کا گیٹ یوں عبور کرتی تھی جیسے بلی دودھ منہ ڈالنے کے بعد آنکھوں میں دھول جھونک کر کھسک جاتی ہے "جی بالکل کھسیانی بلی کی طرح" اور بلی کی طرح یہ وہ درخت پر بھی ایسے چڑھ جاتی تھی کہ شیر کی خالہ سے اسپیشل کلاسز لے رہی ہوں۔

وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی، سب سے منفرد، گاؤں کی لاڈلی، آغا جان کی اکلوتی اولاد اور بی جی کی آنکھوں کی ٹھنڈک آرزو، جس کو سب پیار سے روزی کہہ کر پکارتے۔

اس وقت بھی وہ گاؤں کی گلیوں کی آوارہ گردی کرنے کے بعد اب بچوں کے ساتھ مل کر (گلی ڈنڈا) کھیل رہی تھی جو کہ گاؤں کہ بچوں کا خاصا دلچسپ کھیل ہوتا ہے۔

کچھ دیر کھیلنے کے بعد وہ حویلی واپس جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی بے چین روح جو اس کو کسی پل گھر میں ٹکنے نہیں دیتی تھی، اس کے دل کو ٹٹولنے لگی کہ روزی، "ارے اتنی جلدی حویلی واپسی؟ ابھی تو تمہیں آنٹی صغرا کے گھر جانا ہے، اچار کے ساتھ تنور کی روٹی کھانے" عجیب لڑکی تھی روزی بھی، منہ اٹھا کر کسی کے بھی گھر چل پڑتی، پر جس کے بھی گھر قدم رکھتی مانو کسی لیڈر کی بیٹی تشریف لے آئی ہو، سب اس کے ناز نخرے اور لاڈ تو ایسے ہی اٹھاتے تھے جیسے "لیڈی ڈائنا" کی روح ان کے گھر چلی آئی ہو، جو کہ لیڈی ڈائنا کی شخصیت سے تو ناواقف ہی تھے لیکن روزی کی چٹی گوری رنگت کے اور حسن کے دیوانے تھے،

مکمل ناول

اب تو دیوانگی صغرا آنٹی کی ہوتی یا پھر اماں رشیدہ کی، اماں رشیدہ کا گھر بھی صغرا آنٹی کے گھر کے ساتھ ہی تھا، آنٹی صغرا کے گھر کی دیوار پھلانگتی وہ اماں رشیدہ کے گھر پہنچ جاتی، ابھی بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا آنٹی صغرا کے گھر سے روٹی اچار کے ساتھ کھانے کے بعد وہ دیوار پھلانگ کر اماں رشیدہ کے صحن میں پہنچ گئی، جہاں اماں رشیدہ چارپائی پر بیٹھی اپنی مرغیوں کو دانہ ڈالنے میں مصروف نظر آرہی تھیں، روزی کو دیوار پھیلانگتے دیکھا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہو کر بولیں۔

''ارے روزی پتر کبھی تو سیدھے راستے آ جایا کر، کیوں کسی دن اپنی کوئی ہڈی پسلی تڑوائے گی۔''

''او ہو اماں میری ہڈیاں بہت مضبوط ہیں، آخر گاؤں کے چوہدری کی بیٹی ہوں، دودھ مکھن کھانے پینے والی۔'' روزی نے اماں رشیدہ کے ساتھ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بھی اس کی بات پر مسکرا دیں۔

''اماں اتنی گرمی ہے ایک گلاس......'' اس سے پہلے کہ روزی اپنا جملہ مکمل کرتی اماں رشیدہ خود ہی بولتی اٹھ کھڑی ہوتیں۔

''ہاں ہاں پتہ ہے مجھے بہت گرمی ہے ایک گلاس لسی تو پلا دوں تجھے۔'' وہ اپنے چھوٹے سے کچے مکان کے باورچی خانے کی جانب بڑھیں تو روزی ان کی بات پر مسکرا کر ان کو دیکھنے لگی اور چارپائی پر بیٹھی اماں رشیدہ کے ہاتھ کی بنی ہوئی چاٹی کی لسی کا انتظار کرنے لگی، جو اماں رشیدہ اس کے لئے لینے گئی تھیں۔

☆☆☆

عصر کا وقت ہو چکا تھا اور روزی جانتی تھی آغا جان نماز کے لئے مسجد جانے والے ہیں، وہ ان کے حویلی سے نکلتے ہی گیٹ عبور کرتی ہوئی حویلی داخل ہوتی، روزی چھپتے چھپاتے حویلی کی راہداری سے ہوتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ بی جی کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے، روزی نے مسکرا کر اپنے عقب میں کھڑی بی جی کو دیکھا اور فوراً سے اپنی بدلتی ٹون کے ساتھ ان کی جانب بڑھی۔

''اوہ میری پیاری بی جان کہاں تھیں آپ؟ کب سے پوری حویلی میں آپ کو تلاش کر رہی ہوں۔'' اس نے محبت سے بی جی کے گلے میں اپنی بانہوں کا ہار ڈالتے ہوئے بے حد صفائی سے جھوٹ بولا تھا، وہ بھی آخر اس کی بی جی تھیں، اس کے ہر انداز سے واقف تھیں۔

''روزی میں تمہیں بار بار سمجھا چکی ہوں کہ جس دن تمہارے آغا جان کو خبر ہو گئی تمہارے یوں چھپ چھپ کر باہر جانے کی تو پھر نہ تمہاری خیر ہو گی نہ ہی میری۔''

''بی جان اتنے عرصے سے ان کو کچھ معلوم ہوا ہے جو اب پتہ چلے گا؟'' اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا، بی جی ہمیشہ اس کے سامنے عاجز ہو جاتی تھیں، اکلوتی اور لاڈلی اولاد پر وہ سختی بھی نہیں کر سکتی تھیں، لیکن بعض اوقات وہ روزی کی ایسی حرکتوں سے بے حد پریشان ہو جاتی تھیں، جی بالکل ایسی حرکتوں سے مراد اس کی آوارہ گردی تھی، لوگوں کے گھروں میں جا کر کھانا پینا شروع کر دینا، بچوں کے ساتھ شرطیں لگا کر قینچے کھیلنا، یہ سب حرکتیں کسی بھی جوان بیٹی کی ماں کو پریشان کر سکتی ہیں، سو انہیں بھی کرتیں تھیں۔

وہ سوچ کر ہی رہ جاتی تھیں کہ جب روزی شادی کے بعد اپنے سسرال جائے گی تو اس کا کیا بنے گا، وہ سوچتے سوچتے کبھی خوفزدہ بھی ہو جاتی تھیں، انہوں نے بہت پیار و محبت سے اپنی اکلوتی اولاد کی پرورش کی تھی، اس لئے وہ روزی کو

چھوٹی سی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

☆☆☆

آج آغا جان کسی کام سے شہر گئے تھے اور روزی جانتی تھی وہ رات سے پہلے نہیں لوٹنے والے، اس لئے آج وہ دوسرے گاؤں اپنی سہیلی کو ملنے چلی آئی، بی جان نے کئی بار کہا کہ وہ گھر سے کسی ملازم کے ساتھ لے جائے، لیکن جواب اور وضاحتیں روزی کی اللہ ہی سمجھے۔

''ارے بی جان میں کوئی ننھی منی سی کاکی ہوں جو اکیلی نہیں جا سکتی؟ دیکھنا یوں جاؤں گی اور یوں آ بھی جاؤں گی۔'' اس نے ہاتھ سے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تو بی جان اس کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح اس کے سامنے ہار مان بیٹھیں اور روزی بنا کسی کے ہمراہ اپنی دوست نبیلہ کی طرف چلی آئی، اب سہیلی روزی کی تھی تو سوچیے کیسی ہو گی؟ نبیلہ شوخ چنچل سی، زندگی کو اپنے ہی انداز میں جینے والی، اپنی دوست نبیلہ کے ساتھ گھومنے پھرنے کے بعد کھانا کھا کر دونوں نے کچھ دیر بیٹھ کر خوب گپ شپ کی، باتوں سے فراغت حاصل ہوئی تو روزی نے ایک نگاہ گھڑی پر ڈالی اور گھر واپسی کا ارادہ کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

واپسی پر کتنی دیر وہ گاؤں کے اڈے پر کھڑی کسی تانگے کا انتظار کرتی رہی لیکن کوئی تانگہ نہ آیا تو اس نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا، تھوڑا آگے پہنچی تو روزی کو اپنے گاؤں کے چاچے لطیف کا تانگہ نظر آیا، جس میں پہلے سے ایک سواری براجمان تھی، روزی نے تانگہ دیکھتے ہی چچا لطیف کو بلند آواز میں پکارنا شروع کر دیا، لیکن چچا لطیف تک جب اس کی آواز نہ پہنچ سکی تو روزی نے تانگے کے پیچھے دوڑ لگا دی، جوتا ہاتھ میں، دوپٹہ زمین پر اور روزی سڑک پر، بس پھر روزی کی دوڑ تانگے کے گھوڑے سے تو تیز ہی سمجھیں، بالآخر جب وہ تانگے کے تھوڑا قریب پہنچی تو اس نے پھر سے تانگے والے کو آواز دے کر تانگہ روکنا چاہا اب کی بار اس کی آواز پر چچا لطیف اور تانگے میں موجود سواری دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، چچا لطیف نے روزی کو دیکھتے ہی تانگہ روکا اور وہ ہانپتی ہوئی تانگے پر آن بیٹھی، تانگے میں موجود شخص نے سر سے پاؤں تک روزی کی شخصیت کا جائزہ لیا تھا، جبکہ چچا لطیف نے دوبارہ سے تانگہ چلانا شروع کر دیا، روزی کی سانس کچھ بحال ہوئی تو اس نے بولنا شروع کیا۔

''چچا لطیف کتنی آوازیں لگائی میں نے آپ کو، لیکن آپ نے تو شاید قسم کھائی تھی کہ آج مجھے کاجل کی طرح دوڑانے کی، لیکن چاچا کاجل تو شاہ رخ خان کے لئے دوڑتی ہے اور میں بیچاری اپنے چاچے لطیف کے لئے دوڑ رہی تھی کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کا سفر بور نہ گزرے۔''

چچا لطیف ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی باتوں پہ مسکرا رہے تھے، جبکہ اس کے ساتھ بیٹھا شخص بھی اس کی باتوں پر ہنسنے کو مجبور ہو رہا تھا، لیکن وہ اپنی ہنسی پر قابو پائے ہوئے تھا، روزی چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئی تو اس نے بغور اپنے قریب بیٹھے شخص کو دیکھا جو کہ روزی کو ہی گھور رہا تھا۔

''ایسے کیا گھور رہے ہو، پہلی دفعہ اتنی پیاری لڑکی دیکھی ہے کیا؟'' روزی نے اپنی بڑی بڑی شربتی رنگ آنکھوں کو بڑے انداز میں گھماتے ہوئے کہا تو وہ شخص پہلے اس کی بات پہ حیران ہوا اور پھر مسکرا دیا۔

''اب یوں مسکرا کر لائن مار رہے ہو مجھ پہ؟ دیکھو بھئی۔'' روزی نے دائیں ہاتھ کی انگلی اس کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں، جو تمہاری ایک مسکراہٹ پہ تمہارے عشق میں مبتلا

ہو جاؤں گی۔'' اب کی بار وہ شخص روزی کی بات پہ حیران ہونے کے بعد ہنسنا بھول گیا تھا، وہ بغور اس کو گھور رہا تھا، بنا کچھ کہے، بالکل خاموشی سے۔

جب روزی نے دیکھا کہ وہ شخص ابھی بھی اس کو دیکھ رہا ہے تو اس نے ناگواری سے اس شخص کو گھورا اور پھر اپنی چہکتی ہوئی آواز میں بولی۔

''آج تم مجھے نظر لگا کر ہی رہو گے۔'' روزی نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا تو اس شخص نے بمشکل اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے اپنا رخ پھیر لیا اور تانگے سے باہر سڑک کے دائیں بائیں ہرے بھرے کھیتوں کو دیکھنے لگا، وہ دس سال بعد گاؤں آیا تھا، اپنے گاؤں کو دیکھتے ہی اس کو اپنے بچپن کے دن یاد آنے لگے، جبکہ روزی اب پھر سے چچا لطیف کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو چکی تھی۔

''اُف کتنا بولتی تھی یہ لڑکی۔''

☆☆☆

حویلی کے آنگن میں موتیے کے پھولوں کی خوشبو چار سو بکھری تھی، بی جی موتیا اور گلاب کے پھولوں کو ایک ٹوکری میں جمع کیے کرسی پہ آن بیٹھی، روزی بھی ہاتھ میں جوس کا گلاس تھامے ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''بی جی آپ پھولوں کے گجرے کیوں پہنتی ہیں۔'' روزی نے جوس کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے آغا جان کو پسند ہیں اس لئے۔'' بی جی نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ آغا جان کی پسند ناپسند کا خیال اب تک رکھتی ہیں، واہ میں واری صدقے جاؤں اس بڑھاپے کی سچی محبت سے۔'' روزی نے مسکراتے ہوئے اپنے شوخ انداز میں کہا تو بی جی نے پہلے اس کو اک نظر دیکھا اور پھر مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے بولیں۔

''جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو تمہیں بھی اندازہ ہو جائے گا بیٹا کہ اپنے شوہر کی پسند ناپسند کا خیال ساری زندگی رکھنا پڑتا ہے۔'' بی جان نے نرم لہجے میں کہا تو روزی نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

''بی جی میں نے آج تک کسی کی پسند کا خیال رکھا ہے جو بعد میں رکھوں گی، مجھے بس اپنی پسند سے مطلب ہے، میں شادی کے بعد بھی اپنی ہی مرضی سے رہوں گی جیسے اب رہتی ہوں۔''

''محبت بدل دیتی ہے بیٹا۔'' بی جی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''لیکن مجھے محبت ہوگی تو میں بدلوں گی اور بالفرض اگر ہو بھی گئی تو میں نہیں بدلوں گی، کیونکہ میں بدل ہی نہیں سکتی وہ بھی کسی مرد کی خاطر تو ہرگز نہیں۔''

''ہاں ایک مرد کی خاطر بدل سکتی ہوں بس۔'' روزی نے ہنستے ہوئے کہا تو بی جی نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ وہ مرد کوئی اور نہیں ''پیارے افضل'' ہے ہاہاہاہا۔'' وہ پھر سے بلند آواز میں ہنسی تھی۔

''ہائے بی جی کیا کمال کا مرد ہے قسم سے، اس کو دیکھتے ہی میرے دل کو کچھ کچھ ہوتا ہے، اس کا لمبا چوڑا قد تو میری جان لیتا ہے اور اس کی آنکھیں اف اس کی آنکھیں دیکھتے ہی دل کرتا ہے ان میں ڈوب جاؤں اور جب وہ بولتا ہے نا بی جی، تو مانیں پھول جھڑتے ہوں، ہائے ہائے کیا یاد کروا دیا بی جی آپ نے۔'' وہ آہ بھرتے

ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، پیارے افضل یعنی حمزہ علی عباسی کہ علاوہ وہ کسی مرد کے لئے نہیں بدل سکتی تھی، روزی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چل دی اور بی جی آنگن میں بیٹھی اس کو جاتا دیکھتی رہ گئیں اور پھر اپنی بیٹی کی معصومیت پر مسکرا دیں۔

''روزی اور معصوم۔'' یہ تو ان کی سوچ تک محدود رہتا تو اچھا تھا، سب کو اپنے آگے لگا کر رکھنے والی بھلا معصوم کیسے ہو سکتی تھی، یا شاید ہو بھی سکتی تھی۔

☆☆☆

وہ بچوں کا ہجوم اکٹھا کیے گاؤں کے گراؤنڈ میں کرکٹ کھیل رہی تھی، جبکہ سامنے سے آتا شخص موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا، روزی نے گیند کو ایک روز دار شارٹ لگائی تو گیند کا نشانہ بالکل سامنے کھڑا اس شخص کے ماتھے پہ جا لگا، روزی بلا وہیں پھینکتی اس شخص کی جانب لپکی، اس شخص کا فون ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے زمین پر بیٹھ گیا، گیند واقعی ہی زور سے لگا تھا، روزی اس کے قریب زمین پر آ بیٹھی۔

''ہائے ہائے قسم لے لو بھئی میں نے جان کر نہیں مارا، گیند خود آ کر تمہیں لگ گیا۔'' اب روزی سے تو کوئی پوچھنے سے رہا کہ گیند کے کون سے پاؤں تھے جو چل کر آیا اور اچھل کر اس کے ماتھے پر جا کر لگ گیا۔

وہ شخص اب تک زمین پر بیٹھا تھا، روزی اور اس کے قریب بچے جمع ہو چکے تھے۔

''آؤ میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں، تم فکر نہ کرو پیسے میں ہی دوں گی، ہمارے گاؤں میں شہر سے ایک نیا ڈاکٹر آیا ہے، ویسے میں اب تک گئی نہیں اس ڈاکٹر کے پاس، کیونکہ میں اب تک بیمار ہی نہیں ہوئی، لیکن تمہیں لے چلتی ہوں، چلو اٹھو۔'' روزی نے اس کو بازو سے تھامتے ہوئے اٹھانے کی کوشش کی۔

''I am ok آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس شخص نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ پہلے اس کو دیکھتی رہ گئی اور پھر اچانک چلا کر بولی۔

''اوے تم؟ وہ تانگے والے؟ تم ہمارے گاؤں میں کیا کر رہے ہو؟'' ایک سانس میں وہ کتنا کچھ بول لیتی تھی۔

''جی میں وہ...... پر میں تانگے والا تو ہرگز نہیں ہوں۔'' اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا تو روزی کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی ہو گئی۔

''اچھا کون ہو تم؟'' روزی نے تنک کر پوچھا۔

''آپ کے گاؤں کا نیا ڈاکٹر جو شہر سے آیا ہے اور جس کو آپ ابھی تک ملی نہیں کیونکہ ابھی تک آپ کو بخار ہی نہیں ہوا تو اس ڈاکٹر کے پاس جانا بھی نہ ہو سکا۔'' اس شخص نے روزی کے ہی انداز میں جواب دیا تو روزی نے اپنی آنکھیں گھماتے ہوئے اردگرد کھڑے بچوں کو دیکھا اور پھر اس ڈاکٹر کو۔

''اچھا...... تو تم ہو وہ شہر والے ڈاکٹر۔'' روزی نے سر سے پاؤں تک اس کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل میں ہی ہوں وہ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو تم یہاں گراؤنڈ میں آم لینے آئے ہو؟ اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔'' انداز میں چوہدری کی بیٹی ہونے کی جھلک چھلکی تھی۔

''ابھی تو میرا ڈیوٹی ٹائم نہیں ہے۔''

''اچھا نام کیا ہے تمہارا؟'' روزی نے زمین سے گینڈ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''گاؤں کے لوگوں کی عادت کتنی بری ہوتی ہے یوں انٹرویو لینے کی۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''میکال، میرا نام میکال ہے۔'' اس نے روزی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ویسے بڑا مشکل نام نہیں تمہارا؟'' روزی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''میرا نام دیکھو کتنا آسان ہے آرزو، ویسے روزی کہتے ہیں مجھے۔'' میکال کی سماعتوں سے ایک ہی نام بار بار ٹکرانے لگا تھا۔

''آروز...... آروز، ویسے سب مجھے روزی کہتے ہیں۔'' اس نام سے وہ آشنا تھا، تو کیا اس لڑکی کو وہ جانتا تھا؟ شاید ہاں..... یا شاید پھر نہیں۔

☆☆☆

وہ حویلی کے آنگن میں رکھے آسٹریلین طوطوں کے پنجرے کے پاس کھڑی تھی، طوطوں کو دانہ ڈالنے کے بعد وہ بی جی کی جانب متوجہ ہوئی۔

''بی جی! طوطے بول رہے ہیں انہوں نے باجرہ نہیں کھانا ان کو چاچے رحمت کے امرود کے باغ سے امرود لا کر کھلاؤں، میں ان کے لئے امرود توڑ کر لے آؤں بی جی؟'' روزی نے معصوم سی شکل بناتے ہوئے کہا تو بی جی فوراً غصے سے مخاطب ہوئیں۔

''روزی خبردار اگر تم امرود توڑنے گئی، پچھلی دفعہ رحمت نے تجھے بس دھمکایا تھا کہ وہ بڑے آغا جان سے شکایت کرے گا کہ تو اس کے باغ سے امرود چوری کرتی ہو لیکن اس بار وہ سچ میں تیرے آغا جان سے کہہ دے گا۔'' بی جی نے روزی کو ڈراتے ہوئے کہا، وہ اپنے آغا جان کے علاوہ کسی کے قابو نہیں آتی تھی۔

''لیکن بی جی!'' وہ مزید کچھ بولنے والی تھی کہ عقب سے آغا جان کی روعب دار آواز نے اس کو خاموش کروا دیا۔

''کس بات پر بحث چل رہی ہے؟'' آغا جان نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''آغا جان میں تو کچھ بھی نہیں بولی، بی جی ہی مجھ سے کہہ رہی تھیں جاؤ چچا رحمت کے باغ سے امرود توڑ کر لاؤ، لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ نہ بی جی میں چوری کر کے آغا جان کو شرمندہ تھوڑی کرواؤں گی۔'' روزی نان اسٹاپ بولتی چلی گئی جبکہ بی جی منہ کھولے اس کو دیکھتی رہ گئیں، آغا جان نے روزی سے اندر جانے کو کہا تو وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے بچ نکلی، اس کے بعد بی جی کی جو خبر آغاز جان نے لی ہوگی یہ سوچ کر بھی روزی کو ڈر لگ رہا تھا۔

☆☆☆

آغا جان زمینوں پر گئے تھے اور اب ان کو شام گئے ہی واپس لوٹنا تھا، بی جی کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لئے وہ آرام کر رہی تھیں، وہ حویلی میں بنا کسی کو خبر کیے باہر نکل آئی، سڑک پر اکیلے اپنی ہی دھن میں مگن چلتی وہ راستے میں پڑے ایک پتھر سے ٹکرائی اور گرتی گرتی سنبھلی اگر سنبھالنے والے نے اپنی بانہوں کا سہارا نہ دیا ہوتا، میکال کی نظریں اس کے سرخ و سفید رنگت والے چہرے پر مرکوز تھیں، روزی جلدی سے میکال سے دور ہٹی۔

''شکر ہے تم نے مجھے گرنے سے بچا لیا ورنہ بڑی ہی زور سے گرنا تھا میں نے۔'' انداز وہی شوخ سا تھا۔

''شکر ہے تم بڑی زور سے گری نہیں۔'' میکال نے اسی کے انداز میں کہتے ہوئے بغور اس کو گھورا اور پھر مسکرا کر آگے کی جانب چل دیا،

وہ چند ہی قدم دور پہنچا تو روزی نے اس کو پیچھے سے آواز لگائی۔

''او میکو!'' میکال نے بے اختیار اپنے عقب میں کھڑی روزی کو دیکھا، وہ بھاگتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔

''یہ میکو کون ہے؟'' میکال نے حیرت بھرے انداز میں پوچھا۔

''تم ہو اور میرا نام تھوڑی ہے میکو۔'' روزی نے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا۔

''میرا نام میکو نہیں میکال ہے۔'' میکال نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوہو، دیکھو ہمارے گاؤں میں ایک لڑکا شوکت رہتا ہے، ہم سب اس کو شوکی کہتے ہیں اور میری ایک دوست کا نام نبیلہ ہے ہم سب اس کو بیلا کہتے ہیں اور ایک لڑکا ہے جس کا نام عمران ہے، وہ جو کونے میں کریانے والی دکان ہے نا۔'' روزی نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔

''وہ مانے کی ہے، مطلب عمران کی ہے، تو اب تمہارا نام میکال ہے تو میں تمہیں میکو ہی کہوں گی نا۔'' روزی نے معصوم سی شکل بناتے ہوئے کہا تو میکال پہلے اس کی ساری بات بہت توجہ سے سنتا رہا اور پھر بے اختیار قہقہہ لگاتے ہوئے ہنس پڑا۔

''میں نے لطیفہ سنایا ہے جو تم دانت نکال رہے ہو؟'' روزی نے ناگواری سے پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

''سوری۔''

''مجھے تو بس یونہی کچھ سوچ کر ہنسی آ گئی تھی۔'' میکال نے روزی سے یہ نہیں کہا کہ مجھے تمہاری معصومیت پہ ہنسی آ رہی ہے یا پھر مجھے تمہارا سینس آف ہیومر بہت اچھا لگا ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں اس کے سامنے روزی کے سوالوں کے انبار لگ جاتے اور وہ اس وقت اس کے سوالوں کے جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

☆☆☆

آج صبح سے نیلگوں آسمان پہ بادل چھائے ہوئے تھے، ٹھنڈی ہوا نے موسم کو خوشگوار کر دیا تھا، تیز ہوا کے ساتھ کچھ ہی لمحوں میں بارش برسنے لگی، وہ حویلی کی چھت پہ کھڑی خوشگوار موسم کے مزے لوٹ رہی تھی، جب تیز بارش سے بچنے کے لئے وہ نیچے جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بھاگی تو اچانک اس کی نظر حویلی کے باہر ایک درخت کے نیچے کھڑے شخص پر پڑی، جو بارش سے بچنے کی خاطر درخت کے نیچے کھڑا تھا، روزی تیز بارش کی وجہ سے پوری بھیگ چکی تھی، وہ چھت کی منڈیر پہ کھڑی اسی شخص کو گھور رہی تھی، وہ شخص کوئی اور نہیں میکال ہی تھا، وہ میکال کو گھور رہی تھی، وہ اس وقت بالکل (پیارے افضل) کی ہی کاپی لگ رہا تھا، اونچا لمبا قد، سفید رنگت، گہری آنکھیں، تیکھی ناک، بے حد ہینڈسم، روزی نے اس کو وہیں کھڑے کھڑے آواز لگائی۔

''میکو!'' تیز ہوا اور بارش کے شور کی وجہ سے روزی کی آواز اس تک نہیں پہنچ سکی، روزی نے دوبارہ اس کو پکارا تھا، لیکن اب کی بار وہ پہلے کی نسبت ذرا بلند آواز میں بولی تھی۔

''میکو!'' میکال نے اوپر حویلی کی منڈیر کی جانب دیکھا، جہاں روزی کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی، وہ روزی کو دیکھنے لگا، غور سے، بہت غور سے، وہ اس کی جانب کتنی ہی دیر یوں دیکھتا رہا، روزی بھی اس کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور پھر ہاتھ سے حویلی کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

میکال نے حویلی کے گیٹ کی جانب دیکھا، حویلی آج بھی بالکل ویسی تھی جیسی دس سال پہلے وہ چھوڑ کر گیا تھا، میکال نے نفی میں سر ہلا کر آنے

سے انکار کر دیا، روزی بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتری اور ملازمہ سے چھتری لے کر وہ حویلی کے باہر چلی آئی جہاں درخت کے نیچے میکال کھڑا تھا۔

''اندر آ جاؤ، یہاں بھی تو بھیگ رہے ہو۔'' روزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' میکال نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو، تمہیں حویلی میں قید نہیں کروں گی، میری بی جان اندر ہی ہیں اور آغا جان کام سے شہر گئے ہیں۔'' میکال بی جی اور آغا جان کے نام پر ٹھٹکا تھا اور پھر سنبھلتے ہوئے بولا۔

''نہیں میں نے کہا نہ میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''اچھا پھر یہ چھتری رکھ لو، میں اندر جا رہی ہوں۔'' روزی نے چھتری میکال کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں دوبارہ ملوں گی تو واپس بھی کر دینا، میرے آغا جان جب حج کرنے گئے تھے تو وہاں سے لائے تھے، اس لئے اپنی ملکیت مت سمجھ لینا۔'' روزی نے اپنے شوخ چنچل سے انداز میں کہا تو میکال مسکرا دیا۔

''شکریہ تم مجھ پر احسان کرنے کو رہنے ہی دو تو اچھا ہے۔'' میکال نے سنجیدگی سے کہا تھا، روزی اس کو بغور دیکھتی گئی اور پھر چند ثانیے بعد بولی۔

''یہ چھتری پکڑو اور کبھی واپس نہ کرنا۔'' وہ زبردستی میکال کو چھتری تھماتی ہوئی وہاں سے چلی گئی، وہ حویلی میں داخل ہوئی تو لکڑی کا گیٹ بند کرتے کرتے ایک بار اس کو مڑ کر دیکھنا نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆

''آئی ایم سوری سجل! پلیز ناراض مت ہو، میں بتا رہا ہوں نہ کہ جب سے گاؤں آیا ہوں بہت بزی ہو چکا ہوں، سو اسی مصروفیت کے چکر میں تمہیں کال کرنا بھی بھول جاتا ہوں۔'' وہ فون پر سجل کو منانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، سجل اس کی منگیتر تھی، ان دونوں کی منگنی کو چند مہینے ہی گزرے تھے، لیکن وہ ایک دوسرے کو پچھلے تین سالوں سے جانتے تھے، سجل ایک ماڈرن دور کی ماڈرن فیملی سے تعلق رکھنے والی فیشن ایبل لڑکی تھی، میکال اور سجل کے والدین کے چونکہ بزنس ریلشنز کے ساتھ ساتھ فیملی ریلشنز بھی اچھے تھے، اس لئے میکال کی فیملی نے اس کا رشتہ سجل سے طے کر دیا، میکال نے ایک دو بار انکار کیا تھا لیکن اس کے والد جو کہ اپنے فیصلے پر اٹل تھے اس لئے پھر میکال نے بھی رضا مندی ظاہر کر دی، سجل میکال کو پسند کرتی تھی اور جب سے دونوں کی منگنی ہوئی تھی میکال اس کے نخرے ہی اٹھا رہا تھا، لیکن اس کو سجل کے نخرے برے نہیں لگتے تھے کیونکہ آج نہیں تو کل اس کو کسی نہ کسی کے نخرے جھیلنے ہی تھے تو سجل کے نخرے ہی سہی۔

☆☆☆

''تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' آرزو اس کی ڈسپینسری میں بی جی کی دوائی لینے آئی تھی، بی جی تو ساتھ نہیں آسکیں تھیں کیونکہ وہ حویلی سے بہت کم نکلتی تھیں، کوئی پابندی نہیں تھی لیکن ان کو باہر جانا پسند نہیں تھا، اس لئے ان کے حصے کی کسر بھی روزی پوری کر دیتی تھی۔

''میں کیوں پریشان ہونے لگا؟'' میکال نے مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب، کہ آپ منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں۔'' روزی نے

ہاتھ میں پہنی چوڑیوں کو گھماتے ہوئے کہا، میکال بھی اس کی چوڑیوں کو دیکھنے لگا، کالے رنگ کی سادی چوڑیاں اس کی سفید نازک کلائی پر خوب جچ رہی تھیں۔

''اب تم مجھے یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ چوڑیاں میری کلائی میں بہت خوبصورت لگ رہی ہیں؟'' روزی نے یوں اس کو اپنی چوڑیوں کو گھورتے دیکھ کر کہا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں روزی؟'' میکال نے مسکراتے ہوئے اپنا موڈ بدلنے کی خاطر گفتگو کو مزید لمبا کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بتاؤ۔''

''تم اب بھی نیم پاگل ہو۔'' میکال نے مدھم آواز میں بغور اس کو دیکھتے کہا۔

''نیم پاگل ہوں؟'' روزی نے اپنی شربتی رنگ بڑی بڑی آنکھوں کو مزید بڑا کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن بی جی تو کہتی ہیں میں انتہا درجے کی پاگل ہوں۔'' روزی نے کھلکھلاتے ہوئے کہا تو وہ بھی بے اختیار قہقہہ لگاتا ہوا ہنس پڑا۔

''تمہیں میں اپنی بی جی سے ملواؤں گی، وہ تمہیں بتائیں گی میں کتنی پاگل ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی اور میکال اس کو گھور رہا تھا، وہ اپنی پریشانی کو بھول کر اس کے ساتھ مسکرانے لگا۔

وہ ایسی ہی تھی، سب کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی تھی، جس کے ساتھ بھی رہتی اس کی پریشانی ایک لمحے میں رفو چکر کر دیتی تھی، کیونکہ روزی کو سب کو اپنے رنگ میں رنگنے کا ہنر بہت اچھے سے آتا تھا، میکال بی جی کی دوائیاں لکھ رہا تھا جب روزی نے ایک بار پھر سے اس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''میکو کل ہمارے گاؤں میں میلہ ہے، تم چلنا میرے ساتھ، بہت مزا آئے گا۔'' میکال نے نظریں اٹھا کر روزی کو دیکھا اور پھر انکار کرتے ہوئے دوبارہ کاغذ پر دوائیاں لکھنے لگا۔

''نہیں؟'' روزی نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

''نہیں۔'' میکال نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''مرضی تمہاری۔'' وہ منہ بسورتی اٹھ کھڑی ہوئی اور بی جی کی دوائیاں لینے کے بعد واپس حویلی چلی آئی، سارا راستہ وہ میکال کے انکار پر جلتی رہی تھی، نہ جانے کیوں؟

☆☆☆

وہ سرخ رنگ کی پٹیالہ شلوار قمیض میں ملبوس گلے میں دوپٹہ ڈالے پاؤں میں کھسہ پہنے کسی گلاب کی کلی سے کم حسن نہیں ڈھا رہی تھی، اپنے لمبے گھنے بالوں کو پراندے میں قید کیے آنکھوں میں کاجل لگائے وہ اپنے گاؤں کی سہیلیوں کے ساتھ میلے میں آ گئی۔

میلے میں لوگوں کا بے حد ہجوم تھا، روزی نے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے اک نظر اپنی دوستوں پر ڈالی جو کہ سامنے آسمانی جھولے کے پاس کھڑیں تھیں اور روزی کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی جانب بلا رہی تھیں، روزی نے اپنے قدم ان سب کی جانب بڑھا دیے، وہ سب جھولے میں بیٹھ گئیں، جھولا چند منٹ بعد اپنی پرواز چڑھنے لگا، جھولے میں بیٹھے لوگوں کا شور اس قدر تھا کہ روزی نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے، روزی کھلکھلا رہی تھی، مسکرا رہی تھی، جھولے کے نیچے کھڑے لوگوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی، روزی کی نظر اتنے ہجوم میں کھڑے ایک شخص پر آن رکی۔

''کوئی اپنا سینکڑوں لوگوں میں بھی کھڑا ہو تو آنکھیں اس کو آسانی سے تلاش کر لیتی ہیں۔'' روزی نے جھولے پر بیٹھے بیٹھے ہی میکال کو بلند آواز میں پکارنا شروع کر دیا۔

''میکو...... میکو۔'' روزی کی آواز اس تک نہ جا سکی تھی، روزی دونوں ہاتھوں کو ہلا کر میکال کو اشارے کرنے لگی لیکن میکال کی نظر اس پر نہیں پڑی۔

جھولا رکتے ہی وہ جلدی سے نیچے اتری اور بھاگتی ہوئی میکال کے قریب پہنچی، اس کی سب دوستیں ابھی جھولے میں ہی تھیں، وہ سب دوبارہ جھولا لینے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

''میکو!'' روزی اس کے قریب پہنچتے ہی چہکی تھی، میکال نے اک نظر اس کے سراپہ حسن پر ڈالی۔

''تم آ گئے؟ کل تو بڑا نہ نہ کر رہے تھے۔'' روزی نے ہلکی سی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تم اکیلی آئی ہو؟'' میکال نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں میری سب دوستیں بھی آئی ہیں۔''

''بی جی اور آغا جان کی اجازت سے آئی ہو؟'' سوال پھر سنجیدگی سے کیا گیا، روزی نے اک نظر میکال کو گھورا اور پھر چہکتی ہوئی بولی۔

''میں ان سے چھپ کر آئی ہوں، ظاہر ہے بھئی ان کو پتہ ہے میں میلے میں ہوں۔'' روزی نے دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا۔

''تو یہ دوپٹہ جو بار بار سرکتا جا رہا ہے اور تم بار بار اس کو ٹھیک کر رہی ہو کیا یہ سر پر نہیں لیا جا سکتا؟'' میکال کی سنجیدگی اب تک قائم تھی، روزی اس کی اس بات اور انداز دونوں پر حیران ہوئی تھی۔

''تم سے مطلب؟ میں دوپٹہ گلے میں ڈالوں یا سر پر اوڑھوں تمہیں اس سے کوئی مسئلہ ہے؟'' روزی نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکاتے ہوئے پوچھا تو میکال اس کو بغور گھورنے لگا۔

میکال نے آج تک کجل سے تو ایسا نہیں کہا تھا، جبکہ وہ تو اس کی منگیتر تھی، وہ تو جینز شرٹ پہنتی تھی اور دوپٹہ سر پر تو کیا گلے میں بھی ڈالنا گوارہ نہیں سمجھتی تھی، تو میکال نے اس کو کیوں آج تک ایسا نہیں کہا تھا، کیا وہ کجل پر اپنا حق نہیں سمجھتا تھا؟ یا پھر اس پر اپنا حق ہوتے ہوئے بھی جتانا ضروری نہیں سمجھتا تھا؟

''جواب دو اب؟'' روزی نے اس کی سوچ کے تسلسل کو توڑتے ہوئے کہا۔

''ہر بات کا جواب نہیں ہوتا اور اچھے گھروں کی لڑکیاں اچھے سے اپنا آپ کور کر کے باہر نکلتی ہیں، اس لئے جہاں تک میں تمہیں جان پایا ہوں تم بھی ایک اچھے گھر کی لڑکی ہو۔'' میکال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ڈاکٹر صاحب!'' روزی نے اپنا دوپٹہ سر پہ اوڑھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو میکال کے دل میں اک خوشی کی لہر دوڑی تھی کہ روزی نے اس کی بات کو رد نہیں کیا تھا، اس کی بات کا مان رکھتے ہوئے اس نے فوراً سے سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا تھا۔

''اب تم بتاؤ؟ تم کیوں آئے؟ تم نے تو کل آنے سے انکار کر دیا تھا؟'' وہ دوبارہ سے اپنے سوال پر آن رکی۔

''ڈیوٹی نہیں تھی میری، بور ہو رہا تھا اس لئے چلا آیا۔'' میکال نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا، جبکہ اس کی ڈیوٹی تھی، لیکن وہ اپنی ڈیوٹی پر کسی دوسرے ڈاکٹر کو چھوڑ کر آیا تھا، صرف روزی کی خاطر، کیونکہ وہ جانتا تھا وہ اکیلی ہی جائے گی

اور میلوں میں کتنے برے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، اس لئے وہ صرف اس کی حفاظت کے لئے آیا تھا، اس کا محافظ بن کر'' آخر وہ اس کے خاندان کی عزت تھی'' اور خاندان کی عزت تو سب کو پیاری ہوتی ہے، ڈیوٹی سے بھی پیاری، کیا رشتہ تھا آخر میکال کا روزی سے؟ جس سے روزی خود بھی بے خبر تھی۔

''چلو آؤ برف کا گولا کھاتے ہیں۔'' روزی نے اس کا بازو تھام کر میکال کو برف کا گولوں کے ٹھیلے کی جانب گھسیٹتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتا ہوا چل دیا۔

روزی برف کا گولا کھا رہی تھی جبکہ میکال اپنا گولا ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا، روزی نے جب دیکھا کہ وہ برف کا گولا نہیں کھا رہا اور بس یونہی پگھلا رہا ہے تو اس نے اپنا گولا ختم کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے اپنے منہ کے قریب کیا اور اسی کے ہاتھ سے اس کا برف کا گولا کھانے لگی، کتنی شوخ چنچل اور معصوم تھی روزی، لوگ کیا کہیں گے اس کو فکر نہیں تھی، میکال اس کی اس حرکت پر تھوڑا محتاط ہوا تھا کہ گاؤں کے لوگ چھوٹی بات کو بھی بہت بڑا کر دیتے ہیں۔

''یہ پکڑو...... اور خود کھاؤ۔'' میکال نے گولا اس کو تھماتے ہوئے کہا، وہ بے اختیار کھلکھلا اٹھی۔

''غصہ آ گیا ڈاکٹر جی؟'' روزی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تمہارا ملازم نہیں ہوں کہ تمہیں برف کے گولے بھی اپنے ہاتھوں سے کھلاتا پھروں۔'' میکال نے اپنی جینز سے ٹشو نکال کر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی، برف کا نہیں تو پھر کون سا گولا تم مجھے اپنے ہاتھ سے کھلانا پسند کرو گے؟'' روزی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں جواب دوں گا تو تم پھر لڑنے بیٹھ جاؤ گی اور اس بھرے میلے میں مجھے لڑائی نہیں کرنی۔'' میکال نے ہنستے ہوئے روزی کو جواب دیا۔

''ویسے تمہیں میلے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' میکال پھر سے سنجیدہ ہو گیا۔

''کیوں؟'' روزی نے تنک کر پوچھا۔

''بہت بری اور بے ہودہ حرکتیں ہوتیں ہیں میلوں میں، اس لئے لڑکیوں کو نہیں جانا چاہیے۔''

''میرے ساتھ تو کبھی کوئی ایسی ناگوار حرکت نہیں ہوئی۔'' روزی نے لاپرواہی سے جواب دیتے ہوئے کہا، ان دونوں کی گفتگو کے دوران میکال کے سیل فون کی رنگ ٹون نے میکال کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''تم یہیں رکو، میں ذرا فون سن لوں، یہاں سے اب کہیں مت جانا۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تو روزی نے بغور اس کو گھورتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''اچھا۔'' میکال شور سے تھوڑا دور آ کر اپنی ماما کی کال سننے لگا، جو کہ سخت ناراضگی کا اظہار کر رہی تھیں، وہ جب سے گاؤں آیا تھا جیسے اپنے گھر والوں سے کٹ کر رہ گیا تھا، ہفتوں گزر جاتے لیکن وہ گھر کال نہ کرتا، جیسے وہ جان چھڑوا کر گاؤں آیا تھا، گاؤں آنے سے پہلے اس کے والدین نے اس کو کافی روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میکال نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنے فیصلے پر اٹل رہا، اس لئے آج وہ گاؤں میں موجود تھا، وہ ہمیشہ سے ایک اچھا ڈاکٹر بن کر اپنے گاؤں والوں کی مدد کرنا چاہتا تھا اور اس نے اپنے بچپن میں دیکھے گئے اس خواب کو پورا بھی کر دکھایا تھا،

لیکن شاید پرانے خواب پورے کرتے کرتے کچھ نئے خواب اب اس کی آنکھوں میں جنم لینے والے تھے۔

وہ ماما سے بات کرنے کے بعد واپس اسی جگہ چلا آیا جہاں وہ روزی کو کھڑا کر کے گیا تھا، لیکن اب محترمہ وہاں موجود نہیں تھیں۔

میکال نے اپنے اردگرد نظریں دوڑائیں اور روزی کو تلاشنہ چاہا مگر وہ اس کو نہیں دکھائی دی، میکال نے اپنے عقب میں مڑ کر دیکھا، روزی کو چند لڑکوں نے گھیر رکھا تھا، شاید وہ لڑکے کسی دوسرے گاؤں کے تھے کیونکہ اپنے گاؤں کے لڑکوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ کوئی روزی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتا، روزی ان کے گھیراؤ سے نکلنے کے لئے قدم بڑھاتی تو وہ ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھ کر اس کا رستہ روک لیتا، میکال جلدی سے روزی کی جانب بڑھا اور ایک لڑکے کو اس کے گریبان سے پکڑتے ہوئے اس کے منہ پر کھینچ کر تھپڑ رسید کیا جبکہ دوسرے دو لڑکے میکال کو مارنے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ روزی اس کا بازو تھامتی ہوئی وہاں سے جانے لگی، میکال نے ایک جھٹکے میں اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا اور ان لڑکوں کی جانب بڑھ گیا، روزی میکال کو دیکھتی رہ گئی، میکو بیچارہ ایک تھا اور وہ تین، روزی کا تو حلق خشک ہونے لگا، ایک لڑکے نے میکال کو زمین پر پڑا پتھر اٹھا کر مارا، جو اس کے سر میں لگا تھا، چند ہی لمحوں میں میکال کا پورا چہرہ لہولہان ہوگیا، روزی بھاگتی ہوئی میکال کی جانب بڑھی، وہ تینوں لڑکے میکال کو یوں خون میں لت پت دیکھ کر ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے، لوگوں کا ایک مجمع سا لگ گیا تھا، میکال روزی کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا، روزی سے میکال کا خون سے بھرا چہرہ دیکھا نہیں جا رہا تھا، اس نے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کیا، میکال کے سر میں اک درد کی ٹیس سی جاگی تھی جس نے اس کو کراہنے پر مجبور کیا تھا۔

''میکو تم ٹھیک تو ہو نا؟'' روزی اپنا دوپٹہ ایک کونے سے پھاڑ کر اس کے سر میں باندھ دیا کہ اس کا خون بہنا تھم جائے۔

''ہو گئی نا آج بے ہودہ حرکت تمہارے ساتھ؟ آج کے بعد تم مجھے کسی بھی میلے میں جاتی دکھائی مت دو، گھر واپس چلو اب۔'' میکال کے لہجے میں سختی خود بخود اتر آئی تھی، روزی بغور اس کو گھورنے لگی جبکہ میکال وہاں لگے ایک نلکے سے منہ دھونے لگا اور اپنا خون سے بھرا چہرہ صاف کرنے لگا۔

''چلو اب۔'' میکال نے منہ دھو کر واپس روزی کی جانب مڑتے ہوئے کہا، وہ بنا کوئی بحث کیے چپ چاپ میکال کے پیچھے چل پڑی۔

میکال آگے چل رہا تھا اور روزی اس کے پیچھے، ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ کسی کے پیچھے چل رہی ہے ورنہ روزی تو سب سے آگے ہوتی تھی اور سب روزی کے پیچھے، میکال نے ذرا سی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا کہ وہ آ بھی رہی ہے یا پھر کسی سے شرارت کرنے کھڑی ہوگئی۔

وہ اس کے پیچھے ہی آ رہی تھی، نظریں جھکائے کچھ پریشان سی کیفیت میں، میکال نے واپسی کے سارے راستے اس سے بات نہیں کی تھی اور میکال حیران تھا کہ روزی نے بھی اس کو نہیں بلایا تھا اور نہ ہی کوئی بات کرنے کی کوشش کی تھی اور دونوں نے پورا راستہ خاموشی سے طے کیا۔

☆☆☆

بلیک کلر کی کرولا اوور اسپیڈ میں روزی کے قریب سے گزری تھی اور روزی کے سارے

کپڑے کیچڑ کی چھینٹوں سے خراب ہو گئے تھے، روزی جو کہ اپنی زمینوں پر آغا جان کے ساتھ آئی تھی اب واپس گھر جا رہی تھی، آغا جان کو کچھ ضروری کام آن پڑا تھا اس لئے ان کو واپسی پر دیر ہو سکتی تھی، انہوں نے اپنے ادھیڑ عمر ملازم کے ساتھ روزی کو واپس گھر بھیج دیا اور گھر واپس جاتے ہی یہ واقع پیش آیا تھا جس پر روزی جل کر رہ گئی تھی، روزی نے ایک بار اپنے گندے کپڑوں کو دیکھا اور پھر ایک نظر اس بلیک کرولا پر ڈالی، جو روزی کے کپڑے گندے کر کے گزری تھی، روزی نے غصے کی ایک نگاہ دور جاتی کرولا کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ آخر یہ بدتمیز شخصیت کون تھی جو ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھی، جو گاڑی کو زمین پر دوڑا نہیں بلکہ اڑا رہی تھی، سوچتے سوچتے اس نے اپنے قدموں کی رفتار بڑھا دی اور ملازم کے ساتھ چلنے لگی۔

جینز شرٹ میں ملبوس، پاؤں میں ہائی ہیلز پہنے آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز چڑھائے اور کوئی نہیں بلکہ وہی تھی جس نے کل گاڑی کو ہوائی جہاز سمجھتے ہوئے روزی کو کراس کیا تھا، روزی نے ایک نظر میں ہی اس کو پہچان لیا، وہ گاؤں کے سرکاری ہاسپٹل کے باہر کھڑی کسی سے فون پر بات کر رہی تھی، جب روزی میکال سے ملنے ہاسپٹل آئی تھی، روزی اس کو دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھی۔

''تمہیں تمیز نہیں سکھائی کسی نے؟'' روزی نے اپنے دونوں بازوؤں باندھتے ہوئے غصے سے اس کو مخاطب کیا اور وہ جو کسی سے فون پر بات کر رہی تھی روزی کو سن کر ان سنا کر گئی، روزی کو اس کی اس حرکت پر مزید غصہ آیا تھا۔

''لگتا ہے بدتمیز ہونے کے ساتھ ساتھ اندھی اور بہری بھی ہو۔'' روزی نے ایک بار پھر سرخ پڑے چہرے سے اس کو مخاطب کیا تو اس لڑکی نے فون بند کر کے روزی کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے سن گلاسز اتارے۔

''Who are you?'' اس لڑکی نے روزی سے پوچھا تو وہ بغور اس کو گھورنے لگی۔

''کون ہو تم؟'' اب کی بار اردو میں اس لڑکی نے ناگواری سے پوچھا۔

''اور یہ بدتمیز، اندھی، بہری تم کس کو بول رہی تھی؟'' اس نے روزی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے تم اکیلی کھڑی ہو میرے پاس تو تمہیں ہی بول رہی تھی۔'' شعلے برساتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے روزی نے اس کو جواب دیا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے شاید، پاگل ان پڑھ جاہل گوار، پتہ نہیں کہاں کہاں سے اٹھ کر چلے آتے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی روزی کو اگنور کرتی ہاسپٹل کے اندرونی حصے میں داخل ہونے لگی کہ روزی نے اس کا بازو تھام کر اس کو روک لیا۔

''رکو تو اب جاتی کہاں ہو، تم نے بھی روزی سے پنگا لیا ہے۔'' اب بچ کر جانا تو مشکل تھا۔

''یہ پاگل، ان پڑھ، جاہل گوار تم نے کس کو کہا؟'' روزی نے غصے میں بلند آواز میں پوچھا۔

''تمہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''جو فضول میں میرے گلے پڑ رہی ہو۔''

''فضول میں نہیں تمہاری حرکت ہی ایسی تھی کہ مجھے تمہارے گلے پڑنا پڑا، کل جس طرح تم نے میرے کپڑوں پر کیچڑ اچھال کر مجھے کراس کیا تھا اس کے بعد ایک بات تو میں جان گئی ہوں کہ

تم انتہائی بدتمیز اور بگڑی ہوئی امیر زادی ہو، لیکن اب جبکہ تم اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے ڈھٹائی سے مجھ سے مزید بدتمیزی کر رہی ہو تو مجھے اندازہ ہوگیا ہے تم کس ٹائپ کی ہو۔'' روزی غصے میں آگ بگولہ ہوئی اس پر برس رہی تھی جب ہاسپٹل کے اندرونی حصے سے میکال آتا دکھائی دیا، وہ ان دونوں کی جانب ہی بڑھ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' میکال نے دونوں کے قریب پہنچتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھو نا پتہ نہیں کون جاہل ہے بلاوجہ میرا دماغ خراب کر رہی ہے۔'' سجل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

سجل، میکال کو سرپرائز دینے کے لئے یہاں اس سے ملنے آئی تھی اور اب باہر کسی کی کال سننے کے لئے نکلی تھی کہ روزی نے اس کو گھیر لیا۔

''تم اس کو جانتے ہو؟'' روزی کو جیسے ایک عجیب سا جھٹکا لگا تھا۔

''ہاں یہ سجل ہے...... سجل میری...... میری منگیتر!''

''آہ۔'' کوئی کانٹا تھا جو منگیتر کے نام پہ روزی کی دل میں آن چبھا تھا، روزی نے میکال کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر سجل کی، وہ دونوں بھی روزی کو ہی دیکھ رہے تھے۔

روزی مزید کچھ کہے بنا وہاں سے واپس حویلی چلی آئی، میکال نے بھی اس کو جانے سے نہیں روکا تھا۔

''کون تھی یہ پاگل؟'' روزی کے جاتے ہی سجل نے میکال سے پوچھا۔

''کوئی نہیں، یہاں کے چوہدری کی بیٹی ہے۔'' میکال نے عجیب سے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''چلو اندر چلتے ہیں، باہر کافی گرمی ہے۔''

سجل نے اس کا ہاتھ تھام کر قدم بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ بھی خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا۔

☆☆☆

گرمیوں کی تپتی شاموں میں
حبس بن کر آتی ہیں یادیں تمہاری

صبح سے موسم عجیب گھٹن والا تھا اور اب شام ہوتے ہی موسم میں کچھ خوشگواریت محسوس ہوئی تھی، نیلگوں آسمان پر بادلوں کا راج ہونے لگا تھا، فضا میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے کچھ سکون بخشا تھا وہ اپنے کمرے سے نکل کر حویلی کی چھت پر چلی آئی، جہاں سے پورے گاؤں کا منظر با آسانی نظر آتا تھا، حویلی کے چاروں اطراف سے دکھائی دینے والے ہرے بھرے کھیت آنکھوں کو تسکین بخشتے تھے، روزی نے اپنی گوری کلائیوں میں پہنی ہرے رنگ کی سیاہ چوڑیوں پر ایک نظر ڈالی جو اس نے میلے میں میکال سے ضد کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں سے اپنی کلائیوں میں پہنی تھیں، روزی نے ایک ایک کر کے سب چوڑیوں کو اتار کر زمین پر پھینک دیا، سب کانچ کی چوڑیاں کرچی کرچی ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔

روزی حویلی کی منڈیر پر بازو ٹکائے کھیتوں کی ہریالی کو دیکھنے لگی، سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ ہمیشہ سے دیکھتی آئی تھی، لیکن آج اس کا دل نہ جانے کیوں ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا اور وہ اپنی اس حالت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی، یا پھر شاید سمجھ کر بھی نا سمجھ ہی رہنا چاہتی تھی، آج تین دن سے وہ حویلی سے باہر نہیں گئی تھی اور یہ پہلا ایسا موقع تھا جب وہ تین دن تک گھر میں بند رہی ہو، اس بات پر حویلی کے ملازم اور خود بی جی بھی حیران تھیں، لیکن کسی نے بھی اس کر کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا، جبکہ بی جی نے تو اللہ کا شکر

ادا کیا تھا اس نے اپنی آوارگی پر قابو تو پایا، پر کیسے پایا یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔

اس کی طبیعت میں اک عجیب سا اوچھل پن در آیا تھا، جس کو اس کی بی جی اور آغا جان نے بھی باآسانی محسوس کر لیا تھا، جن کی بیٹی چوبیس گھنٹے ہنستی کھلکھلاتی رہتی تھی، پوری حویلی میں جس کی آواز چڑیوں کے شور کی طرح چہکتی تھی وہ ایک دم سے کیسے اتنی سنجیدہ اور خاموش ہو گئی تھی، آغا جان نے بھی اپنی لاڈلی کو محبت سے اعتماد میں لیتے ہوئے اس کی پریشانی کی وجہ جاننی چاہی تھی لیکن اس نے بات کو گول مول کرتے ہوئے ان کو ٹال دیا تھا جبکہ بی جی اگر اس کو کچھ پوچھنے کی کوشش کرتیں تو وہ چڑ جاتی تھی اور اس کے یوں غصہ کرنے پر بی جی مزید فکر مند ہو جاتیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتیں کہ ان کی آرزو تو ہرگز ایسی نہیں تھی، وہ تو بہت ہنس مکھ شخصیت کی مالک تھی، تو پھر اچانک اس کے مزاج میں یہ تبدیلی کیوں آ گئی تھی، تھک ہار کر بی جی نے بھی فی الحال اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ مناسب وقت آنے پر وہ خود ہی اپنے دل کی بات ان کو بتا دے گی۔

اپنی اس عجیب حالت سے اکتا کر آج ایک ہفتے بعد وہ بی جی کو بتا کر اپنے باغ میں چلی آئی تھی، بی جی نے بھی اس کو جانے سے نہیں روکا تھا۔

پہلے جب وہ باغ میں آتی تھی تو کبھی امرود کے درخت پر چڑھ کر امرود کھانے لگتی اور کبھی آم کے درخت پر چڑھ کر آم توڑ کر گاؤں کے بچوں میں بانٹ دیتی، باغ میں دو مور تھے جس میں سے ایک نے اپنے انتہائی دلکش پروں کو پھیلا رکھا تھا، روزی نے اک نظر اس خوبصورت مور پر ڈالی۔

''کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

آج وہ امرودوں کے درخت پر چڑھی تھی اور نہ ہی آموں کے، آج وہ بس اداس سی اک گھنے درخت کے نیچے کھڑی تھی، پورے باغ کے پھل دار درخت اور پھول خوش لگ رہے تھے، لیکن روزی کی آج کسی چیز پر بھی خاص توجہ نہیں تھی، درخت پر بیٹھی مینا کچھ اس طرح سے پھولوں کو کاٹ کاٹ کر نیچے گرا رہی تھی جیسے کوئی نیا صدر آنے پر اس کی خوشامدی پر اس کے کارکن پھول نچھاور کرتے ہوں، اسی طرح اداس کھڑی روزی پر بھی چنبیلی کے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی، چنبیلی کے پھولوں نے باغ کو کچھ اس طرح سے معطر کر رکھا تھا کہ جو بھی باغ میں داخل ہوتا وہ کسی نہ کسی خواب نگر میں ضرور کھو جاتا، قریب ہی ٹیوب ویل کا بہتا ہوا پانی ہر ایک پھل پودے کو اس طرح دیا جا رہا تھا جس طرح کوئی آسمان پر رنگ برنگے پرندوں کے غول کی لہریں جاتی ہوں، لیکن روزی تو اب بھی اداس تھی، روزی کو کسی خوش آواز پرندے کی آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا، اس نے نظریں اٹھا کر درخت کی ایک شاخ پر بیٹھی کوئل کو دیکھا، کوئل کی آواز یوں تھی جیسے کانوں میں رس گھولتی ہو، یہ خوبصورت سا باغ رنگ برنگے پھولوں سے مہکتا ہوا، پھل دار درختوں میں سجا ہوا، یہ باغ بھی آج روزی کو خوش نہیں کر پایا تھا، اس کی طبیعت کا بوجھل پن ابھی بھی ویسا ہی تھا، جب سے اس کو میکال کی منگنی کا پتہ چلا تھا تب سے جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ اس کے دل پر آن پڑا تھا، جس کا وزن اس کی برداشت سے بھی زیادہ تھا اور وہ اس بوجھ کو اٹھا نہیں پا رہی تھی، اس کا موڈ جب کچھ خاص بہتر نہ ہو پایا تو اس نے واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے قدم

بڑھا دیئے، وہ میکال کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جب کانچ کا کوئی ٹکڑا اس کے نازک پاؤں میں چبھا تھا، اس نے کھلی چپل پہن رکھی تھی، اس کانچ کی درد کی شدت نے روزی کو کراہنے پر مجبور کر دیا، وہ وہیں ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی، روزی میں اتنی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ اپنے پاؤں سے اس کانچ کو نکال پائے، وہ درد کو برداشت کرتی ہوئی اپنا پاؤں دیکھتی رہی اور پھر تھوڑی سی ہمت کر کے کانچ نکالنے کے لئے ہاتھ کو پاؤں کے قریب کرتی ہوئی ذرا سی جھک گئی، لیکن اس کے کانچ نکالنے سے پہلے ہی وہ اس کے قریب آن بیٹھا تھا اور اس کا پاؤں تھامتے ہوئے ایک جھٹکے سے کانچ پاؤں سے نکال کر دور پھینکا تھا، روزی کے پاؤں سے ننھے ننھے خون کے قطرے زمین پر گر رہے تھے، میکال نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے پاؤں پر باندھا اور اس کو سہارا دیتے ہوئے اٹھنے میں مدد کی تھی، وہ درد سے سسکتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، روزی نے میکال کی جانب ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔

''آخر تم اس قدر لاپرواہ کیوں ہو؟'' میکال کے لہجے میں فکر مندی تھی، روزی نے اس کو کوئی جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

میکال نے رک کر روزی کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں ہر وقت اک عجیب سی چمک ہوتی تھی اب وہاں عجیب سی ویرانی تھی، ایک ہفتے بعد وہ اس کو دیکھ رہا تھا لیکن روزی کی حالت سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کوئی صدیوں بعد اس کو دیکھ رہا ہے اس لئے وہ اتنی بدلی بدلی لگ رہی ہے، کیونکہ اتنی جلدی تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا نا۔

''لوگ تو لمحوں میں بدل جاتے ہیں اس کو تو پھر ہفتہ ہوا تھا بدلے۔''

''محبت ایسی ہی ظالم شے ہے، ہنستوں کو رلانا تو جیسے اس کا اہم فریضہ ہے۔''

''تم ٹھیک تو ہو؟'' میکال نے اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا، وہ خاموش بت بنی کھڑی رہی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟'' میکال نے سنجیدگی سے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں ٹھیک نہیں لگ رہی کیا؟'' روزی نے روکھے پن سے کہا۔

''بالکل نہیں۔'' میکال کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''تو پھر نہیں ہوں ٹھیک۔'' روزی نے اپنے پاؤں سے بہتے خون کو دیکھتے ہوئے کہا جو رومال کو بھی اب بھگوتا ہوا بہتا ہی جا رہا تھا۔

میکال مزید کوئی سوال کیے بنا اس کو ہسپتال لے آیا اور پاؤں پر پٹی کرنے کے بعد حویلی کے گیٹ تک بھی خود چھوڑ کر آیا تھا، روزی کو اس کا یوں اپنی خاطر فکر مند ہونا اب اچھا نہیں لگتا تھا، اس لئے اس نے حویلی واپسی کے راستے پر یہ بات بول دی تھی، کہ میری اتنی فکر کرنے کی بجائے تم اپنی اس شہری منگیتر کا خیال رکھا کرو، جس کے ساتھ تم منگنی رچائے بیٹھے ہو، روزی کے لہجے میں سختی کے ساتھ ساتھ عجیب سی جیلسی بھی تھی جس کو وہ نہیں سمجھ پایا تھا۔

میکال نے اس کی بات پر روزی کو ایک نظر بغور دیکھا، روزی نے اپنا رخ موڑ لیا، اس کے بعد وہ دونوں میں مزید کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی، روزی حویلی کا گیٹ عبور کرتی ہوئی دھیرے دھیرے سے قدم بڑھاتی حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئی، میکال اس کو جاتا دیکھتا رہا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

☆☆☆

رات کے پچھلے پہر وہ اپنے کمرے کی

کھڑکی میں کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی، روزی کی نظریں تو چاند پر تھیں لیکن سوچوں کا سیارہ کہیں اور ہی گردش کر رہا تھا، چاند کو دیکھتے دیکھتے اس کو کسی نامعلوم شاعر کی غزل یاد آ گئی تھی۔

پورا دکھ اور آدھا چاند
ہجر کی شب اور ایسا چاند
اتنے گھنے بادل کے پیچھے
کتنا تنہا ہو گا چاند
میری کروٹ پہ جاگ اٹھے
نیند کا کتنا کچا چاند
صحرا صحرا بھٹکتا رہا
اپنے عشق میں سچا چاند
رات کے شاید ایک بجے ہیں
سوتا ہو گا میرا چاند

جس کی محبت میں وہ گرفتار ہو چکی تھی، جس کو وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر یاد کرنے لگی تھی وہ تو اس وقت سکون کی میٹھی نیند سو رہا ہو گا۔

''مجھ سے میری نیندیں چھین کر وہ خود کتنے سکون میں ہے۔'' روزی نے دل ہی دل میں سوچا۔

''نہیں مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے، وہ میرا نہیں ہے اور نہ ہی کبھی میرا ہو سکتا ہے، وہ تو کسی اور کی امانت ہے، میں اس کو کسی سے کیسے چھین سکتی ہوں۔'' وہ خود ہی اپنے سوالوں کا جواب دے رہی تھی جب اس کا دل اس کے کسی بھی جواب سے مطمئن نہ ہوا تو وہ قدم بڑھاتی ہوئی بیڈ کی جانب چلی آئی اور سونے کی ایک ناکام سعی کرنے لگی، کئی لمحے کروٹیں بدلتے ہی گزر گئے لیکن نیند اب تک اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ جو نیند کی بھی شیدائی تھی آج لاکھ کوششوں کے باوجود بھی سو نہیں پا رہی تھی، روزی کو وہ اتنا یاد آ رہا تھا کہ وہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی بالکل پاس نہیں تھا، اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تکیے میں جذب ہونے لگے، رات کے اس پہر یہ بے جان تکیہ ہی اس کا سہارا بنا تھا، جو اس کے آنسوؤں کو بنا کسی سوال جواب کے اپنے اندر جذب کرتا جا رہا تھا، وہ کتنی ہی دیر بے آواز آنسو بہاتی رہی اور روتے روتے نیند نے کب اس کو اپنی آغوش میں لے لیا اس کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

صبح جب وہ جاگی تو بی جی حویلی کے آنگن میں کھڑیں مالی بابا سے پودوں کی کیاریوں کی اچھی طرح صفائی کروا رہیں تھیں، روزی ہاتھ دھو کر سیدھا آنگن میں ہی چلی آئی، بی جی اس کو دیکھتے ہی روزی کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''پاؤں کی چوٹ کیسی ہے اب؟''

''جی بہتر ہے۔'' روزی نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا ناشتہ کر لو پھر جا کر ڈاکٹر سے پٹی تبدیل کروا لینا برسات کا موسم ہے زخم کی لاپرواہی نہیں کرتے۔'' بی جی اس کی حالت سے بے حد پریشان تھیں، لیکن اس کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرتیں تھیں۔

''دل کے زخموں کی کوئی فکر کیوں نہیں کرتا؟ روح پر لگنے والی چوٹیں کسی کو محسوس کیوں نہیں ہوتیں؟ ان سب تکلیفوں کا بھی تو کوئی علاج ہونا چاہیے نا بی جی۔'' روزی نے کھوئے کھوئے سے انداز میں بی جی سے یہ سب کہہ ڈالا تو وہ اس کی ان گہری باتوں پر اس کو دیکھ کر رہ گئیں، وہ ماں تھیں اولاد کو ایک لمحے میں بھانپ سکتی تھیں کہ وہ کس بات کو کس انداز میں کہہ رہی تھی، وہ چند ثانیے روزی کو بغور دیکھتی رہیں اور پھر نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔

''روزی! مجھے بتاؤ بیٹا آخر کیا پریشانی

ہے۔'' ان کی بات پر روزی نے بی جی کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں ان کی ممتا کی محبت کے ساتھ اکلوتی اولاد کے لئے فکر مندی بھی تھی۔

''بی جی میں بدل گئی ہوں، جانتی ہیں کس کی خاطر؟'' روزی نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک مرد کی خاطر، میں غلط ثابت ہوئی ہوں بی جی، اپنے خیالات میں اپنی سوچوں میں، میں آپ سے کہتی تھی میں نہیں بدل سکتی لیکن میں بدل گئی بی جی، وہ بھی ایک ایسے مرد کی خاطر جو میرا ہے ہی نہیں، وہ تو کسی اور کا ہے، آپ نہیں جانتی میرے ساتھ میری قسمت نے کتنا بڑا مذاق کیا ہے، اتنا بڑا مذاق کے میں خود ہی اپنی حالت پر بے بسی سے ہنسنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔'' وہ درد بھری مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائے نہ جانے کن خیالوں میں گم اپنی ماں سے اپنے دل کا حال کہہ گئی تھی، جس کو انہوں نے بے حد توجہ اور بالکل خاموشی سے سنا تھا۔

''روزی کون ہے وہ شخص؟'' بی جی نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش میں اس کو کندھوں سے تھامتے ہوئے پوچھا، وہ بنا کوئی جواب دیئے کئی لمحے ان کو دیکھتی رہی اور پھر دفعتاً قہقہہ لگاتی ہوئی ہنس پڑی۔

''پیارا افضل (حمزہ علی عباسی) اور کون ہو گا؟ ایک وہی تو ہے جس کی میں دیوانی ہوں، میں جب جب اس کو دیکھتی ہوں نا بی جی مجھے تب تب اس سے محبت ہونے لگتی ہے اور کیوں نہ ہو، وہ ہے ہی اتنا پیارا۔'' وہ اب کھلکھلا کر یہ سب کہہ رہی تھی، لیکن اس جبراً مسکراہٹ کے پیچھے چھپے دکھ کو اس کی ماں سمجھ چکی تھیں، روزی نے بات کا رخ اس انداز سے بدلا تھا کہ بی جی اس سے کوئی سوال ہی نہ کر سکیں، روزی ناشتہ کرنے کا کہہ کر اندر چلی آئی جبکہ بی جی اپنی اکلوتی لاڈلی اولاد کے لئے مزید فکر مند ہو کر رہ گئیں۔

☆☆☆

ناشتہ کرنے کے بعد وہ گھر کی ملازمہ کے ساتھ بینڈیج تبدیل کروانے ہوسپٹل چلی آئی، ہوسپٹل میں داخل ہوتے ہی روزی کی نظر سجل پر ٹھہر گئی، جو ہاتھ میں اخبار تھامے پڑھنے میں مصروف تھی، روزی نے میکال کی بجائے دوسرے ڈاکٹر سے اپنی پٹی تبدیل کروائی، سجل نے جب روزی کو دیکھا تو وہ اس کی جانب ہی چلی آئی، روزی نے اس کو اگنور کرنا چاہا تھا۔

''تم گاؤں کے لوگ بہت دوغلے ہوتے ہوئے جیسے سادہ نظر آتے ہو ویسے سیدھے ہوتے نہیں۔'' سجل کا جلا دینے والا جملہ روزی کی سماعتوں سے ٹکرایا، جس کو سن کر روزی چاہ کر بھی خاموش نہ رہ سکی۔

''تم نے ابھی گاؤں کے لوگوں کو جانا ہی کب ہے۔''

''سنو لڑکی! میکال سے دور رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے، بڑا ہمدرد ہے وہ تمہارا، تنہائی میں تمہاری ہی تعریفوں کے پل باندھتا رہتا ہے۔'' سجل نے سخت لہجے میں کہا تو روزی نے جلا دینے والی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''عورت سے بہتر عورت کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔''

سجل جیسی بھی تھی ایک عورت تھی، وہ روزی کی آنکھوں میں وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھی جو کوئی اور نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

''اچھا تو تم مجھ سے ڈر رہی ہو؟ ایک ان پڑھ، جاہل گوار، پاگل اور بدتمیز لڑکی سے تمہیں خوف آ رہا ہے کہ وہ تم سے تمہارا منگیتر نہ چھین

لے۔" روزی نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"میں اور تم جیسی لڑکی سے ڈروں گی؟ بہت خوش فہم ہو تم تو۔" سجل نے لاپرواہی سے جواب دیا اور روزی کو بغور گھورنے لگی۔

"وہ صرف میرا ہے، سجل اپنی چیز کبھی کسی کو بھیک میں بھی نہیں دیتی اور وہ تو پھر میکال ہے۔" سجل کے لہجے میں اک غرور کی لہر دوڑی تھی۔

"تم اس کو چاہ کر بھی مجھ سے چھین نہیں سکتی۔" سجل نے یقین سے کہا۔

"میں اس کو تم سے چھیننا بھی نہیں چاہتی لیکن......" روزی چند ثانیے کو ٹھہری۔

"لیکن اگر اس نے خود تمہیں چھوڑ دیا تو؟" روزی کے چہرے پر سنجیدگی تھی لہجے میں سکون تھا اور آواز میں محبت۔

"No way ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مجھے چھوڑے۔" روزی کی بات پر سجل نے بے اختیار ریختہ انداز میں کہا۔

"اور تم جیسی جاہل گوار گاؤں کی معمولی سے کچے مکان میں رہنے والی لڑکی کی خاطر تو بالکل نہیں چھوڑ سکتا۔" سجل نے حقارت بھری نگاہ روزی پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"کچے مکان میں رہنے والوں کے جذبے بہت سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ایک اور بات نہ تو میں ان پڑھ، جاہل ہوں اور نہ ہی کچے مکان میں رہنے والی اس لئے یہ سب طعنے تم وہاں دینا جہاں ان کو کوئی برداشت کر سکے، وہ بھی بنا کسی جوں چرا کے۔" روزی نے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا اور پھر وہاں سے چلی آئی، لیکن جاتے جاتے وہ سجل کو مڑ کر دیکھنا نہیں بھولی تھی، جس کی آنکھیں غصے میں شعلے برسا رہی تھیں۔

☆☆☆

میکال، سجل کے ساتھ ہی کچھ دنوں کی چھٹی کے لئے لاہور چلا آیا، میکال کے گھر پہنچتے ہی اس کے والدین نے شادی کا شور مچا دیا۔

میکال نے صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا لیکن گھر والوں کے زور دینے پر اور سجل کے اسرار پر اس نے شادی کے لئے رضامندی دے دی، میکال کے ہاں کرتے ہی سجل جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، اس کے ماما پاپا بھی بے حد خوش تھے، شادی کی تاریخ ایک ماہ کے بعد رکھی گئی تھی۔

میکال شادی سے پہلے ایک چکر گاؤں کا لگا چکا تھا لیکن روزی سے اس کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی، دو دن گزارنے کے بعد وہ چھٹیاں لے کر واپس لاہور چلا آیا، کل شام وہ لاہور آیا تھا اور آج اس کو سجل کو شاپنگ پر لے جانا تھا، شادی میں ایک ہی ہفتہ باقی تھا، اس لئے ہر روز بازار کے چکر لگ رہے تھے، میکال نے سجل کو اس کے گھر سے پک کیا اور وہ دونوں ایک شاپنگ مال چلے آئے، سجل نے اپنے بہت سے ڈریس خریدے تھے جن میں ایک بار بھی اس نے میکال کی پسند نا پسند کا خیال نہیں رکھا تھا، جب اس نے ساری خریداری مکمل کر لی اور گاڑی میں واپس آ کر بیٹھی تو میکال نے خود ہی اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"سجل تم شلوار قمیض کیوں نہیں پہنتی؟ روزی کی طرح سادہ سی، اچھی لگے گی تم پر۔" میکال نے مسکراتے ہوئے کہا، سجل نے اپنی آنکھوں سے سیاہ چشمہ اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھا اور میکال کو گھورنے لگی۔

"تم مجھے اس فضول سی لڑکی کے مدمقابل لا کھڑا کر رہے ہو۔" سجل کی آواز میں حیرت اور نظروں میں روزی کے لئے حقارت تھی۔

''ارے یار میں تمہارا اس سے کوئی مقابلہ نہیں کر رہا، بس تمہیں اتنا بتا رہا ہوں کہ وہ مجھے سادگی میں اچھی لگتی ہے تم بھی ویسی ہو سکتی ہو That,s it۔'' میکال نے نارمل لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''جسٹ شٹ اپ میکال! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور کوئی بات نہیں، تمہارے اوپر اس لڑکی نے کوئی جادو کر دیا ہے جو تم یوں اس کے اسیر بن بیٹھے ہو۔'' سجل نے غصے میں کہتے ہوئے اپنا سیل فون سامنے ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا، میکال کو سجل کی سوچ پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ اتنی پڑھی لکھی ہو کر بھی دقیانوسی سوچ کی مالک تھی۔

''اچھا سوری بابا، اب موڈ خراب مت کرو، بتاؤ لنچ کہاں پر کریں، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' میکال نے اس کا موڈ بہتر کرنے کی خاطر خوشگوار انداز میں پوچھا۔

''لیکن مجھے بھوک نہیں ہے، تم مجھے گھر ڈراپ کر دو۔'' سجل کا موڈ ابھی بھی بگڑا ہوا تھا۔

''پلیز سوری یار! میں تو بس یونہی کہہ رہا تھا۔'' میکال نے محبت سے کہا تو سجل نے اک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور بنا کوئی جواب دیئے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگی، میکال سمجھ گیا تھا اب اس کا موڈ اچھا ہونا ناممکن سی بات ہے، اس لئے اس نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

☆☆☆

آج صبح سے روزی کا دل نہ جانے کیوں کسی بے چینی کا شکار تھا، وہ ہنسنا چاہتی تھی لیکن بار بار ہنسنے کی ناکام کوشش میں اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آتے تھے، جنہیں وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی روک نہیں پائی تھی، وہ صبح سے اپنے کمرے میں بند تھی جب شام ڈھلے بی جی اس کے کمرے میں چلی آئیں، وہ سر سے پاؤں تک چادر تانے آنکھیں موندے بیڈ پر لیٹی تھی، جب بی جی نے مدھم آواز میں اس کا نام پکارا تو روزی نے منہ سے چادر ہٹا کر ان کی جانب دیکھا، وہ بیڈ پر اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''روزی! بچے کیا بات ہے؟ صبح سے تم نے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے اور ایسے خود کو کمرے میں کیوں بند کر رکھا ہے، طبیعت ٹھیک ہے نا بیٹا۔'' بی جی روزی کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے محبت بھرے انداز میں پوچھ رہی تھیں، بی جی اس کی ایسی حالت سے بے حد فکر مند رہنے لگی تھیں۔

''بی جی!'' روزی کی آواز میں صدیوں کی تھکن محسوس ہوئی تھی۔

''بی جی آپ کو ایک بات بتاؤں؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنا سر بی جی کے کندھے پر ٹکا دیا۔

''ایک شخص ہے میکو، وہ شہر سے جو نیا ڈاکٹر آیا تھا نا......وہ ہی......ڈاکٹر میکال احمد۔'' بی جی نے صرف اس کا نام ہی سنا تھا اب تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

''بی جی جب وہ گاؤں میں ہوتا ہے نا تو مجھے ایک عجیب سا سکون ملتا ہے، مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے بی جی، بے حد محبت، وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے، اس نے میری ہستی کو جیسے فنا کر دیا ہے، اس کی وجیہہ شخصیت، اس کی باتوں کا انداز اس کی آواز ان سب نے مجھے اس کا اسیر بنا دیا ہے، میری سماعتیں ہر گھڑی اس کو سننا چاہتی ہیں کہ اس کی آواز میرے کانوں میں رس گھولتی ہے، دل اس سے بات کرنے کو بے چین رہتا ہے، لیکن بی جی نہ جانے وہ کہاں چلا گیا ہے؟ مجھے ایسا نڈھال چھوڑ کر وہ کہیں چلا گیا ہے، بی جی

وہ کیا وہ بس مجھے توڑنے کے لئے آیا تھا؟ اور توڑ کر چلا گیا ہے بی جی لیکن اب روزی کو کون جوڑے گا؟ جو کرچی کرچی بکھر چکی ہے، بی جی اس نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ میں ہنستی کھلکھلاتی بہت پیاری لگتی ہوں، تو پھر وہ مجھے اتنا رلا کیوں رہا ہے؟ کیا اب میں اس کو پیارا نہیں لگنا چاہتی؟ بی جی وہ کہتا تھا میں حویلی سے باہر کم جایا کروں، لیکن بی جی اب تو میں کم کم بھی باہر نہیں جاتی پھر بھی وہ مجھے کیوں نہیں سمجھ پا رہا، وہ مجھے کہتا تھا میں سر پر دوپٹہ اوڑھا کروں تو اب میں دوپٹہ بھی سر سے سرکنے نہیں دیتی بی جی، لیکن پھر بھی وہ میرے جذبوں کو کیوں نہیں سمجھا پا رہا کہ میں یہ سب اس کی محبت میں کر رہی ہوں، بی جی کیا اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا؟ اگر وہ نہ آیا تو میں اس کے بنا کیسے رہوں گی، بتائیں نا بی جی۔''

روزی نے نم آنکھوں سے بی جی کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے پوچھا، بی جی بت بنی اس کی پیاری باتیں اپنے دل میں دفن کرتی جا رہی تھیں۔

''بی جی مجھے بتائیں میں کیسے اس شخص کو بھول جاؤں جس نے مجھے اور میری زندگی کو بالکل بدل دیا ہے۔''

''بی جی جب کوئی اپنا اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو انسان کو صبر آ جاتا ہے، مگر جب کوئی اسی دنیا میں موجود ہو خوش ہو، ہنستا کھلکھلاتا ہو بس پاس نہ ہو تو صبر نہیں آتا بی جی۔'' بی جی اس کی ان کہی باتوں کو خاموشی سے سن رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ یہ روزی وہی ہے نا جو کہتی تھی میں نہیں بدلوں گی، کسی مرد کی خاطر تو کبھی نہیں، یہ ان کی وہی بیٹی تھی جو بس ہنسنا، کھیلنا جانتی تھی، ہر وقت بات بات پر قہقہہ لگانے والی دفعتاً اتنی سنجیدہ ہو گئی تھی، وہ اتنی جلدی بدل گئی تھی اور اتنا زیادہ بدل گئی تھی، وہ ساکت بیٹھی رہیں، انہیں اپنی لاڈلی کی فکر پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگی تھی، وہ روزی کی ایسی باتوں سے گھبرانے لگیں تھی، بی جی روزی کو اس کی کسی بات کا بھی کوئی جواب نہیں دے سکی تھیں، روزی بھی خاموش ہو چکی تھی، دونوں ماں بیٹی کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی، جس کو دونوں میں سے کسی نے بھی توڑنا نہیں چاہا۔

☆☆☆

میکال کی شادی کے تمام فنکشنز بہت اچھے سے اختتام پذیر ہوئے تھے، آج رخصتی کے بعد تجل اس وقت میکال کے کمرے میں موجود تھی، آج تجل نے میکال کو پوری طرح اپنا بنا لیا تھا، لیکن کیا وہ خود میکال کی بن پائے گی۔

آج وہ بہت خوش تھی لیکن میکال کے دل میں ایک درد جاگ رہا تھا جس کو وہ سمجھنے سے بالکل قاصر تھا، اس کی طبیعت میں انجانا سا بوجھل پن تھا جس کو اس نے شادی کے تمام فنکشنز کی وجہ سے تھکاوٹ کا نام دے کر اگنور کر دیا، میکال نے تجل کو پرخلوص طریقے سے قبول کیا تھا، میکال کمرے کے دروازے پر دستک دیتا ہوا اندر داخل ہوا اور مسکرا کر پھولوں کی کلیوں سے سجے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے تجل کے قریب بیڈ پر آن بیٹھا۔

تجل نے اپنی جھکی نظریں اٹھا کر میکال کی جانب دیکھا، میکال ایک انتہائی خوبصورت ڈائمنڈ سیٹ تجل کے لئے منہ دکھائی کی رسم کے طور پر لایا تھا، جس کو دیکھتے ہی تجل کا چہرہ بھی ہیرے کے چمکتے سیٹ کی طرح چمک اٹھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' میکال نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی، وہ اس کے مزید قریب ہو کر اس کے کان کے جھمکے کو چھونے لگا۔

''سجل!'' میکال کی آواز میں خماری اتر آئی، سجل کو عجیب سی فیلنگز نے آن گھیرا۔

''میکال میں بہت تھک چکی ہوں۔'' سجل نے ایک جھٹکے سے اس کو خود سے دور کرتے ہوئے کہا، اس کی بات پر میکال نے سجل کو نا سمجھی انداز میں گھورا۔

''سجل!'' میکال نے اس کی بات کو اگنور کرتے ہوئے ہولے سے اس کے کان میں سرگوشی کی، وہ ایک لمحے میں اس کو دور کرتی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' سجل کے اس بی ہیوئیر سے میکال کو بے حد غصہ آیا تھا، وہ چینج کرنے کے لئے واش روم میں چلی گئی، جبکہ میکال اب تک اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ چینج کر کے واپس آئی اور بیڈ کے ایک کنارے پر لیٹ گئی، میکال کو اس کی اس حرکت پر مزید برا لگا، لیکن وہ ان مردوں میں سے ہرگز نہیں تھا جو کسی کے کسی بھی مسئلے میں زبردستی کرتے ہوں۔

وہ اٹھ کر صوفے پر آن بیٹھا، اس کی نظریں سجل کی پشت پر ٹکی تھیں، آج کی رات جو کہ ان دنوں کے لئے بہت خاص ہونی چاہیے تھی وہی رات دونوں کے لئے بے وقعت ہو گئی تھی، آج کی رات جب سب دوریاں ختم ہونی تھیں مگر ایک دیوار درمیان کھڑی ہو گئی تھی میکال نے تھکے تھکے سے انداز میں اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا اور نہ جانے کب سوچوں کی دنیا سے نکل کر خوابوں کی دنیا میں کھو گیا۔

☆☆☆

روزی آج بہت دنوں بعد حویلی سے باہر نکلی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم سرکاری ہسپتال کی جانب بڑھنے لگے۔

ایک ماہ سے بھی زیادہ وقت گزر گیا تھا اس کو میکال سے ملے ہوئے، ہسپتال میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک نرس سے ڈاکٹر میکال کے لئے پوچھا، نرس نے میکال کی خبر کیا دی جیسے روزی کے پر بم بلاسٹ کر دیا ہو۔

''ڈاکٹر میکال؟ وہ تو ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں، پچھلے ہفتے ہی ان کی شادی ہوئی ہے نا۔'' روزی میں مزید کچھ سننے کی ہمت نہ رہی وہ ساکت کھڑی بے یقینی سے اس نرس کی باتوں کو سن رہی تھی، نرس اس کو آگاہ کر کے آگے بڑھ گئی تھی لیکن روزی نازک گڑیا کی طرح اپنی جگہ جم ہی گئی تھی، جو قطرہ قطرہ کرتی اندر ہی اندر پگھل رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں میں چھلکی نمی کو بے رحمی سے رگڑا تھا۔

وہ ہوسپٹل سے باہر چلی آئی، اس کی رفتار پہلے دھیرے تھی اور پھر ایکدم سے بڑھ گئی، تیز رفتار سے اب وہ بھاگنے کے سے انداز میں قدم بڑھا رہی تھی، وہ کہاں جا رہی تھی اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، وہ بس چلنا چاہتی تھی، چلتی چلتی وہ گاؤں کی اس جگہ آن پہنچی جہاں پر بہت پرانا گہرا کنواں تھا، جس کو لوگ اب کم ہی استعمال کرتے تھے، روزی نے اپنے اردگرد نظر گھمائی، اس تپتی دوپہر میں وہاں آس پاس تو کیا دور دور تک کوئی نہیں تھا، وہ کنویں کو قریب آ کر دیکھنے لگی، کنواں بے حد گہرا تھا، لیکن روزی کے دل پر لگے زخم سے زیادہ گہرا نہیں، وہ اس کنویں میں کود بھی جاتی تو بھی اس کا زخم نہ بھرتا، اس نے اپنے نازک دودھیا رنگ پیروں میں پہنے سیاہ کھسے کو دور اتار پھینکا، وہ اس کنویں میں کودنا چاہتی تھی، وہ کودنے ہی والی تھی، کہ ایک جھٹکے میں اس کے حواس واپس لوٹے تو وہ کنویں سے دو قدم دور ہٹی، دھوپ سے گرم تپتی سڑک اس کے پاؤں جلا رہی تھی،

لیکن پاؤں کی اس جلن سے کئی زیادہ اس کا دل جل رہا تھا، جس پر مرہم لگانے والا بھی کوئی نہ تھا۔

''مرنا اتنا آسان کب ہوتا ہے بھلا۔''
روزی کے لئے بھی مرنا آسان نہیں تھا، اگر ہوتا تو اب تک مر چکی ہوتی، اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی بی جی کا چہرہ نمودار ہونے لگا تھا، کانوں میں آغا جان کی محبت بھری آوازیں گونجنے لگی تھیں، گاؤں کے کھلکھلاتے کھیلتے کودتے بچوں کا شور اس کو سنائی دینے لگا تھا، گاؤں میں اس کی خاطر محبت وخلوص رکھنے والے لوگوں کے خیالات اس کو یاد آنے لگے تھے، روزی کی جان اگر صرف روزی کی ہوتی تو وہ مر جاتی، لیکن روزی کی جان تو اس کے پروردگار کی امانت تھی، اس کے بی جی، آغا جان کی زندگی ہی روزی کی جان میں اٹکی تھی، وہ چاہ کر بھی نہیں مر سکی تھی، روزی وہیں گرم تپتی سڑک پر ڈھے گئی اور اپنے گھٹنوں میں چہرہ چھپائے رونے لگی، ہچکیاں لینے لگی، وہ سسک رہی تھی جب کسی نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا، روزی نے فٹ سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنے قریب کھڑی عورت کو دیکھا، وہ کوئی انجانی عورت تھی، روزی اس کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

''رومت، اللہ پر بھروسا رکھو، وہ بڑا کارساز ہے، اپنے بندے کو کبھی مایوس نہیں کرتا، تم اس سے رجوع کر کے تو دیکھو، تمہارے دکھوں کو وہ خود بخود سمیٹ لے گا۔'' اس ادھیڑ عمر عورت کی باتیں سن کر روزی کے آنسو تھم چکے تھے۔
''تم ویسی بن جاؤ جیسا رب تمہیں دیکھنا چاہتا ہے، پھر وہ تمہیں ویسا ہی عطا فرمائے گا جیسا تم چاہو گی۔''
''لیکن جو مجھے چاہیے وہ اب مجھے کبھی نہیں مل سکتا۔'' روزی کی آواز میں بے بسی تھی۔
''ایسا صرف تم سوچتی ہو، لیکن وہ تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔''
''یہ ممکن و ناممکن بس تم اور مجھ جیسے لوگ سوچتے ہیں اور وہ پاک ذات ممکن کو ناممکن اور ناممکن کو ممکن کرنا جانتی ہے۔'' وہ انجان ادھیڑ عمر عورت نے محبت سے روزی کو سمجھایا اور اس کے قریب سے اٹھ کر چل دی، روزی اس کو جاتا دیکھتی رہی، دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت روزی کی نظروں سے غائب ہو گئی، روزی کھڑی ہو گئی اور اپنے بوجھل بھاری وجود کو سنبھالتی ہوئی حویلی چلی آئی۔

نماز تو وہ صرف رمضان کے مہینے میں ہی پڑتی تھی یا پھر کسی خاص مخصوص دن پر عبادت کرتی تھی، لیکن آج وہ اللہ کے سامنے دل سے بنا کسی غرض کے رجوع کر رہی تھی، وہ اللہ کے حضور سجدہ کناں تھی، آج سے پہلے اس نے اتنا طویل سجدہ بھی نہیں کیا تھا، لیکن آج وہ اللہ سے بے حد گہرائی سے کلام کرنا چاہتی تھی، وہ اللہ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی، اللہ سے اپنے دکھ شیئر کرنا چاہتی تھی، وہ اللہ سے اللہ کی رضا مانگنا چاہتی تھی، وہ اللہ سے اللہ کو مانگنا چاہتی تھی، وہ سکون چاہتی تھی، صبر چاہتی تھی اور بیشک اللہ اپنے بندے کو ناامید نہیں لوٹاتا، اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا، وہ اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی، وہ اس وقت اللہ سے اپنی محبت نہیں بلکہ اللہ سے اللہ کی محبت مانگ رہی تھی، وہ اللہ کو اپنے دل کا حال سنا رہی تھی اور بیشک وہ بے حالوں کا بھی حال سنتا ہے اور حال والوں کی بھی پکار سنتا ہے، بس اس کو سنانے سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے اور وہ ہے اس پر پختہ یقین کا ہونا، وہ کسی کی بھی سنی کو ان سنی نہیں کرتا، وہ سب کو اس

کی باتوں کا جواب دیتا ہے، بس اس کو اپنا راز داں بنا کر تو دیکھو اور روزی اپنا راز داں اللہ کو بنا چکی تھی اور بیشک اس ذات سے بہتر کوئی بھی راز داں نہیں ہے۔

☆☆☆

ان دونوں کی شادی کو دو ہفتے گزر چکے تھے، ہر روز کسی نہ کسی دوست یا رشتہ داروں کی طرف سے ان کو دعوت پر مدعو کیا جا رہا تھا، کبھی وہ خود سجل کے کہنے پر اس کو گھمانے لے جاتا تو کبھی وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ چلی جاتی، میکال نے اس پر کوئی بھی پابندی عائد نہیں کی تھی، آج بھی وہ رات دیر سے گھر لوٹی تو میکال اسی کے انتظار میں بیٹھا تھا، میکال نے سر سے پاؤں تک اس کی شخصیت کا جائزہ لیا، اس کی ڈریسنگ اب بھی ویسی ہی تھی، جینز شرٹ، سلیو بازو، ہائی ہیلز، ڈھیرو ڈھیر جیولری، میک اپ میں دبی چھپی سجل اب بھی تبدیل نہیں ہوئی تھی جبکہ ہر لڑکی شادی کے اس اہم موڑ پر آ کر خود کو بدل لیتی ہے یا کم از کم بدلنے کی کوشش ضرور کرتی ہے، لیکن وہ تو کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔

''آ گئی تم...... بہت دیر ہو گئی آتے آتے۔'' میکال کے لہجے میں چھپی خفگی کو سجل نے اہمیت نہیں دی تھی۔

''ہاں سب فرینڈز نے ڈنر کے بعد کلب جانے کا ارادہ بنا لیا تو ٹائم کیسے گزرا علم ہی نہ ہوا۔'' سجل نے آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے جیولری اتارتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا، جبکہ میکال نے تو سمجھا تھا وہ دیر سے گھر لوٹنے پر سوری کہے گی، شرمندہ ہو گی، میکال کی ناراضگی کی فکر کرتے ہوئے اس کو منانے کی کوشش کرے گی، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا، وہ ناراض تھا بھی تو منانے والے کو پرواہ ہی نہیں تھی اس کی ناراضگی کی، وہ جیولری اتارنے کے بعد وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں چلی گئی اور میکال خاموشی سے اس کو دیکھتا رہا، چند لمحوں میں وہ چینج کر کے لوٹی تو میکال کو اسی طرح خاموش کھڑا دیکھ کر اس سے مخاطب ہوئی۔

''سو جاؤ...... ایسے کیوں کھڑے ہو؟ نیند نہیں آئی کیا؟''

''کیسی عجیب عورت تھی۔''

''تم سو جاؤ مجھے کام کرنا ہے۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ پکڑ کر باہر لاؤنج میں چلا آیا اور سجل نے بھی اس کو روکنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

اس کی شادی ہو چکی تھی لیکن اسے یوں لگتا تھا کہ وہ اب بھی اپنی پہلے جیسی ہی لائف گزار رہا ہے، فرق بس اتنا تھا کہ پہلے ان کے گھر چار افراد تھے سجل کے آ جانے سے پانچ ہو گئے تھے، پہلے وہ اپنے کمرے میں تنہا ہوتا تھا اور اب سجل اس کے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں تھی، وہ سجل کو سمجھنا چاہ رہا تھا لیکن وہ اس کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی، وہ اس کے ساتھ اس کے قریب رہنا چاہتا تھا لیکن وہ نہ جانے کیوں اس سے گریز کرتی تھی، میکال کی نظریں لیپ ٹاپ پر مرکوز تھیں لیکن اس کی سوچ کی تھی کہیں اور ہی پرواز کر رہی تھی۔

☆☆☆

آغا جان آج خود اس سے بات کرنے اس کے کمرے میں چلے آئے تھے، انہوں نے محسوس کیا تھا کہ روزی اب پہلے جیسی نہیں رہی، نہ ہنستی ہے، نہ زیادہ بات کرتی ہے، بی جی سے بھی انہوں نے روزی کے بارے میں پوچھا لیکن انہوں نے بھی بات کو گول کرتے ہوئے انہیں ٹال دیا کہ اب عمر کے ساتھ سمجھدار ہو گئی ہے، لیکن آغا جان مطمئن نہ ہوئے آج خود اس کے پاس چلے آئے۔

آغا جان کمرے میں داخل ہوئے تو وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی، آغا جان نے اس کو نماز پڑھتا دیکھا تو ہولے سے مسکراتے ہوئے صوفے پر براجمان ہو گئے، روزی نے سلام پھیری اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا کے بعد اس نے اپنے عقب میں دیکھا تو آغا جان اسی کی جانب دیکھ رہے تھے، وہ نماز میں اتنی مگن تھی کہ اس کو آغا جان کی موجودگی کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

''آغا جان آپ یہاں؟ خیریت کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیتے میں خود آ جاتی۔'' روزی نے ان کی جانب بڑھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

''نہیں آج سوچا خود ہی اپنی لاڈلی سے اس کے پاس جا کر باتیں کروں۔'' روزی ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

''طبیعت کیسی ہے میری بیٹی کی؟'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' روزی نے مسکراتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا گاؤں کے بچوں سے جھگڑا ہو گیا ہے؟ اب ان کے ساتھ کرکٹ کھیلتی ہو یا گلی ڈنڈا۔'' روزی تو ان سے چھپ کر باہر جاتی تھی، لیکن ان کو تو اس کی پوری خبر تھی، اس لئے وہ ان کی بات پر پہلے چونکی اور پھر مسکرا دی۔

''اور وہ جو تمہارا چاچا رحمت جن کے باغ سے تم امرود چرا چرا کر کھاتی تھی اور ساتھ میں سب بچوں کو بھی کھلاتی تھی، وہ بھی تمہارا پوچھ رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ کتنے دن ہو گئے ان کے باغ میں لگے امرودوں پر چور نہیں پڑے۔'' وہ اس کی ہر شرارت سے باخبر تھے، روزی کو آج معلوم ہوا تھا۔

''ماں باپ چاہے ظاہر نہیں کرواتے لیکن اپنی اولاد کے ہر اک لمحے سے باخبر رہتے ہیں۔''

''بس ویسے ہی آغا جان! اب میں سمجھدار ہو گئی ہوں نا اس لئے بچکانی حرکتیں نہیں کرتی۔'' روزی نے سنجیدگی سے جواب دیا تو آغا جان نے بغور اس کو گھورا۔

''اچھا تو ہماری بیٹی اب سمجھدار ہو گئی ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے یقین دہانی چاہی۔

''جی آغا جان!'' روزی نے مسکرا کر ان کے کندھے پر سر ٹکاتے ہوئے کہا تو وہ بھی کچھ ریلیکس ہو گئے۔

☆☆☆

میکال کی لاکھ انکار کے باوجود بھی اس کے والدین نے ان دونوں کو ہنی مون کے لئے بھیج دیا، میکال اور سجل اس وقت ہوٹل کے شاندار روم میں موجود تھے، سجل نے میکال کے بہت اصرار کرنے پر لانگ فراک اور چوری دار پاجامہ پہنا تھا، وہ اس ڈریس میں سچ بھی خوب رہی تھی، وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی جب میکال واش روم سے شاور لے کر نکلا اور سیدھا اس کی جانب چلا آیا، میکال نے کندھوں سے تھامتے ہوئے اس کا روخ اپنی جانب کیا اور سر سے پاؤں تک اس کو دیکھنے کے بعد مسکرا دیا۔

''ان کپڑوں میں اور بھی زیادہ پیاری لگتی ہو۔'' سجل اس کی بات پر مسکرائی تھی۔

''سجل!'' میکال نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے چہرے پر آئیں زلفیں ہٹاتے ہوئے ہولے سے اس کا نام پکارا۔

''ہوں۔''

''تم بے حد حسین ہو۔'' میکال نے اس کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

''اتنی حسین کے کسی کو بھی اپنی خوبصورتی سے پاگل کر سکتی ہو، اپنا دیوانہ بنا سکتی ہو۔'' وہ

دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے، اتنے قریب کے ہوا کو گزرنے کے لئے راستہ ملنا ناممکن تھا، میکال کی باہیں بجل کے گرد گھیراؤ کو تنگ کر رہی تھیں، اس کی سانسیں بجل کے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں، جب اچانک سے بجل کا سیل فون بجا اور وہ ایک جھٹکے میں اسے خود سے الگ کرتی ہوئی اپنے سیل کی جانب متوجہ ہوئی اور میکال ایک بار پھر اس کی اس حرکت پر اس کو دیکھتا رہ گیا، میکال اس کے اس بی ہیوئیر سے عجیب الجھنوں کا شکار ہو رہا تھا، وہ فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی جب وہ غصے میں دروازہ بند کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ ہوٹل کے لاؤنج میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گیا اور آس پاس کے لوگوں کا جائزہ لینے لگا، سب اپنی موج مستی میں مگن تھے، اس کی نظر سب لوگوں سے ہٹ کر ایک اجنبی لڑکی پر جا ٹکی جو بالکل تنہا، اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، اس لڑکی کو دیکھتے ہی میکال کو نہ جانے کیوں روزی کا خیال آیا تھا، وہ جب سے گاؤں سے لوٹا تھا یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کو روزی کی یاد آئی تھی، وہ اس لڑکی کو بغور گھورتے ہوئے روزی کو سوچنے لگا، روزی کسی پری سے کم تو نہیں تھی، پریوں جیسی ہی تھی، نازک ادائیں، قاتلانہ شربتی رنگ آنکھیں، کلیوں سا روپ، وہ اتنی حسین ہو کر بھی میکال کو کبھی اپنی جانب متوجہ نہیں کر پائی تھی، جبکہ مرد تو حسن کا دیوانہ ہوتا ہے۔

نہیں ایسا نہیں تھا، وہ مرد تھا، حسن کا دیوانہ بھی تھا اور روزی کی خوبصورتی اس کو اپنی جانب مائل بھی کرتی تھی اور یہی وہ وجہ تھی کہ میکال اس کے پاس جانے سے گریز کرتا تھا، اس سے دور رہتا تھا، وہ ہمیشہ اس کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا، میکال نے کبھی روزی پر میلی نظر نہیں ڈالی تھی اور اس بات کا گواہ اس کا رب بھی تھا۔

لیکن اب عجیب کشمکش میں الجھنے کے بعد وہ روزی کے بارے میں کیوں سوچ رہا تھا، اس نے سوچتے سوچتے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

☆☆☆

وہ دونوں تین دن بعد ہی واپس مری سے لاہور چلے آئے اور میکال نے گھر لوٹتے ہی صبح واپس گاؤں ڈیوٹی پر جانے کا ارادہ کیا۔

میکال کی مما نے اس سے جلدی واپس لوٹنے کی وجہ بھی پوچھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی کیوں چلے آئے، تو میکال نے بجل کی نہ سمجھ آنے والی حرکتوں پر پردہ ڈالتے ہوئے اپنی مصروفیت کا بہانہ بنا ڈالا، بجل اس کے غصے کو بھانپ چکی تھی اس لئے اس نے میکال کے جانے پر کوئی سوال کھڑا نہیں کیا تھا اور وہ اگلے روز ہی لاہور سے اپنی ڈیوٹی پر گاؤں چلا آیا۔

آج صبح ہی وہ گاؤں پہنچا تو اس نے جیسے سکھ کا سانس لیا تھا، اتنے دنوں سے وہ ایک عجیب سی گھٹن کا شکار رہا تھا، گاؤں پہنچتے ہی ہاسپٹل کے تمام لوگوں نے اس کو شادی کی ڈھیروں ڈھیر مبارکبادیں دیں، جن کو وہ جبراً مسکراتا ہوا وصول کرتا رہا تھا، وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا لیکن اس کا دل ابھی بھی کسی بہت بھاری بوجھ تلے دبا تھا، ڈیوٹی کے بعد وہ شام کو کھیتوں میں واک کے لئے چلا آیا۔

موسم میں کافی حد تک تبدیلی آ چکی تھی، شام ہوتے ہی موسم خوشگوار ہو جاتا تھا، ابھی بھی وہ ہرے بھرے کھیتوں میں کھڑا موسم کی خوشگواریت کو محسوس کر رہا تھا جب اس کے سامنے کچھ فاصلے سے ایک رعب دار شخصیت کے بزرگ دکھائی دیئے جو زیادہ عمر ہونے کے باوجود بھی جاذب

شخصیت کے مالک تھے، ان کو دیکھتے ہی میکال نے اپنے قدم دھیرے دھیرے ان کی جانب بڑھا دیئے اور ان کے قریب آن پہنچا، وہ کھیتوں کے کچھ معاملات پر اپنے ملازموں سے گفتگو کر رہے تھے جب میکال نے سلام لے کر ان کو اپنی جانب متوجہ کیا، آغا جان نے پرجوش انداز میں اس کی سلام کا جواب دیا، آغا جان شروع سے ہی ایک ملنسار شخص تھے۔

میکال نے ان کو اپنا تعارف کروایا کہ وہ شہر سے یہاں سرکاری ہسپتال میں بحیثیت ڈاکٹر آیا تھا، آغا جان نے بھی اس کے بارے میں سن رکھا تھا لیکن کچھ مصروفیات کی وجہ سے کبھی ملاقات نہیں کر پائے تھے۔

آج ان کی میکال سے پہلی ملاقات تھی، میکال دس برس بعد ان کو دیکھ رہا تھا، وہ آج بھی ویسے ہی تھے جیسے دس برس پہلے اس نے ان کو دیکھا تھا، اگر کچھ بدلا تھا تو ان کے بالوں کی سفیدی۔

ان کا انداز وان کی چال ڈھال، ان کی شخصیت کا روعب اور لہجے کی مٹھاس بالکل پہلے جیسی ہی تھی، آغا جان نے ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد میکال کو حویلی آنے کی دعوت دی تھی، جس کو میکال نے خوشدلی سے قبول کیا تھا، آغا جان اور میکال چند لمحے مزید محو گفتگو رہے جب میکال کے موبائل کی ٹون نے ان کی مزید گفتگو میں خلل ڈالا، میکال ان سے معذرت کرتا ہوا جازت طلب کرتا وہاں سے چل دیا، وہ چلتے چلتے سجل سے فون پر بات کر رہا تھا، وہ میکال سے اپنے اکاؤنٹ میں پیسے بھجوانے کا کہہ رہی تھی، میکال کو اس کی بات پر غصہ نہیں آیا تھا لیکن اسے سجل کا انداز برا لگا تھا، اس نے کال کرتے ہی اپنی ضرورت بتائی تھی مگر ایک بار بھی میکال کی خیریت جاننا ضروری نہیں سمجھا تھا، میکال نے بنا اس سے بحث کیے اس کو پیسے ٹرانسفر کروانے کا کہہ کر فون بند کر دیا اور وہ اپنی اس نئی نویلی دولہن کے نا سمجھ آنے والے رویوں کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆☆☆

روزی کی طبیعت میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا، اس کا لہجہ سنجیدہ ہو چکا تھا اور آنکھوں میں چمک کی جگہ اداسی نے لے لی تھی، روزی پہلے والی روزی نہیں رہی تھی، وہ تو کوئی نئی روزی تھی جو بس اپنے کمرے تک محدود رہتی تھی، نماز قرآن اللہ سے باتوں کے علاوہ اب دوسرا کوئی کام پسند نہیں تھا، اس وقت بھی وہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی کہ اس کو اپنے کمرے کے باہر لاؤنج میں کسی کی آواز سنائی دی، آغا جان کسی کے ساتھ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، روزی کی سماعتوں نے اس آواز کو لمحہ بھر میں پہچان لیا تھا، یہ وہی آواز تھی جو اس کے کانوں میں رس گھولتی تھی، جس آواز کو وہ ہمیشہ سننا چاہتی تھی، روزی نے اپنے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا۔

لاؤنج میں بیٹھے شخص پر اس کی نظر کیا گئی جیسے اس کے جسم میں جان باقی نہیں رہی تھی۔

وہ میکال تھا، میکال احمد، وہ اس کو تین ماہ بعد دیکھ رہی تھی، روزی نے فوراً دروازہ بند کر دیا اور بیڈ پر آ بیٹھی، ایک عجیب سی اضطرابی ہونے لگی تھی، دل اپنے معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا، پورے وجود میں لرزش پیدا ہو گئی تھی۔

''وہ واپس آ گیا ہے، لیکن اب وہ کیوں آیا ہے جب میں خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہونے لگی ہوں، خود کو کتنی مشکل سے سمیٹا ہے میں نے، وہ تو مجھے کرچی کرچی توڑ گیا تھا، یا اللہ مجھے ایسی آزمائشوں میں مت ڈال جن پر میں پورا نہ اتر سکوں۔'' روزی نے نم آنکھوں سے دل ہی دل

میں دعا کی تھی۔
''اگر وہ میرا نہیں ہے تو اس کو مجھ سے دور ہی رہنے دے، یوں بار بار اس کو میرے سامنے لا کر اس کی محبت کو مزید مت بڑھا، کہ میں ہر بار ٹوٹنے پر خود کو نہیں جوڑ پاؤں گی۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی رو رہی تھی جب بی جی کمرے میں داخل ہوئیں، روزی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے، لیکن بی جی اس کی سرخ آنکھوں سے اندازہ لگا چکی تھیں کہ وہ روئی ہے، بی جی اس کو آغا جان کے کہنے پر باہر کھانا کھانے کے لئے لینے آئی تھیں، ورنہ وہ تو خود نہیں چاہتی تھیں کہ وہ باہر آئے، وہ اس کے دل کی حالت سے واقف تھیں لیکن تسلی دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکیں۔

بی جی جانتی تھیں یہ وہی میکال ہے جس نے ان کی بیٹی کی ایسی حالت بنا دی ہے، لیکن وہ میکال سے اس بارے میں کوئی شکایت بھی نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ اس نے تو کبھی روزی کو ایسی کوئی امید نہیں دلائی تھی اور نہ ہی ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، آج آغا جان گھر لوٹ رہے تھے جب راستے میں ان کو میکال مل گیا اور وہ اس کو زبردستی حویلی لے آئے، میکال نے حویلی میں قدم رکھتے ہی محسوس کیا کہ جیسے وہ اپنے بچپن میں لوٹ گیا ہو، حویلی کی در و دیوار ویسی ہی تھیں جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا، میکال نے اپنے اندر دوڑتی خوشی کی لہر کو محسوس کیا، وہ حویلی میں داخل ہوتے ہی جیسے اپنے اپنوں کے پاس ہمیشہ کے لئے لوٹ آیا ہو۔

روزی بی جی کے ساتھ بھاری بھاری قدم اٹھاتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل تک پہنچی، اس نے جھکی نگاہوں سے ہی سب کو سلام کیا، آغا جان نے روزی کا تعارف کروایا کہ وہ ان کی بیٹی ان کی جان ہے لیکن میکال تو پہلے سے اس کو جانتا تھا لیکن خاموش رہا اور اس کو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ کتنا بدل گئی تھی، وہ بڑی سی چادر اوڑھے کھڑے تھی جس میں وہ تقریباً پوری چھپ چکی تھی، اس کی آنکھوں کی سرخی، چہرے کی ویرانی، لہجے میں تھکن، میکال نے ایک لمحے میں سب کچھ بھانپ لیا، لیکن اس حالت کی وجہ وہ نہیں سمجھ سکا تھا، روزی نے ایک بار بھی میکال کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، وہ آغا جان سے باتیں کرتا رہا اور گاہے بگاہے روزی کو اپنی نظروں کا محور بناتا رہا تھا، وہ چپ چاپ کھانے کی پلیٹ میں چمچ کو حرکت دے رہی تھی لیکن کھا کچھ نہیں رہی تھی، میکال اس کی اس حرکت کو بہت توجہ سے دیکھ رہا تھا، وہ بار بار یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا کہ ایسا کیا ہو گیا تھا کہ اتنی جلدی اس میں اتنی تبدیلی آ گئی، مگر وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا، اس لئے وقت ملنے پر روزی سے بات کرنے کا سوچ کر خود کو مطمئن کرنے لگا۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد وہ لاہور آیا تو معمول کے مطابق گھر میں اس کی چھوٹی بہن علیشبہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، بابا آفس میں کسی میٹنگ میں بزی تھے، ماما اپنی فرینڈ کے ہاں ٹی پارٹی میں مدعو تھیں جبکہ نجل شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی، علیشبہ کی نیچر بھی اپنے بھائی میکال جیسی ہی تھی اس کو پارٹیز میں جانا تو بالکل پسند نہیں تھا اور روز روز کی شاپنگ سے وہ اکتا جاتی تھی، اس کو بس اپنی کتابوں سے مطلب تھا۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا تھا جب وہ اپنے کمرے سے نکلتی سیدھی اس کی صرف ہی چلی آئی۔

''بھائی آپ کچھ کھائیں گے؟'' علیشبہ نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا، میکال جو کہ آنکھیں

موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھا تھا اس کی آواز پر سیدھا ہو گیا۔
"نہیں مجھے ابھی بھوک نہیں۔"
"آپ کچھ تھکے تھکے لگ رہے ہیں، کافی بنا کر لاتی ہوں آپ کے لئے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا مگر میکال نے کافی سے بھی انکار کر دیا۔
"کیا ہوا بھائی آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" علیشبہ نے اس کو یوں نڈھال بیٹھا دیکھا تو فکرمندی سے پوچھنے لگی۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بس ذرا تھکاوٹ ہو گئی ہے تھوڑا آرام کروں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔" میکال نے مسکراتے ہوئے کہا۔
دونوں بہن بھائی محو گفتگو تھے جب سجل لاؤنج میں نمودار ہوئی۔
"ارے تم؟ تم نے بتایا ہی نہیں کہ تم آ رہے ہو؟" سجل نے میکال کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کیوں تم نے میرے آنے پر کوئی خاص اہتمام کرنا تھا جو تمہیں بتا دیتا؟" میکال کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"تم کون سا امریکہ سے آ رہے تھے جو تمہارے لئے خاص اہتمام کیا جاتا۔" سجل نے لاپرواہی سے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔
"سناؤ کیسی ہے تمہاری وہ محبوبہ؟"
"محبوبہ؟ میری کون سی محبوبہ ہے؟" میکال نے حیرت سے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔
"وہی پاگل لڑکی، جس کی سادگی پر تم فدا ہو۔" وہ سمجھ گیا تھا سجل روزی کی ہی بات کر رہی ہے۔
"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" میکال کے لہجے میں سختی تھی۔

"میرا دماغ تو بالکل درست ہے لیکن تمہارا شاید ضرور خراب ہو چکا ہے، اس گاؤں والی کی محبت میں۔" سجل نے اپنی نگاہیں سیل پر مرکوز کیے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔
"تم آخر چاہتی کیا ہو؟ اور تمہارے دماغ میں ایسی فضول سوچ آ بھی کیسے سکتی ہے تم مجھ پر ایسے فضول قسم کے الزامات لگا کر ثابت کیا کرنا چاہتی ہو، جن سے میرا کوئی تعلق ہے اور نہ اس کا، ہم دونوں کے درمیان کبھی ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر تم ایسی فضول قسم کی بکواس کرو۔" میکال پہلی بار سجل سے اتنے غصے میں بات کر رہا تھا، علیشبہ سجل کے آتے ہی اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔
"بس رہنے دو تم، میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں بھی اور ایسی لڑکیوں کو بھی جو کسی کے بھی شوہر کو اپنے بس میں کر لیتیں ہیں۔"
"سجل!" میکال چلایا تھا۔
"چلاؤ مت، سچ کسی کو بھی برداشت نہیں ہوتا، اس لئے تمہیں بھی نہیں ہو رہا۔" سجل طنز کرتے لہجے میں کہتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور اپنے کمرے میں چلی آئی، میکال نے غصے میں ٹیبل پر پڑا گلاس سامنے دیوار پر دے مارا اور ٹی وی لاؤنج سے نکل گیا۔

☆☆☆

میکال سجل سے ہونے والے جھگڑے کی وجہ سے اسی دن واپس گاؤں چلا آیا، اس وقت میکال گاؤں کے اسی باغ میں تھا جہاں روزی اکثر آتی تھی، آغا جان کی طبیعت آج اچانک بے حد بگڑ گئی تھی، پریشانی کی حالت میں آنسو بہاتی بی جی روزی کے کمرے میں داخل ہوئیں، روزی اپنی وارڈ روب کے سامنے کھڑی تھی جب بی جی کو یوں روتا دیکھ فوراً ان کی جانب بڑھی۔

''کیا ہوا بی جی؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟''
روزی نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔
''وہ..... وہ تمہارے آغا جان کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے، وہ کمرے میں بے ہوش پڑے ہیں۔'' روزی بی جی کی بات مکمل کرتے ہی آغا جان کے کمرے کی جانب بھاگی۔
''آغا جان..... آغا جان..... اٹھیں آغا جان۔'' روزی نے ان کے گال تھپتھپا رہی تھی، وہ بھاگتی ہوئی حویلی کے آنگن میں آئی اور ملازم کو آغا جان اور بی جی کے پاس جانے کو کہا، روزی بھیگتی آنکھوں سے حویلی کا گیٹ عبور کرتی باہر آگئی اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہسپتال پہنچی، اس نے میکال کو تلاش کرنا چاہا لیکن وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔
وہ بھاگتی ہوئی اسے انہی جگہوں پر تلاش کرنے لگی جہاں وہ اکثر چہل قدمی کے لئے جاتا تھا، وہ کھیتوں میں تھا نہ ہی گراؤنڈ میں، وہ باغ کی جانب بڑھی پھولی ہوئی سانسوں سے وہ باغ پہنچی تو میکال ایک درخت کے سائے میں کھڑا امرود کھا رہا تھا، وہ بھاگتی ہوئی اس کے قریب پہنچی، میکال نے اس کو گرتے گرتے بچایا، روزی کا سانس پھولا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے، وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی، میکال اس کو یوں بے حال دیکھ کر پریشان ہوگیا۔
''کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟''
''وہ..... وہ آغا جان، آغا جان کی طبیعت.....'' وہ مزید کچھ نہ کہہ پائی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
میکال اس کی بات سمجھ گیا، وہ جلدی سے حویلی کی جانب بھاگا اور آغا جان کو گھر کے دو ملازموں کی مدد سے ہسپتال لے آیا۔
آغا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، اگر میکال کو آنے میں مزید چند لمحے بھی لگتے تو آج ان کی جان بھی جا سکتی تھی، لیکن اللہ نے آغا جان کی حیات ابھی مزید لکھی تھی۔
جب تک آغا جان کو ہوش نہ آگیا بی جی اور روزی روتے ہی رہے تھے، میکال ان کو تسلیاں دیتا رہا۔
آغا جان کو اندر ہی اندر کوئی پریشانی دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی، جس کو وہ ظاہر تو نہیں ہونے دیتے تھے، لیکن اسی پریشانی کی وجہ سے ہی آج ان کی طبیعت اس موڑ پر آن پہنچی تھی، میکال بی جی کے پاس ہی بینچ پر آ بیٹھا۔
''بی جی! آغا جان کو کیا پریشانی ہے؟ اس کی اس طرح اچانک طبیعت بگڑنے کی وجہ جو بھی ہے گمبھیر ہے، آپ بتائیں مجھے ایسی کیا بات ہے جو ان کو فکرمند کیے ہوئے ہے؟'' وہ بی جی سے محبت بھرے انداز میں مخاطب تھا، بی جی خاموش رہیں، روزی حویلی واپس چلی آئی تھی اور اللہ کے حضور بیٹھی آغا جان کی صحت یابی کی دعا مانگ رہی تھی۔
''بی جی!'' میکال نے ان کو یوں خاموش آنسو بہاتا دیکھا تو محبت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتا ہوا بولا۔
''بی جی! آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟'' میکال نے مدھم آواز میں کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''چوہدری شجاعت احمد کا بیٹا، آغا جان کے بھائی کا بیٹا جی بی جی میں وہی میکال ہوں جو آپ کے ہاتھ کے بنے گاجر کے حلوے کا شوقین تھا، آپ کا لاڈلا میکال، اسی شجاعت احمد کا بیٹا جو آج سے پندرہ سال قبل اپنے بھائی سے صرف جائیداد کے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حویلی

چھوڑ کر اپنے اپنوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، بی جی میں نہیں جانا چاہتا تھا، آپ سب سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا، لیکن بی جی میں اس وقت چھوٹا تھا ماما بابا مجھے بھی زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے، میں آپ کو اور آغا جان کو یاد کر کے بہت روتا تھا، لیکن ماما بابا میرے رونے کی پرواہ کیے بنا مجھے کمرے میں بند کر دیتے تھے اور میں روتا روتا سوتا جاتا تھا، میرا آپ کے روزی کے، آغا جان کے بنا بالکل بھی دل نہیں لگتا تھا، پھر میں نے بچپن میں ہی ایک اٹل فیصلہ کرلیا تھا کہ میں ڈاکٹر بنوں گا اور اپنے گاؤں واپس آؤں گا اور اپنے گاؤں کے غریب لوگوں کی بھی مدد کروں گا اور آپ لوگوں کے قریب آس پاس رہوں گا، پھر جب میں دس سالوں بعد ایک اچھا ڈاکٹر بن کر گاؤں لوٹا تو میرا بہت دل چاہا کہ سب سے پہلے حویلی آ کر آپ سب سے ملوں لیکن میں آغا جان کے غصے اور ناراضگی سے ڈرتا تھا، مگر جس دن مجھے آغا جان ملے اور میری ان سے ملاقات ہوئی تو میرے وسوسوں میں کمی ہوئی، مجھے اندازہ ہو کہ آغا جان آج بھی ویسے ہی ہیں ''سخت چادر کی لپیٹ میں چھپے نرم سے دل کے مالک آغا جان۔''

وہ نان اسٹاپ بولتا رہا، اور بی جی مبہوت سی بیٹھی اس کو سنتی رہیں، جس میکال کو وہ اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں، جو روزی اور میکال میں فرق نہیں کرتی تھیں وہ میکال آج پھر ان کے سامنے بیٹھا تھا، کتنا بڑا ہو گیا تھا وہ، بی جی نے بے یقینی سے اس کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''میکال...... تم ہمارے میکال ہو۔'' بی جی کی آنکھوں کے ساتھ آواز بھی بھیگ چکی تھی۔

''تم...... تم کتنے بڑے ہو گئے ہو۔'' بی جی خوشی سے چہکتی ہوئی بولیں۔

جب کوئی اپنا بچھڑا ہوا ملے تو ایک لمحے میں سب گلے، شکوے دور ہو جاتے ہیں اور ناراضگی تو بڑوں میں تھی جن میں بچوں کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا، اس لئے بی جی نے بھی اس سے بغیر کسی شکوے شکایت کے خوشدلی سے اسے گلے لگا لیا تھا۔

میکال نے بی جی سے وعدہ کیا کہ وہ آغا جان اور اپنے بابا کے درمیان جو بھی دوریاں ہیں سب مٹا کر رہے گا بس اس کے لئے مجھے تھوڑا وقت درکار ہے اور آپ ابھی روزی اور آغا جان سے کچھ مت کہیے گا کہ میں کون ہوں اور بی جی اس کے فیصلے میں اس کے ساتھ تھیں۔

☆☆☆

آغا جان کی حالت اب پہلے سے کافی بہتر تھی، بی جی نے اب ان کا باہر جانا اکیلے سفر کرنا، زیادہ مصروف رہنا، سب پر پابندی لگا دی تھی۔

اب وہ پہلے سے بھی زیادہ آغا جان کا خیال رکھنے لگی تھیں، اس وقت بھی وہ آغا جان کے پاس کمرے میں تھیں جب میکال ان کی خیریت معلوم کرنے حویلی چلا آیا، آغا جان سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہ ان سے اجازت لیتا ہوا باہر آیا تو روزی آنگن میں لگے موتیے کے پھولوں کو زمین سے چنتی دکھائی دی، وہ قدم بڑھاتا اسی کی جانب چلا آیا، روزی کو میکال کی موجودگی کا احساس اس وقت ہوا جب اس کی آواز روزی کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''آرزو!'' میکال نے مخصوص دھیمے لہجے میں اس کا نام پکارا، روزی نے گردن گھما کر اپنے عقب میں کھڑے میکال کو دیکھا، اس نے پہلی بار میکال کے منہ سے اپنا نام آرزو سنا تھا، ورنہ وہ بھی اس کو روزی ہی پکارتا تھا۔

''کیسی ہو؟'' وہ جب سے گاؤں لوٹا تھا روزی سے بات نہیں کر پایا تھا، وہ اس کا سامنا ہی

بہت کم کرتی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" روزی نے ہاتھ میں تھامے پھولوں کو ٹوکری میں ڈالتے ہوئے پھیکے سے انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک لگتی تو نہیں ہو۔" میکال نے بغور اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ تم وہ روزی لگتی ہی نہیں جو شور مچاتی تھی، اتنا بولتی تھی کہ دوسرا اگر اپنی بات کہنا بھی چاہتا تو بیچارہ موقع نہ ملنے کی وجہ سے کہہ ہی نہ پاتا تھا۔" میکال کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"تو تم تو مجھے ایسے ہی دیکھنا چاہتے تھے، کم بولوں، کم باتیں کروں، کم باہر جاؤں کم شرارتیں کرو، سنجیدہ رہوں، اچھی لڑکی بن کر۔" روزی نے اس کے قدموں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا، وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی، وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم میری خاطر، میرے کہنے پر اتنا زیادہ بدل گئی ہو؟" میکال نے حیرت انگیز انداز میں پوچھا۔

"نہیں اپنی خاطر، اپنی مرضی سے۔" روزی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اپنی خاطر، اپنی مرضی سے مطلب؟"

"مطلب کچھ نہیں، مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے، پہلے دیر ہو چکی ہے۔" وہ کہتی ہوئی وہاں مزید نہیں رکی تھی اور میکال ساکت کھڑا سوچوں میں گنگ اس کو جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

میکال اپنے کسی مریض کی رپورٹ ہاتھ میں تھامے اس کا جائزہ لے رہا تھا جب سیل فون پر میسج ٹون کی آواز نے میکال کو اپنی جانب متوجہ کیا، میکال کے نمبر پر کسی انجان نمبر سے کچھ تصاویر ایم ایس کی گئیں تھیں، میکال ایک کے بعد ایک وہ تمام تصاویر دیکھتا چلا گیا، وہ تصاویر جس نے بھی سینڈ کی تھیں اس نے میکال کی غیرت کو للکارا تھا، میکال کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، اس کا بس چلتا تو وہ ہسپتال کی ہر چیز کو تہس نہس کر دیتا، اس نے رپورٹ کو وہیں ٹیبل پر پٹخا اور اسی لمحے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا آج اس کے صبر کا پیمانہ ٹوٹنے والا تھا، آج اس نے پہلی بار اپنی زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کرنے کا سوچ لیا تھا، بنا کسی کی پرواہ کیے۔

☆☆☆

میکال اس وقت اپنے گھر میں موجود تھا، اس نے اپنے کمرے میں پڑا انجل کا تمام سامان اٹھا باہر پھینکا تھا، اس کے ماں باپ اور بہن سب اس کو یوں غصے میں دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے، وہ غصے میں جو منہ میں آ رہا تھا انجل کے لئے بولتا جا رہا تھا، انجل معمول کے مطابق اس وقت بھی گھر پر نہیں تھی، شجاعت صاحب نے آگے بڑھ کر اس کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے جھنجھوڑا تھا۔

"میکال آخر ہوا کیا ہے؟ بتاؤ مجھے۔" وہ غصے میں چلائے تھے۔

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہوا ہے؟ آپ کو خود کچھ دکھائی نہیں دیتا کہ میری غیر موجودگی میں یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے؟ آپ کو تو اپنے بزنس سے فرصت ملے تو گھر کو دیکھیں اور ماما، ماما کے لئے تو ان کی پارٹیز، فرینڈز، شاپنگ ہی سب کچھ ہے، ان کو اپنی ان سرگرمیوں سے ہٹ کر کچھ دکھائی کب دیا ہے، میری غیر موجودگی میں میرے ہی گھر میرے ہی کمرے میں میری بیوی کسی اور کے ساتھ منہ کالا کرے یہ میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں، اس عورت کو مجھ سے نہیں

میری دولت سے محبت تھی، اس کو میکال نہیں میکال کے روپ میں کریڈٹ کارڈ چاہیے تھا، آپ نے زبردستی مجھے ایموشنل بلیک میل کر کے میری شادی سجل سے کروائی تھی ورنہ میں تو اسے کبھی بھی اپنی بیوی کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا، سجل سے میری شادی کروا کر بھی آپ کو ہی بزنس میں فائدہ تھا، آپ کو اولاد سے محبت نہ کل تھی نہ ہی آج ہے، آپ کو بھی بس پیسے سے محبت ہے اسی دولت جائیداد زمین کے چکروں میں آپ پندرہ سال پہلے حویلی چھوڑ کر یہاں چلے آئے تھے، آپ نے نہ کل اپنوں کی فکر کی تھی نہ آج۔'' میکال بلند آواز میں سب پر برس رہا تھا، کمرے میں موجود تمام افراد خاموش تماشائی بنے کھڑے اس کو سن رہے تھے، جب دفعتاً سجل کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم...... تم دفع ہو جاؤ یہاں سے، نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' میکال سجل کو دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھا تھا اور اس کو دھکا مار کر دور پھینکا تھا، وہ سامنے دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

''پاگل تو نہیں ہو گئے تم؟ کیا کیا ہے میں؟'' سجل نے غصے کے عالم میں چلا کر پوچھا۔

''یہ...... یہ اپنی حرکتیں خود دیکھ لو تم، تمہیں پتہ چل جائے گا کیا کارنامے سرانجام دیئے ہیں تم نے۔'' وہ اس کے سامنے اپنا موبائل کرتے ہوئے غصے سے بلند آواز میں بولا تھا۔

موبائل اسکرین پر سجل کی تصویر تھی سجل کسی غیر شخص کی بانہوں میں بانہیں ڈالے اس شخص کے کندھے پر سر ٹکائے اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھی اور وہ غیر شخص سجل کے بالوں میں انگلیاں الجھائے کن آنکھوں سے سجل کو دیکھ رہا تھا، سجل ان تصویروں کو ساکت کھڑی دیکھتی ہی رہ گئی، وہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی، چاہ کر بھی اپنی صفائی پیش نہیں کر سکی تھی، سجل کا اس لڑکے سے افیئر شادی سے پہلے کا تھا، سجل کی میکال سے شادی کی وجہ صرف دولت تھی۔

''اب یہاں بت بنی کھڑی مت رہو، دور ہو جاؤ میری نظروں سے، ورنہ میں کچھ ایسا کر بیٹھوں گا جو تم سوچ بھی نہیں سکتی۔'' سجل بنا کچھ کہے اسی وقت کمرے سے ہی نہیں بلکہ میکال کے گھر سے بھی چلی گئی، میکال کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ چکا تھا، اس کے جاتے ہی وہ اپنا سر تھامتے وہیں صوفے پر ڈھے گیا، وہ جیسی بھی تھی اس کی بیوی تھی، وہ سجل کی ہر حرکت ہر غلطی اگنور کر سکتا تھا، لیکن یہ حرکت نہ برداشت کرنے کے قابل تھی اور نہ ہی معاف کرنے کے۔

میکال کے بابا اس کے قریب آ کر بیٹھے تھے۔

''میکال بیٹا!'' انہوں نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا جس کو میکال نے ایک جھٹکے میں ہٹا دیا۔

''مت کہیں مجھے بیٹا۔'' وہ غصے میں چلایا تھا۔

''میں اب مزید اس گھر میں نہیں رہ سکتا جہاں کی درو دیوار سے مجھے وحشت ہوتی ہو، میں اس گھر سے اور اس گھر کے تمام لوگوں سے دور جا رہا ہوں، اگر کبھی اس بیٹے کی ضرورت پڑے یا یاد آئے تو پہلے حویلی جا کر آغا جان کو راضی کیجئے گا اور ان سے معافی مانگیے گا، پھر اس بیٹے کی طرف رخ کریئے گا، ورنہ مجھے بھول جایئے گا، آپ جب تک ان سے معافی نہیں مانگے گے میں آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔'' وہ غصے میں کہتا ہوا ٹیبل سے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر چلا گیا، چوہدری شجاعت اور ان کی بیوی اس کو چاہ کر بھی نہ روک پائے، علیشبہ اپنے بھائی کے ہر

فیصلے میں اس کے ساتھ تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی اس کا بھائی کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

وہ گاؤں کی قریبی نہر کے کنارے کھڑا تھا، اس کو سجل سے اگر محبت نہیں تھی تو نفرت بھی نہیں تھی، وہ اس کی بیوی تھی جس کو اس نے پورے خلوص سے قبول کیا تھا، لیکن اس کی بیوی نے اس کو دھوکہ دیا تھا، جس کو سوچ کر اگر وہ ایک طرف غصے سے پاگل ہو جاتا تھا تو دوسری طرف بے بسی سے نڈھال، وہ ہر ممکن کوشش کرتا تھا کہ اپنی بیوی کے حقوق پورے کر سکے، اس کو خوش رکھ سکے، مگر یہ سجل کی بدقسمتی تھی کہ اس نے میکال جیسے شخص کی ناقدری کی تھی، وہ آج بہت بے بس تھا، پہلے ماں باپ نے اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کو محبت سے محروم رکھا تھا اور آج شریک حیات نے دغا بازی کر کے اس کو مزید اندر سے توڑ ڈالا تھا، وہ آج کسی ایسے کندھے کی تلاش میں تھا جس پر سر رکھ کر وہ کھل کر رو سکتا، اپنی برسوں کی چھپی اداسیوں کو ظاہر کر سکتا، میکال نے اپنے قدم حویلی کی جانب بڑھا دیئے، وہ حویلی پہنچا تو آغا جان سو رہے تھے اور روزی اپنے کمرے میں تھی، بی جی اس کو آنگن میں ہی مل گئیں تو وہ ان کے قریب چلا آیا اور ان کے پاس پڑی کرسی پر براجمان ہو گیا، بی جی نے اچانک اس کے لاہور جانے اور پھر یوں واپس چلے آ جانے کی وجہ پوچھی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا اور آگے بڑھ کر زمین پر بی جی کے قدموں میں بیٹھ گیا، اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا، بی جی اس کو ایسے نڈھال دیکھ کر کچھ فکر مند سی ہو گئی تھیں۔

''بی جی! آج مجھے آپ کی گود میں سر رکھ کر رونے کا من کر رہا ہے، آپ تو ہمیشہ سے مجھے سمجھتی آئی ہیں اور رویا بھی انہی کے سامنے جاتا ہے نا جو آپ کو دکھ کی شدت کو جان سکے، آپ کے آنسوؤں پر آپ کے ساتھ برابر کا شریک رہے نا کہ آپ کا مذاق اڑائیں۔'' میکال تھکے تھکے سے انداز میں بول رہا تھا۔

''بی جی میری قسمت ہر بار مجھے دھوکہ دیتی ہے، میں جس چیز کو بھی چاہنے لگتا ہوں وہی مجھ سے چھین لی جاتی ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے بی جی؟'' میکال کی آواز میں بے بسی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا، اللہ اگر آپ سے کسی محبوب چیز کو دور کرتا ہے تو اس لئے کہ آپ کو اس سے بھی بہتر سے نواز سکے، وہ اپنے بندے سے اس وقت تک کچھ نہیں لیتا جب تک اس کو کچھ بہتر دے نہ دے۔'' بی جی نے ٹھہراؤ سے نرم لہجے میں اس کو سمجھاتے ہوئے کہا، وہ اٹھ کر واپس کرسی پر آن بیٹھا اور بغور بی جی کو خاموشی سے گھورنے لگا۔

☆☆☆

میکال نے چند ہی روز میں طلاق کے کاغذات تیار کروا کر سجل کو بھجوا دیئے تھے، وہ میکال کی زندگی میں صرف ایک طوفان برپا کرنے آئی تھی، جس کو برپا کرنے کے بعد اب گہری خاموشی کی صورت میکال کی زندگی کو ویران کر گئی تھی، میکال کو اس کی جدائی کا غم نہیں تھا مگر افسوس ضرور تھا۔

وہ بیوی سے پہلے اس کی ایک اچھی دوست رہ چکی تھی، وہ دوستی کا ہی مان رکھ کر اپنے اس رشتے کی لاج رکھ لیتی، میکال نے آنکھیں موندے ہوئے سوچا، وہ ہسپتال کے ایک کمرے میں کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے آیا تھا، جہاں وہ ڈیوٹی کے بعد رہتا تھا، کمرے میں صرف میکال کی چند ضرورت کی اشیاء ہی موجود تھیں، اس نے اٹھ کر کھڑکی سے پردے ہٹا دیئے،

اکتوبر کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور موسم میں کافی حد تک تبدیلی آ چکی تھی، کھڑکی کھولتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے میکال کو اپنی آغوش میں لیا تھا، اس نے آسمان پر چھائے بادلوں پر ایک نظر ڈالی جہاں آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپ چکا تھا، اس نے ہاتھ میں پہنی گھڑی پر ٹائم دیکھا تو اس کو خیال آیا آج اس نے آغا جان کا چیک اپ کرنے کے لئے حویلی جانا تھا اور وقت بھی ہو چکا تھا، میکال نے ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا اور روم لاک کر کے حویلی کے لئے نکل گیا۔

☆☆☆

آج ایک ہفتے سے بھی زیادہ دن بیت چکے تھے، شجاعت صاحب میکال سے رابطہ کرنے کی کوشش میں لگے تھے لیکن وہ ان کا فون نہیں اٹھاتا تھا اور جب اس کا موڈ آف ہو جاتا تو اپنا موبائل بند کر دیتا، میکال نے اپنے والدین کے سامنے ایک شرط رکھی تھی کہ اگر ان کو بیٹے سے محبت ہے تو پہلے آغا جان سے معافی مانگے پھر مجھ سے کوئی رشتہ رکھیے گا، وہ چوہدری شجاعت احمد کے سامنے ڈٹ گیا تھا، وہ اپنے والدین کے اپنے تک پہنچنے والے تمام راستے بند کر آیا تھا سوائے ایک راستے کے اور وہ راستہ آغا جان سے معافی مانگنے والا تھا۔

میکال اس وقت ان کے کمرے میں موجود آغا جان کو دوائی کھلا رہا تھا، جب بی جی اس کے لئے جوس کا گلاس تھامے کمرے میں داخل ہوئیں، میکال نے ان کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے صوفے پر آن بیٹھا۔

''تم حویلی ہی رہ جاؤ میکال، مجھے رات کو ان کی فکر لگی رہتی ہے کہ کہیں طبیعت نہ بگڑ جائے، اگر تم ہو گے میں ذرا آرام سے رہ سکوں گی۔'' بی جی نے آغا جان کی طرف فکر مندی سے دیکھتے ہوئے کہا تو آغا جان مسکرا دیئے، میکال بی جی کی بات پر کوئی جواب نہ دے سکا، اس نے آغا جان کی طرف دیکھا تو وہ بھی میکال کو ہی گھور رہے تھے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو بھئی، کوئی مسئلہ ہے ہمارے ساتھ حویلی رہنے میں۔'' آغا جان کی رعب دار آواز مگر نرم لہجے کی مٹھاس کمرے میں گونجی تھی۔

''ارے نہیں آغا جان، مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے، بلکہ مجھے تو آپ کی خدمت کر کے خوشی ہو گی۔'' میکال نے مسکراتے ہوئے محبت سے کہا تو آغا جان اور بی جی دونوں مسکرا دیئے۔

''چلو پھر آج تمہارا کمرہ صاف کروا دیتے ہیں، آج سے تم بھی اس حویلی کے فرد ہو۔'' آغا جان نے شفقت بھرے انداز میں کہا تو میکال اندر ہی اندر خوشی سے سرشار ہو گیا، کتنے عرصے بعد وہ پھر سے اس حویلی کا مکین بن گیا تھا جس حویلی میں اس کا حسین یادگار بچپن گزرا تھا۔

☆☆☆

رات کافی بیت چکی تھی جب وہ تہجد کی نماز پڑھ کر حویلی کی چھت پر چلی آئی، ہلکی ہلکی سرد ہوا کے جھونکے اس کو مسرور کر رہے تھے، وہ چھت پر پہنچی تو وہاں منڈیر کے قریب ایک شخص موجود تھا، چھت کی چار دیواری کے ایک کونے میں ماچس کا ننھا سا شعلہ بھڑکا تھا اور پھر سگریٹ کا جلتا کونا نظر آیا، وہ قدم قدم چلتی اس کے قریب چلی آئی۔

''کون؟'' روزی نے مدھم آواز میں ڈرتے ڈرتے پوچھا، میکال اپنے عقب میں کھڑی روزی کی جانب پلٹا، چاندنی کی ہلکی سی روشنی میں وہ پہلے سے زیادہ دلکش نظر آ رہی تھی۔

''ت......ت......تم یہاں، اس وقت؟'' روزی نے حیرت سے لرزتی ہوئی آواز میں

پوچھا، میکال خاموش کھڑا اس کو گھورتا رہ، وہ کتنا بدل گئی تھی۔

''تم سگریٹ بھی پیتے ہو؟'' روزی نے اس کے ہاتھ میں جلتے سگریٹ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''پیتا تو نہیں تھا مگر اب پینے لگا ہوں۔'' میکال نے مدھم سے جواب دیا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ پہلے کبھی مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔''

''روزی!'' اس نے چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد ہولے سے اس کا نام پکارا۔

''ہم انسانوں کی حیثیت بھی اس سگریٹ جتنی ہی ہے، جب تک کسی کو ہم سے مطلب ہوتا ہے وہ ہمارے ساتھ رہتا ہے جیسے اب یہ سگریٹ میرے ہاتھ میں ہے، لیکن جیسے ہی مجھے اس کی ضرورت نہیں رہے گی میں اس کو اپنے قدموں میں روند کر بجھا دوں گا، کچھ ایسی ہی کہانی ہم انسانوں کی بھی ہے، کچھ لوگ اپنا مطلب نکلوا کر ہمیں بھی بے مول کر جاتے ہیں۔'' میکال کے انداز میں ٹھہراؤ تھا اور آواز میں دکھ، روزی اس کی ان باتوں پر کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔

''تم ابھی تک سوئی نہیں؟'' میکال نے دفعتاً بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

''نیند نہیں آئی تھی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ..... کیونکہ بس میرا سونے کا دل نہیں کر رہا تھا۔''

''روزی تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟'' میکال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں تم سے کچھ کیوں چھپاؤں گی۔''

روزی نے اپنا رخ پھیر لیا۔

''میری آنکھوں میں دیکھو؟'' میکال اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''روزی میں نے کہا میری آنکھوں میں دیکھو۔'' روزی نظریں جھکائے کھڑی رہی۔

''میری آنکھوں میں دیکھ کر بولو کہ تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا رہی؟'' میکال نے اس کا بازو مضبوطی سے جکڑتے ہوئے کہا تو وہ اندر ہی اندر سمٹ کر رہ گئی، وہ ایک جھٹکے میں اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کرواتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی اور میکال کو بنا کچھ کہے تیز تیز قدم چلتی سیڑھیاں اتر آئی، جبکہ میکال اس کو جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

آغا جان اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے اور روزی بی جی کے ساتھ کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی اور میکال اپنی ڈیوٹی پر تھا، حویلی کے چار سو پرسکون ماحول کا راج تھا، جس کو دفعتاً چند لوگوں کی آمد نے ختم کر دیا، حویلی کا گیٹ عبور کرتے ہوئے وہ اپنے بھاری قدم اٹھاتے ہوئے لاؤنج میں چلے آئے جہاں کوئی بھی نہیں تھا، ان میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ آواز دے کر کسی کو پکار سکتے، کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں کھڑا رہنے کے بعد وہ ہمت کرتے ہوئے آغا جان کے کمرے کی جانب بڑھ گئے، کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد انہوں نے دروازہ کھولا، آغا جان بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹے تھے جب دستک کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھول کر دروازے کی جانب نظریں دوڑائیں، وہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئے، چوہدری شجاعت حسین کتنے برسوں کے بعد ان کی نظروں کے سامنے کھڑے تھے، ان کے عقب میں شائلہ بیگم اور علیشبہ بھی

تھیں، وہ بھی شجاعت صاحب کی طرح نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھیں۔

''آغا جان!'' چوہدری شجاعت آگے بڑھے تھے، آغا جان بالکل نہیں بدلے تھے، وجیہہ شخصیت کے مالک آغا جان آج بھی ویسے ہی تھے، بس پہلے سے کمزور لگ رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دیں آغا جان! آپ میرے بھائی ہیں، آپ کا مجھ پر پورا حق ہے آپ جتنا چاہیں مجھے ڈانٹ لیں، برا بھلا بول لیں، لیکن مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے، مگر مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے، میں دولت کے نشے میں پاگل ہو گیا تھا، مجھے پیسوں کی لالچ نے اندھا کر دیا تھا، اس لئے اپنوں کی محبت کی قدر نہ کر سکا، لیکن آج مجھے احساس ہو گیا ہے آغا جان رشتوں سے اہم کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' شجاعت صاحب کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں، وہ آغا جان کے قدموں میں بیٹھے معافی کے طلب گار تھے۔

''جی آغا جان ہمیں معاف کر دیں، ہم نے آپ لوگوں کو بہت دکھ دیئے ہیں۔'' شائلہ بیگم نے بھی جھکی نگاہوں سے معذرت کی تھی۔

آغا جان ساکت بیٹھے ان کو سن رہے تھے مگر کوئی بھی جواب نہیں دے رہے تھے، اسی لمحے بی جی کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کو وہاں دیکھ کر ایک لمحے کو ساکت رہ گئیں، شائلہ بیگم بی جی کی جانب بڑھیں اور ان کے گلے لگ کر رو دیں اور ان سے بھی معافی مانگنے لگیں، بی جی نے ایک لمحہ بھی نہیں لگایا کہ انہیں معاف کر دیا، کیونکہ وہ جانتی تھیں ان کا رب معاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔

بی جی نے آگے بڑھ کر آغا جان کی جانب دیکھا اور ان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھا دیا کہ سب گلے شکوؤں کو بھول کر انہیں معاف کر دیں، آغا جان نے آگے بڑھ کر شجاعت صاحب کو گلے سے لگا لیا اور مسکراتے ہوئے بولے۔

''صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔'' تمام تر ناراضگیاں ختم ہو گئیں، سب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے تھے، علیشبہ آگے بڑھ کر آغا جان اور بی جی سے پیار لے رہی تھی جب میکال کمرے میں داخل ہوا تھا، سب نے دروازے کی جانب نظریں دوڑائیں، وہ کمرے میں سب کو دیکھ کر مبہوت سا کھڑا سب کو دیکھنے لگا، وہ اپنے والدین سے ناراض تھا اس لئے ان کو نظر انداز کرتا ہوا آغا جان سے مخاطب ہوا۔

''آغا جان آپ کے کمرے میں، میں اپنی فائل بھول گیا تھا بس وہی لینے آیا ہوں۔'' وہ سامنے ٹیبل پر پڑی فائل اٹھاتے ہوئے بتانے لگا، اس نے فائل پکڑی اور واپس باہر کی جانب بڑھنے لگا جب شجاعت صاحب کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو تھما دیا۔

میکال کو یوں اس کے نام سے پکارنے پر آغا جان نے شجاعت صاحب کی جانب دیکھا اور ایک خیال ان کے ذہن میں آیا، یہ اپنا میکال ہے؟ وہ تو اس کو کوئی اور میکال سمجھتے تھے، اب دنیا میں صرف ایک ہی تو میکال نام کا شخص نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ان کو کبھی ایسے سوچنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ یہ ان کا اپنا خون ہے، شجاعت صاحب میکال کی جانب بڑھے۔

''مجھے معاف کر دو بیٹا، ہم تمہارے بھی قصور وار ہیں، لیکن کبھی کبھار بڑوں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس لئے چھوٹوں کو چاہیے کہ وہ بھی معاف کر دیں۔'' میکال نے ان کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو دیکھے تھے، میکال

نے آگے بڑھ کر اپنے بابا کو گلے سے لگا لیا تو آغا جان بھی مسکرا دیئے۔

میکال آغا جان کی جانب بڑھا اور کچھ ہی لمحوں میں پورا قصہ ان کو سمجھا دیا تو آغا جان نے اس سے بھی بنا کسی ناراضگی سے اس کو محبت سے گلے لگا لیا اور بے حد پیار سے سب کو اپنے اردگرد بیٹھا لیا۔

☆☆☆

حویلی میں خوشیوں کا سماں تھا، بچھڑے مل گئے تھے، تمام ناراضگیاں ختم ہو گئی تھیں اور سب نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا تھا، روزی کو تو جب علم ہوا کہ میکال اس کا کزن ہے تو وہ یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی، علیشبہ کو روزی بہت اچھی لگی تھی، وہ ہر وقت روزی کے پاس پاس رہتی، سب باہر لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور علیشبہ روزی کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

''تمہاری بھابھی کیوں نہیں آئی تم لوگوں کے ساتھ؟'' روزی نے بغور علیشبہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کون سی بھابھی؟'' علیشبہ نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''سنبل...... میکال کی بیوی۔'' روزی کو تو سب پتہ تھا نا۔

''اچھا وہ...... وہ اب کبھی نہیں آئے گی، نہ یہاں اور نہ ہی بھائی کی لائف میں۔''

''کیوں؟'' روزی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ بھائی نے اس کو طلاق دے دی ہے، شادی کے چار ماہ بعد ہی بھائی اور اس کی علیحدگی ہو گئی تھی۔'' ایک بار پھر آج جیسے روزی کے سر پر کسی نے بم بلاسٹ کیا تھا، وہ مزید کچھ نہ پوچھ سکی تھی، بس خاموش نگاہوں سے کمرے میں پڑی چیزوں کو گھورنے لگی۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے اب ہمیں روزی کے ہاتھ پیلے کر دینے چاہیے۔'' آغا جان کی بات پر بی جی نے اپنے عقب میں کھڑے ان کو دیکھا، جن کے چہرے پر اب کوئی پریشانی کے آثار تھے نہ ہی فکر مندی کے سوائے ایک، روزی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے۔

''کوئی ہے آپ کی نظر میں؟'' بی جی نے پوچھا تو آغا جان مسکرا دیئے۔

''ہاں اپنا میکال ہے نا، میری تو شروع سے ہی خواہش تھی کہ اپنی روزی کو میکال سے بیاہوں گا، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' آغا جان نے خاموش کھڑی بی جی سے پوچھا۔

''ن...... ن...... نہیں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن میکال کی تو پہلے بھی......'' بی جی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آغا جان بول پڑے۔

''شجاعت مجھے سب کچھ بتا چکا ہے، وہ شادی صرف شجاعت نے اپنے مفاد کے لئے کی تھی اور اس لڑکی نے میکال سے نہیں اس کی دولت سے رشتہ جوڑا تھا، ان دونوں کی شادی چند ماہ سے زیادہ نہیں چل سکی تھی، اس لڑکی کا کسی اور سے چکر تھا جب میکال کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے وقت ضائع کیے بغیر اس کو طلاق دے کر آزاد کر دیا۔'' آغا جان نے تفصیل سے ساری بات بی جی کو بتائی تو ان کو اندازہ ہوا کہ میکال پچھلے دنوں اتنا پریشان کیوں تھا۔

''شجاعت نے ہی میکال کے لئے روزی کا ہاتھ مانگا ہے، میں آج میکال سے بات کروں گا تو پھر تم بعد میں روزی سے بھی اس کی رضا مندی

کے بارے میں پوچھ لینا، کیونکہ میں اپنی بیٹی کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ صرف اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔'' آغا جان کے لہجے میں روزی کے لئے محبت نمایاں تھی۔

بی جی نے بھی ان کے فیصلے کو سراہا تھا اور وہ تو جانتی تھیں، میکال سے بڑھ کر اور کوئی بھی ان کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ پائے گا، روزی کے دل کے حال سے بھی وہ باخبر تھیں، کہ روزی تو میکال سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کا جواب تو ہاں ہی ہوگا، اب ان کو اگر کسی کے جواب کا انتظار تھا تو وہ میکال کے ان کی بیٹی کی خوشیاں میکال سے وابستہ تھیں، میکال ہی ان کو ان کی پہلے والی چہکتی ہوئی کھلکھلاتی ہوئی روزی واپس لوٹا سکتا تھا۔

☆☆☆

آغا جان نے میکال سے روزی اور اس کے رشتے کے متعلق بات کی تو اس نے سارا فیصلہ روزی کو سونپ دیا، میکال کو روزی قبول تھی مگر روزی کی رضامندی اس کے لئے بے حد اہم تھی، اس لئے اس نے آغا جان سے بھی یہی کہا کہ وہ پہلے روزی سے پوچھ لیں۔

حویلی میں سب کی زبان پر میکال کی شادی کے چرچے تھے لیکن روزی سے بی جی نے اب تک اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی، روزی یہ جان گئی تھی کہ ایک بار پھر میکال کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں مگر شادی کس سے ہو رہی ہے یہ نہیں پتا تھا، شجاعت صاحب شائلہ بیگم کے ہمراہ کچھ دنوں کے لئے لاہور چلے آئے تھے اور علیشبہ کی بھی یونیورسٹی سے کافی چھٹیاں ہو چکی تھیں سو اس کو بھی واپس آنا پڑا، روزی میکال کی دوسری شادی کا سن کر پھر سے اندر ہی اندر رونے لگی،

آغا جان بی جی کے ہمراہ آنگن میں بیٹھے شادی کی تیاریوں کی باتوں میں مگن تھے اور روزی چھت پر کھڑی میکال کی دوسری شادی ہونے پر دکھ سے ایک بار پھر نڈھال ہو رہی تھی، وہ پیچھے مڑی تو میکال سے ٹکرا کر گرتی گرتی سنبھلی، میکال اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ چکا تھا۔

''رو رہی ہو؟''

''نہیں۔'' روزی نے نظریں جھکا کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے کہ رو رہی ہو؟''

میکال نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں رو رہی ہوں پھر؟'' وہ قدرے چلانے کے سے انداز میں مخاطب ہوئی۔

''کیوں رو رہی ہو؟''

''کیونکہ میرا دماغ گھوم گیا ہے جو بار بار تمہارے لئے روتی ہوں، پاگل ہو گئی ہوں میں جو ایک ایسے شخص کے لئے آنسو بہاتی ہوں جس کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کیوں رو رہی ہوں، کس کی خاطر رو رہی ہوں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر ناسمجھ بھی ہو سکتے ہو کہ کسی کے جذباتوں کو ہی نہ سمجھ سکو، تم سچ میں اتنے ہی ناسمجھ ہو جتنے لگتے ہو یا پھر یہ سب جان بوجھ کر کرتے ہو، بار بار میرا دل توڑنے کے لئے کیوں چلے آتے ہو؟ میں ریزہ ریزہ بکھری اپنی ذات کی کرچیوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں اور تم ہر بار مجھے توڑنے چلے آتے ہو، تم چلے جاؤ، تم واپس چلے جاؤ بس، مجھ سے اتنا دور چلے جاؤ کے چاہ کر بھی تم مجھے یاد نہ آ سکو اور کبھی میرا تم سے سامنا نہ ہو سکے۔''

وہ آج اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال کر روتی ہوئی تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی نیچے اپنے کمرے میں چلی آئی، میکال مبہوت سے انداز میں کھڑا اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

آج دل کی بات لبوں پر چلی آئی تھی، محبت زیادہ دیر تک بھلا کب چھپ سکتی ہے، ایک نہ ایک دن یہ ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

☆☆☆

عشاء کی نماز کا وقت تھا، شجاعت صاحب بھی حویلی آئے ہوئے تھے، سب لوگ کھانے کے بعد آغا جان کے کمرے میں تھے، آج انہوں نے روزی اور میکال کی شادی کی تاریخ رکھ دی تھی، روزی اپنے کمرے میں خود کو قید کیے آنسو بہا رہی تھی، ابھی پہلی شادی کا غم اس کو بھولا نہیں تھا کہ میکال کی دوسری شادی کا سن کر اس کا دل حلق میں آ رہا تھا، بے وقوف لڑکی کو اب بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ دوسری شادی ہو کس کے ساتھ رہی ہے، وہ غم اور صدمے سے باہر نکلتی تو پتہ چلتا کہ گھر میں کون کیا باتیں کر رہا ہے۔

وہ نماز پڑھ رہی تھی جب بی جی اس کے کمرے میں آئیں اور اس کو نماز پڑھتا دیکھ کر دروازے سے ہی واپس چلی گئیں، وہ اب سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی، لیکن دعا مانگ نہیں رہی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے، وہ روتی روتی سجدے میں چلی گئی، وہ آج بھی اللہ سے میکال نہیں سکون مانگ رہی تھی، صبر مانگ رہی تھی، اللہ کی رضا مانگ رہی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی جب مجھے اللہ کی رضا مل جائے گی تو سارا جہاں مل جائے گا، لیکن رضا اب تک نہیں ملی تھی، اللہ تعالیٰ مجھے مجھے ویسا بنا دیں جیسا آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ میں بہت گنہگار ہوں، لیکن پھر بھی صرف آپ سے امیدیں وابستہ ہیں، اللہ پاک آپ غفور و رحیم ہیں، پلیز مجھ پر بھی رحم کر دیں اور مجھے معاف فرما دیں، آپ مجھے سکون بخش دیں، میکال اگر میرے مقدر میں نہیں ہے تو یوں اس کو بار بار میرے سامنے کھڑا کر کے مجھے نہ آزما میں، میں اس قابل نہیں ہوں کہ اتنی آزمائشوں پر پورا اتر سکوں، میکال دروازے میں کھڑا تھا، وہ بنا پلک جھپکے سجدے میں روتی ہوئی آرزو کو دیکھ رہا تھا، وہ اس کو کچھ کہنے آیا تھا، لیکن روزی کو اس حال میں دیکھ کر دروازے پر ہی رک گیا تھا، یہ وہ آرزو نہیں تھی جس کو میکال نے پہلے روز دیکھا تھا، وہ والی آرزو تو بہت لاپرواہ سی تھی، شوخ چنچل سی روزی، اور یہ والی آرزو کوئی دوسری آرزو لگ رہی تھی، اتنی سنجیدہ، اپنے اندر اتنا کچھ چھپائے ہوئے وہ صرف اللہ کے سامنے بے بس تھی، سب کے سامنے خود کو نارمل رکھنے کا فن اس کو خوب آتا تھا، میکال نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

روزی جلدی سے خود کو کمپوز کرتی ہوئی سیدھی ہو گئی اور جائے نماز تہہ کر میز پر رکھتے ہوئے میکال کو اگنور کر گئی۔

وہ کمرے کی کھڑکی سے پردے ہٹا کر کھڑکی کھولنے لگی، کھڑکی کے پٹ کھولتے ہی ایک سرد نم ہوا کا جھونکا کمرے میں داخل ہوا تھا، دسمبر کا آغاز ہو چکا تھا، موسم بالکل سرد تھا، وہ میکال کو نظر انداز کرتی ہوئی وہیں کھڑکی میں کھڑی ہو گئی اور چاند کو دیکھنے لگی، میکال دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا اس کے قریب چلا آیا۔

''روزی!'' اس نے مدھم آواز میں اس کا نام پکارا، روزی نے مڑ کر میکال کی جانب دیکھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' میکال نے آنے کی وضاحت پیش کی تو وہ اس کی جانب رخ کر کے کھڑی ہو گئی تھی، وہ دو قدم مزید اس کے قریب چلا آیا۔

''مجھ سے شادی کے بعد مجھے درخت سے

"تم نے سر ہلایا کیوں تھا؟" میکال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شرارت بھرے انداز میں سنجیدگی سے پوچھا، وہ میکال کی بات پر بے یقینی سے میکال کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"م...... میری شادی...... تم سے؟" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جملہ مکمل کر پائی۔

"ہاں...... تم سے ہی تو میری شادی ہو رہی ہے نا، تم مجھے پہلے پسند تھی، لیکن اب میں پسند سے بہت آگے نکل چکا ہوں، میں تمہاری محبت کی کشتی کا مسافر بن چکا ہوں، جس کو اب منزل تک صرف تم پہنچا سکتی ہو۔" میکال اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔

"روزی تم میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو، کیا میں تمہیں ان سب کے باوجود قابل قبول ہوں؟ ہاں مانتا ہوں میری تم سے دوسری شادی ہے لیکن روزی ایک بات تم جان لو، صرف شادی دوسری ہے، محبت نہیں، میری پہلی اور آخری محبت تم ہی ہو، بولو...... کیا میں تمہیں قبول ہوں؟" میکال نے سنجیدگی سے پوچھا، روزی نے مسکراتے ہوئے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا تو میکال بھی مسکرا دیا، روزی تو اس دن اپنی محبت اس کو ظاہر کر چکی تھی، لیکن آج میکال کے اظہار کرنے پر روزی کی خوشی کی انتہا نہیں تھی، اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر یہ ادا کیا اور میکال کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اللہ نے اس کو آزمایا تھا اور وہ اس کی آزمائش میں پاس ہو گئی تھی جس کے انعام کے بدلے میں اس کو اس کی محبت نواز دی گئی تھی۔

حویلی میں ہر جانب خوشیوں کی شہنائیاں بج رہی تھیں، ہر کوئی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا، میکال کے گھر والے بھی حویلی آ چکے تھے، چند روز بعد ان دونوں کی مہندی تھی اور آج میکال بی جی اور آغا جان کی اجازت سے روزی کو شاپنگ کے لئے لایا تھا، وہ اس کو اپنی پسند کا لہنگا لے کر دینا چاہتا تھا، وہ دونوں اس وقت ایک شاپنگ مال میں موجود تھے، روزی کے سامنے بہت سے خوبصورت لہنگے پڑے تھے، بالآخر اس نے ایک میرون کلر کا لہنگا پسند کیا جس پر گرے اور سلور کلر کا کام نہایت نفاست سے کیا گیا تھا جو لہنگے کو مزید پر کشش بنا رہا تھا، روزی نے میکال کی پسند کو سراہا تھا، وہ اپنا شادی کا جوڑا دیکھ کر بے حد خوش ہو رہی تھی، میکال نے جوڑا پیک کروایا اور دونوں شاپنگ مال سے نکل آئے، روزی میکال سے باتیں کرنے میں مگن تھی جب کوئی سامنے سے آتی ایک لڑکی سے وہ ٹکرا گئی اور ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ نیچے گر گئے، میکال نے جھک کر تمام شاپرز اٹھائے اور روزی ٹکٹکی باندھ کر اس لڑکی کو دیکھنے لگی۔

"سجل!" میکال اس کو دیکھ کر ناگواری سے بڑبڑایا، سجل روزی کو نظر انداز کرتے ہوئے میکال کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میکال...... میکال پلیز مجھے ایک موقع دے دو، میں اپنی غلطی سدھارنا چاہتی ہوں، میکال پلیز مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں کتنی بار کال بھی کی تھی لیکن تم نے ایک بار بھی میرا فون نہیں اٹھایا، میکال...... میکال وسیم مجھے چھوڑ گیا ہے، وہ کہتا ہے اگر میں اس کی خاطر تمہیں چھوڑ سکتی ہوں تو کسی کی بھی خاطر اس کو بھی دھوکہ دے سکتی ہوں۔" وہ اپنی ہی دھن میں مگن بولتی جا رہی تھی اور وہ دونوں خاموش کھڑے ناگواری سے اس کی بکواس سن رہے تھے۔

"تو کیا غلط کہا اس نے؟ تم جیسی عورتیں صرف پیسے کی ہوتی ہیں، کسی کی محبت، جذبات کی

قدر تم جیسی عورت کبھی نہیں سمجھ سکتی، تم اتنی گری ہوئی عورت ہو کہ طلاق کے بعد پھر مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں ایک موقع دوں؟ اور تمہاری غلطی معاف کر دوں؟ تم نے غلطی نہیں سجل گناہ کیا تھا اور گناہ کی معافی اللہ سے مانگی جاتی ہے یوں میرے سامنے اپنا وقت برباد کرنے سے بہتر ہے جا کر اللہ سے معافی مانگو۔'' وہ غصے میں بولتا ہوا مزید نہیں ٹھہرا اور روزی کا بازو تھامتا ہوا آگے بڑھ گیا، سجل اس کو چاہ کر بھی نہیں روک سکی تھی، اس نے اپنے شوہر کو دھوکہ دیا تھا، جو کہ گناہ تھا، کبیرہ گناہ۔

وہ دونوں گاڑی میں آن بیٹھے تو میکال نے ایک نظر روزی پر ڈالی، اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

''لیکن اگر وہ خود تمہیں چھوڑ کر میرے پاس چلا آیا تو؟'' روزی نے تب یونہی غصے میں سجل سے یہ الفاظ کہے تھے لیکن کبھی کبھار انسان کی بس یونہی کہی گئی باتیں بھی اثر دکھا کر سچ ہو جاتی ہیں، روزی سوچوں میں ڈوبی تھی جب میکال نے گاڑی میں میوزک آن کیا تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

جسے زندگی ڈھونڈ رہی ہے
کیا یہ وہ مقام ملا ہے
کوئی مجھ کو یوں ملا ہے
جیسے بنجارے کو گھر

میکال کی پوری توجہ گانے پر تھی اور روزی کی ڈرائیو کرتے میکال پر، روزی نے خاموشی سے مسکراتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا اور گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

آج روزی اور میکال کی مہندی تھی، حویلی کے ساتھ ایک کافی بڑا پلاٹ خالی تھا، جس میں شامیانے لگا کر مہندی کا فنکشن ارینج کیا گیا تھا، سامنے اسٹیج پر ایک لکڑی کا جھولا رکھا تھا جس میں دلہن اور دولہا کو بٹھا کر مہندی کی رسومات کی جاتی تھیں، گیندے اور موتیوں کے پھولوں کی لڑیوں سے کی گئی سجاوٹ بے حد پیاری تھی، کچھ ہی لمحوں میں مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی، ہر طرف خوشیوں کی گہما گہمی تھی، مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا، میکال نے سفید شلوار قمیض پر پیلے رنگ کا دوپٹہ گلے میں مفلر کی صورت ڈال رکھا تھا، بڑھی ہوئی شیو میں وہ پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم لگ رہا تھا، دور سے علیشبہ بی جی اور چند لڑکیوں کے ہمراہ آتی روزی دکھائی دی، جو نگاہیں جھکائے چہرے پر مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی، وہ بنا میک اپ کے بھی بہت حسین لگتی تھی، روزی نے مہندی کا سوٹ بھی میکال کی پسند سے بنوایا تھا، میکال نے آگے بڑھ کر روزی کو ہاتھ بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسٹیج پر چلی آئی اور نزاکت سے چلتی اپنی منتخب کردہ جگہ پر بیٹھ گئی، سب لوگ آ کر باری باری مہندی کی رسم ادا کرنے لگے، سب کے چہروں پر خوشی کی چمک تھی، میکال گاہے بگاہے روزی کو چور نظروں سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں رب کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اسے روزی جیسی شریک حیات سے نواز جا رہا ہے۔

آج بارات کا فنکشن تھا، روزی میرون کلر کے لہنگے میں ملبوس بے حد نیچرل بیوٹی شو کرتا کیا گیا میک اپ، جس میں وہ کسی پری کی مانند لگ رہی تھی، وہ پہلی بار ایسے سجی سنوری تھی، ورنہ اس کا بناؤ سنگھار ہمیشہ لپ اسٹک سے کاجل تک محدود ہوتا تھا، میکال بلیک کلر کی شیروانی میں ملبوس اس کے ہمراہ کھڑا کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا، روزی اندر ہی اندر اتنی خوش ہو رہی تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا اٹھ کر خود دھمال ڈالنے لگے،

لیکن اب وہ پہلے سے سمجھدار ہو چکی تھی، وہ جانتی تھی نہ موقع ہے نہ اس کا حلیہ کہ وہ دھمال ڈالتی اچھی لگے۔

تمام تر رسومات اختتام پذیر ہوئی تو وہ رخصت ہو کر میکال کے ہمراہ لاہور والے گھر چلی آئی، علیشبہ اور شائلہ بیگم آرزو کو میکال کے کمرے میں لے آئیں، کمرے کے پردوں سے لے کر کارپٹ تک کا کلر ریڈ تھا، بیڈ شیٹ، لیمپ لائٹز، کشن، کمرے کی ہر چیز سرخ رنگ میں نہا رہی تھی، روزی کے استقبال میں زمین پر بچھائی گئی سرخ گلاب کی پتیاں، جن پر چل کر وہ بیڈ تک آئی تھی، علیشبہ اور شائلہ بیگم کمرے سے جا چکی تھیں، روزی کا دل معمول سے ہٹ کر زوروں سے دھڑک رہا تھا، وہ سہمی ہوئی سی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی، کمرہ بہت پرکشش تھا، کمرے میں جلتی موم بتیوں کی مدھم سی روشنی کمرے کو مدہوشی کا ماحول بخش رہی تھیں، میکال دروازے پر دستک دیتا کمرے میں داخل ہوا، اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر گھمائی، روزی نظر نہیں آئی، اس نے آگے بڑھ کر واش روم میں دیکھا تو واش روم کا دروازہ بھی کھلا تھا وہ وہاں بھی نہیں تھی، وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جانے لگا جب کمرے میں چھائی گہری خاموشی میں کسی کی چوڑیوں کی کھنک سنائی دی، میکال واپس مڑا اور دھیرے دھیرے بیڈ تک آیا، اس نے جھک کر بیڈ کے نیچے دیکھا تو بے اختیار قہقہہ لگاتا ہوا کارپٹ پر ہی لیٹ کر لوٹ پھوٹ ہونے لگا، ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

''مائی ڈیئر وائف آپ یہاں اس وقت بیڈ کے نیچے ایسے کیوں لیٹی ہیں؟'' میکال نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ......وہ...... میں...... وہ میں یہاں۔''

روزی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بہانہ بنائے۔
''تم مجھ سے چھپ رہی تھی؟'' میکال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''میں کیوں چھپوں گی؟'' روزی نے آنکھیں گھماتے ہوئے تنک کر کہا۔
''ہوں..... چلو باہر آؤ۔'' میکال نے ہاتھ بڑھا کر اس کو باہر نکلنے میں مدد کی، تو وہ اندر ہی اندر خود کو ملامت کرنے لگی کہ ایسا بھی کیا ڈر کے بیڈ کے نیچے ہی چھپ گئی۔
وہ ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے، روزی اپنی حرکت پر اب تک شرمندہ ہو رہی تھی اور میکال اس کی اس حالت کو انجوائے کر رہا تھا۔
''روزی!'' میکال نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے اس کا نام پکارا۔
''مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے، کبھی تمہارے جذباتوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی اور تمہارے لئے جو میرے جذبات تھے ان کو بھی اپنے اندر ہی کہیں دفن کرتا رہا، صرف یہی سوچ کر کے میں کسی اور کے ساتھ منسوب تھا اور تمہیں جھوٹے خواب نہیں دکھانا چاہتا تھا، لیکن جو بھی ہوتا ہے بہتر ہوتا ہے، تم نے مجھے یونہی ملنا تھا سو مل گئی۔'' اس نے مسکرا کر روزی کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔
میکال روزی کو بغور گھور رہا تھا جب روزی نے جھکی نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور ہولے سے سرگوشی کے سے انداز میں مخاطب ہوئی۔
''میکو!'' بہت دنوں بعد اس نے میکال کو اس نام سے پکارا تھا، اس کے یوں پکارنے پر میکال کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
''تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، پتہ ہے کیوں؟'' روزی نے معصومیت سے کہا تو میکال نے مسکراتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔
''کیوں؟''
''کیونکہ تم پیارے افضل کی طرح لگتے ہو، ہائے میکو میں تمہیں بتا نہیں سکتی مجھے کتنا پسند ہے وہ۔'' روزی نے چہکتے ہوئے کہا تو میکال بے اختیار قہقہہ لگاتا ہوا ہنس دیا، پرانی روزی واپس لوٹ آئی، وہ پھر سے کھلکھلاتی کلی کی سی طرح لگ رہی تھی۔
''تم بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہو، پتہ ہے کیوں؟'' میکال نے اس کو کاپی کرتے ہوئے کہا تو روزی نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔
''کیوں؟''
''کیونکہ تم پوری پی جی کی کاپی ہو، میں تمہیں کیا بتاؤں میری کتنی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی سے شادی کرنے کی۔'' میکال نے ہنستے ہوئے اس کو چھیڑا تو وہ بھی کھلکھلاتی ہوئی ہنس پڑی۔
میکال نے کتنے مہینوں بعد روزی کو یوں مسکراتے ہوئے کھلکھلاتے ہوئے دیکھا تو ایک پرسکون سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے دل میں اپنی نئی شروع ہونے والی زندگی کی خوشیوں کی دعا مانگنے لگا۔
محبت، آزمائشوں، دکھوں کا سفر کٹھن ضرور ہوتا ہے مگر اس سفر کو پار کرنا ناممکن ہرگز نہیں ہوتا۔
روزی نے سوچتے سوچتے میکال کی جانب مسکرا کر دیکھا تو وہ بھی روزی کو دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔
دونوں اپنی زندگی میں ایک دوسرے کا ساتھ پا کر مطمئن ہو گئے تھے اور دونوں دل سے اللہ کے شکر گزار بھی تھے۔

☆☆☆

شہر دل
عظمیٰ شاہین

FIESTA

PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اپنے آفس کے انٹرکام پر میں نے اپنی سیکرٹری کا پیغام موصول کیا جس نے مجھے حیران کرنے کے ساتھ ساتھ میری ساری توجہ کام سے ہٹا دی تھی میں نے تکمیل کو اندر بھیجنے کا آرڈر دیا، آفس میں داخل ہوتے تکمیل کو دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا اور گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

''خیریت ہے جگر آج کیسے راستہ بھول گئے میرے آفس کا۔'' میں نے اپنی حیرانگی کو الفاظ کا پیراہن دیا، اس دوران وہ بڑی بے تکلفی سے میری خالی کی گئی ریوالونگ چیئر پر براجمان ہو چکا تھا، میں نے اس کے سامنے والی نشست سنبھالی۔

''ہاں تیرے رخ روشن کے درشن کرنے کو جی چاہا تو چند گھنٹے کا انتظار وبال جان بن گیا اور میں دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بھاگا چلا آیا۔'' خالص لوفرانہ انداز میں ایک آنکھ دبا کر اس نے کہا۔

''بکومت، سیدھی طرح لائن پہ آؤ۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس کے وجیہہ چہرے پر نظریں جمائیں، مسرت اور جوش نے اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھر دی تھی۔

''تمہارے ہاں مہمانوں سے آتے ہی چائے پانی کا پوچھنے کی بجائے تفتیش شروع کر دی جاتی ہے کیا؟''

''جی ہاں آپ جیسے بن بلائے مہمانوں کو الٹا بھی لٹکا دیا جاتا ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے ساتھ ہی انٹرکام پر ریفریشمنٹ کا آرڈر دیا۔

''اب آپ اپنی تشریف آوری کی وجہ بتانا پسند کریں گے؟''

''تاشفین! تمہیں ایک گڈ نیوز سنانی ہے۔'' کہہ کر اس نے تھوڑا توقف کیا۔

''میں نے تمہاری بھابھی ڈھونڈ لی ہے اور مزے کی بات اس نے اپنی رضامندی بھی دے دی ہے۔'' اس کی بات سن کر حقیقی معنوں میں میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''اپنا بوتھا تو بند کر یار۔'' اس نے احساس دلایا تو میں نے فوراً منہ بند کیا اور اس کا گلا دبانے کو لپکا۔

''کمینے، ذلیل اتنی بڑی بات مجھے اب بتا رہا ہے۔'' میں نے اس کی گردن دبوچ لی، اسی ساعت آفس کا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور میری سیکرٹری نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''سر مے آئی کم ان۔'' اور سامنے کا منظر دیکھ کر سٹپٹا کر واپس مڑی، میں نے خجل ہو کر تکمیل کی گردن چھوڑی، اپنے ڈیسنٹ (آہم) باس کو نورا کشتی کرتے دیکھ کر اس نے جانے کیا سوچا ہو گا۔

''خبردار جو اپنا منحوس تھوبڑا لے کر میرے آفس میں آئے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' میں منہ پھلا کر بیٹھ گیا مگر اس نے میرے حکم کی تکمیل کی بجائے چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا۔

''نام نہیں پوچھے گا بھابھی کا؟'' اس کی آنکھیں جیسے بذات خود ستارہ بن گئی تھیں۔

''بکو۔''

''امن!'' اس نے دھماکہ کیا تھا جس نے میرے وجود کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

''آر یو آل رائٹ تاشفین؟'' وہ مجھے صم بکم دیکھ کر فکرمند ہوا۔

''کون سی امن؟'' اس کا سوال نظر انداز کر کے میں نے جانے کس امید کے تحت پوچھا۔

''ارے یار اپنی امن، امن عباس اور کون۔'' اس نے امن کا پورا نام لیا، میں جیسے سماعت سے محروم ہو گیا تھا، اس کے بعد وہ نجانے کیا کیا کہتا رہا میں کچھ نہ سمجھ سکا۔

☆☆☆

امن عباس میرے چھوٹے چچا کی بیٹی تھی اور تمکیل بڑے چچا کا بیٹا، تمکیل اکلوتا بھائی اور اس کی دو بہنیں تھیں غنیتہ اور ہانی جبکہ امن میری طرح اکلوتی تھی، ہمارے گھر ساتھ ساتھ تھے اور ہم کزنز کی آپس میں خوب بنتی تھی، میں ایم بی اے کرنے کے بعد پاپا کا آفس جوائن کر چکا تھا، جبکہ تمکیل کا ایم بی اے کا ہی فائنل سمسٹر چل رہا تھا، امن، غنیتہ اور ہانی یونیورسٹی اسٹوڈنٹ تھیں، امن اور غنیتہ آئی آر کے فائنل ایئر میں تھیں جبکہ ہانی بھی اسی ڈیپارٹمنٹ میں تھی لیکن اس کا فرسٹ پارٹ چل رہا تھا، ان تینوں کے آئی آر میں ہونے کی وجہ سے تمکیل انہیں بہت تنگ کیا کرتا تھا۔

"میرے عزیز سفیرو!" ابھی اس کے اتنا کہنے کی دیر ہوتی اور وہ تینوں چیخ پڑتیں۔

"تمکیل بھائی۔" ہم دونوں خوب ہنستے۔

"ویسے تاشفین! اگر دنیا میں عورتوں کی حکومت ہوتی نا تو یقین جانو بہت امن ہوتا۔" تمکیل کی رگ شرارت پھڑکتی اور وہ اکثر ایسے مذاق کرتا۔

"وہ کیسے؟"

"عورتیں ایک دوسرے کی ترقی سے جیلس ہی اتنا ہوتیں کسی کا منہ کسی طرف اور کسی کا دوسری کسی طرف ہوتا، لڑنے کی نوبت تو دور کی بات ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارہ نہ کرتیں۔" ہانی باقاعدہ تمکیل کے کان پکڑ لیتی۔

"بتاتی ہوں آپ کو کتنا امن ہوتا۔" امن منہ پھلا کر بیٹھ جاتی یا بعض اوقات واک آؤٹ کر جاتی، پھر تمکیل آواز دیتا۔

"امن اور امان بات تو سنو۔" اسے تنگ کرنے کو وہ اکثر امن و امان ہی کہتا۔

امن جس کا نام زبان پر لاتے ہی رگ رگ میں سکون سا پھیلتا چلا جاتا، بچپن سے اب تک اکٹھے پلتے بڑھتے نجانے کب میں اس کی ذات کا اسیر ہو چکا تھا، ہم سب آپس میں فرینک تھے لیکن میں تمکیل کی نسبت ذرا ریزرو طبیعت کا تھا، ہانی تھی جو تمکیل کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی نخرے اٹھواتی اور میں خوشی خوشی اٹھاتا بھی تھا، جبکہ امن اور غنیتہ ہانی سے بڑی اور کافی سمجھدار تھیں۔

مجھے احساس ہی نہ ہوا میں کب سے امن سے محبت کرنے لگا، وہ تھی ہی اتنی پیاری کہ اس سے خود بخود محبت ہو جائے، لیکن محبت شاید یک طرفہ تھی، تمکیل کے انکشاف کے بعد میرے دل و دماغ کا امن چین برباد ہو چکا تھا، ابھی رات ہی کو تو مما کے سامنے میں نے امن کا نام لیا تھا اور وہ کتنا خوش ہوئی تھیں کیونکہ وہ خود بھی اسے بہو بنانا چاہتی تھیں۔

اب تنہا سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے میں اپنے آپ سے جنگ میں مصروف تھا، اندھیرا جو میرے چار سو پھیلا ہوا تھا مجھے اپنی رگ جاں میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

دل امن سے دست برداری سے تیار نہیں تھا، مگر جیسے ہی دل اپنا راگ الاپتا ذہن کے پردے پر تمکیل کا جوش سے تمتماتا چہرہ ابھر آتا، میں اب سوچ رہا تھا کہ کیا میرا دل اتنا وسیع ہے کہ میں اپنی خواہش سے منہ موڑ لوں۔

میں تمکیل کے لئے اور امن کے لئے اپنی محبت کا موازنہ کر رہا تھا کہ مجھے کس سے زیادہ محبت ہے یا پھر ان دونوں سے زیادہ مجھے اپنے آپ سے محبت ہے؟ کیا کروں؟ تمکیل کی خاطر پیچھے ہٹ جاؤں یا پھر اپنی چاہت کو پانے کے لئے اس کی خوشی نظر انداز کر دوں؟ صحیح فیصلہ کرنے کی تگ و دو میں میرا دماغ تھک چکا تھا،

چلتے چلتے میں بہت دور نکل آیا تھا، فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں تھا، اگر تکمیل مجھے عزیز از جان تھا تو میرا دل بھی ضد پر اتر آیا تھا، معاً ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''اس نے بھی اپنی رضا مندی دے دی ہے۔'' تکمیل کے الفاظ یاد آئے اور میرے غیر متعین سمت میں چلتے قدم رک گئے اور پھر فیصلہ ہو گیا، چلتے چلتے کافی دور نکل آیا تھا، ہر طرف تیرگی، ویرانی، تنہائی تشنگی سی چھائی محسوس ہو رہی تھی، میں نے واپسی کو قدم موڑ لئے، نا صرف اس شاہراہ سے بلکہ شاہراہ محبت سے بھی، اس پر بھی میں تنہا چل رہا تھا اور اس پر بھی۔

سنو ! کوئی راستہ بتانا
محبت سے واپسی چاہیے

☆☆☆

مما بے اختیار میرا سر اور ماتھا چوم رہی تھیں، میں نے صاف صاف ساری بات ان کے سامنے رکھ دی تھی، ان کو بتاتے میری آواز بھیگ گئی اور رخ موڑ گیا تھا، وہ میری دوست تھیں، میری دلی کیفیت سمجھتی تھیں۔

''دل بڑا کیا ہے تو حوصلہ بھی بڑا کرو تاشی! تمہارا ضمیر مطمئن ہے تو تمہارا دل بھی جلد پر سکون ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ دوسروں کی خوشی کا خیال کرنے والوں کو زیادہ دیر بے سکون نہیں رکھتا۔''

''اتنا حوصلہ کہاں سے لاؤں مما؟ اپنے دل کی سب سے بڑی خواہش، سب سے بڑی خوشی سے کیسے ہاتھ کھینچ لوں؟ جبکہ مجھے وہ آسانی سے مل بھی سکتی ہے۔'' میں ان سے لپٹا اپنے دل کا غبار نکال رہا تھا، انہوں نے مجھے خود سے الگ کیا اور میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما۔

''مومن وہ ہے جو اپنی بہترین چیز اپنے بھائی کے لئے چھوڑ دے۔'' ان کے الفاظ نے ٹوٹتی ہمت کو سہارا دیا تھا، وہ بڑے پیار سے اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کر رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا اپنی تو وہ تھی ہی نہیں، اگر وہ میری ہوتی پھر میں سوچتا کہ ہاں میں نے اپنے بھائی پر اپنی چیز قربان کی، وہ تو آل ریڈی اس کی تھی، مما مجھے سمجھا رہی تھیں اور میرا حوصلہ بڑھا رہی تھیں، اب میرا ارادہ کچھ کچھ مضبوطی کی سرحد پر دستک دے رہا تھا۔

یہ رفاقتوں کی خواہش میں دل منتظر ہے پڑا ہوا
اسے کیا خبر کہ جدائیوں کے عذاب کتنے شدید تھے

☆☆☆

معمول کی طرح ہماری محفل بڑے چچا کے لاؤنج میں سجی ہوئی تھی اور میں بھی روز کی طرح ہی موجود تھا، اپنی کسی غیر معمولی حرکت کی وجہ سے انہیں شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا، شام کو جب سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر آتے تو گھنٹہ دو گھنٹے ضرور مل بیٹھتے، اب تکمیل نے اپنی محبت کا انکشاف کیا تھا تو منظر واضح ہونے لگے تھے، غنیتہ اور ہانی بھی کچھ کچھ واقف تھیں جو ان دونوں کے بیچ چل رہا تھا، اک میں ہی تھا جو سمجھ نہیں سکا تھا۔

''تاشفین بھائی! چلیں مل کر لڈو کھیلتے ہیں۔'' ہانی کو بیٹھے بیٹھے ترکیب سوجھی۔

''رہنے دو، فضول گیم، اس سے اچھا ہے ہم کرکٹ کھیل لیں۔'' میرے جواب دینے سے پہلے غنیتہ نے نیا مشورہ پیش کر دیا۔

''جی نہیں ہم لڈو ہی کھیلیں گے۔'' ہانی اپنے بیان پر قائم رہی اور تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''ہاں کیوں نہیں گڑیا، ہم لڈو کھیلتے ہیں۔'' میرا مثبت جواب پا کر ہانی کھل اٹھی جبکہ غنیتہ کی آنکھوں کی مدھم ہوتی جوت کو تب میں محسوس ہی

نہ کرسکا، وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔
''ارے رکو غنیتہ!'' تکمیل نے آواز دی مگر وہ نہ پلٹی۔
''میں تاشی بھیا کی پارٹنر اور امن کاہی بھیا کی۔'' پیار میں نام بگاڑنے کی عادت ہانی نے پائی تھی۔
''جی نہیں تاشفین بھائی کی پارٹنر میں بنوں گی۔'' امن نے شرارت سے تکمیل کی طرف دیکھا۔
''او کے او کے ڈن، ہانی گڑیا تم میرے ساتھ اور امن تاشفین کے ساتھ۔'' تکمیل نے بھی مسکرا کر کہا۔
پھر ہم لڈو کھیلنا شروع ہو گئے اور تکمیل نے تھوڑی دیر بعد ہی ہاتھ دکھانا شروع کر دیا، جسے میں نے اور امن نے جلد ہی محسوس کر لیا۔
''باز آجا تکمیل پٹے گا تو۔'' میں نے وارن کیا مگر اس نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے میری بات ہوا میں اڑا دی، اس سے پہلے کہ ہم کچھ سمجھتے امن نے ہاتھ مار کر ساری گیم خراب کر دی۔
''ہم کھیلتے ہی نہیں اگر آپ نے ایسے کرنا ہے تو، حد ہوتی ہے بھئی۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''نہیں تو نہ سہی۔'' جواب میں تکمیل نے بھی سر جھٹک کر کہا، وہ چند سیکنڈ کھڑی بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔
''آئندہ آپ کو کھلانا ہی نہیں ہم نے۔''
ہانی نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور یہ جا وہ جا۔
''ٹھنڈ پڑ گئی؟'' میں نے بھی اسے گھورا۔
''یار وہ تو سچی مچی ناراض ہو گئی۔''
''ایک نمبر کا گھامڑ ہے تو جا منا لے جا کر۔''
میں نے کہا تو وہ اٹھا اور میرے ساتھ بیٹھ گیا۔
''تاشفین یار! تو جانا، تیری سن پر ہی ہے۔''
''لو بھلا میں کیوں جاؤں۔'' میں فوراً بولا۔
''تیری بات مان لے گی نا، تو جا پلیز، لحاظ کرتی ہے تیرا تو، مجھے دھکا دے دے گی چھت سے اور تو اپنے یار سے محروم ہو جائے گا۔'' اس مسکین سی صورت بنائی، میں بادل نخواستہ اٹھا اور چھت پر آگیا، جہاں وہ ریلنگ کے پاس کھڑی تھی اور منہ دوسری طرف تھا۔
''امن!'' میری پکار پر وہ مڑی اور میں اس کے آنسو دیکھ کر بے ساختہ آگے بڑھا۔
''کیوں رو رہی ہو؟'' اس کو روتا دیکھ کر میں بوکھلا گیا تھا، اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور مجھے ایک نظر دیکھ کر پھر سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔
''امن! میں کیا پوچھ رہا ہوں؟'' اب میں سنبھل چکا تھا سو ذرا رعب سے پوچھا۔
''تاشفین بھائی! آپ نے رویہ دیکھا ہے اس کا؟ ہمیشہ ہی ایسے کرتا ہے اور پھر سوری کرنے آجاتا ہے۔''
''تھوڑی سی غلطی تو تمہاری بھی ہے نا، گیم خراب نہیں کرنی چاہیے تھی تمہیں، کھیل میں یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔''
''قصور تو آپ کا ہے، آپ خاموش رہتے ہیں تو اسے شہ ملتی ہے۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے لگا میرے اندر کی بات تک اس کی رسائی ہو گئی ہے، میں نے بے ساختہ نظریں چرائیں اور ساتھ ہی رخ موڑ لیا۔
''میرا کیا قصور ہے۔''
''آپ کا قصور ہے، آپ کیوں نہیں سختی سے اسے منع کرتے۔'' وہ گھوم کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
''اچھا اب ایسا نہیں ہوگا، ابھی اپنا موڈ

ٹھیک کرو پلیز۔"
"کوئی نہیں میں آپ سے بھی نہیں بولتی، آپ نے ہی سر پہ چڑھایا ہوا ہے اسے۔" اس کا غصہ وہ مجھ پر نکال رہی تھی۔
"ہاں تو کسی کو سر پہ چڑھا لیں تو پھر زمین پر تو نہیں دے مارتے نا اسن!" میری بات نے اس کی بولتی بند کی۔
"ٹھیک کہہ رہا ہوں نا، جب سر پہ چڑھا لیا ہے تو اب گرا دوں کیا؟" اب کے وہ ہنس پڑی۔
"کیا ہے تاشفین بھائی! میں نے محاورتا کہا تھا اور آپ نے پوسٹ مارٹم ہی کر دیا ہے محاورے کا۔" میں بھی مسکرا دیا۔
"گڈ گرل! اب نہیں لڑنا تم دونوں نے ورنہ دونوں کو کان پکڑوا کر مرغا بنا دوں گا۔" میری دھمکی نے اسے کھلکھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔
"آ جاؤ تکمیل مطلع صاف ہے۔" میں نے سیڑھیوں پر تھوڑا آگے ہو کر تکمیل کو آواز دی، تکمیل دو سیکنڈ میں اوپر آیا تھا۔
"گڈ لک۔" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔
"تاشی بھیا بات سنیں۔" ہانی نے روکنا چاہا۔
"دوبارہ آتا ہوں گڑیا ابھی ضروری کام سے جانا ہے۔" پلٹے بغیر اسے جواب دیا اور باہر نکل آیا اور میری برداشت بس اتنی ہی تھی، گھر سے نکلتے ہی میرے قدم سست پڑ گئے، دل تھا کہ جیسے کانوں میں دھڑک رہا تھا، میں نے اپنے ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیے جن میں ہلکی سی لرزش تھی، میرا دل مجھ سے خفا ہو گیا تھا، اب میں چل نہیں رہا تھا، اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا، دل کی ناراضگی سہنے کے لئے بڑا حوصلہ درکار تھا۔
میرا دل مجھ سے لڑ پڑا مجھے باہر نکال بس!!!

☆☆☆

وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا چلا گیا، ان دونوں کی محبت کو مجھ پر آشکار ہوئے دو سال گزر گئے، اس عرصے میں بہت سے موقعوں پر مجھے اپنا دل مارنا پڑا، مجھے لگتا تھا میں اپنے دل کی خواہش سے منہ موڑتے موڑتے بے حس ہو جاؤں گا مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ عشق تو ازل سے اپنے اصولوں پر قائم ہے، اس دوران میں نے ملک سے باہر جانے کی بھی کوشش کی کہ سامنے نہیں رہوں گا تو جلد سنبھل جاؤں گا، مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی جان نہ لے، خاص طور پر تکمیل پر بات کھلنے سے ڈرتا تھا، ہم دونوں کی بہت گہری دوستی تھی یہ بات آخر میں کب تک اس سے چھپاتا؟ پھر مستقبل میں اس کے ساتھ تکمیل کے حوالے سے میرا بہت احترام کا رشتہ بننے جا رہا تھا تو میں تکمیل کے ساتھ کیسے بے ایمانی کر سکتا تھا، سو ملک سے باہر جانا چاہا تو پھر تکمیل راستے کی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا، اس نے وہ جذباتی صورتحال پیدا کی کہ مجھے لینے کے دینے پڑ گئے، جس دن میری فلائٹ تھی، رات لیٹ نائٹ میرے پاس بیٹھا منتیں کرتا رہا تھا کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں، مگر میں ٹس سے مس نہ ہوا وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ میں اچھا بھلا اسٹیبلش بزنس چھوڑ کر باہر کیا جھک مارنے جا رہا تھا، اس سے قبل سب باری باری مجھے سمجھا کر تھک چکے تھے، بس مما تھیں جنہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں کہا تھا، وجہ وہ جانتی تھیں لہٰذا چپ رہیں، پاپا اور دونوں چاچو الگ الگ نشستیں لگا چکے تھے، ان کو تسلی بخش جوابات دے چکا تھا بس تکمیل تھا جو میری کوئی دلیل ماننے کو تیار نہ تھا۔
"بس کچھ عرصے کی بات ہے، پانچ سال ایسے گزر جائیں گے پتہ بھی نہ چلے گا۔" میں نے

تکمیل کے شانوں پہ بازو پھیلایا۔
''بھاڑ میں گئے پانچ سال کہیں نہیں جا رہے، ہو تم، یہاں پر کس چیز کی کمی ہے؟'' اس نے میرا بازو جھٹکا اور دور جا بیٹھا۔
''کمی ہے، اسی وجہ سے تو جا رہا ہوں، شاید وہاں یہ کمی محسوس نہ ہو۔'' میرے جواب پر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور اٹھ کر میرے پاس زمین پر گھٹنوں کے بل آ بیٹھا، میں بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔
''کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟ مجھے بتاؤ، جان دے کر بھی پوری کرنا پڑی تو کروں گا، مگر دور مت جاؤ، ہم تمہاری دوری نہیں سہہ سکیں گے نا شفین۔'' وہ اپنے رشتوں کے لئے ایسا ہی شدت پسند تھا۔
''ڈرامے نہ کرو اور یہ ڈائیلاگ بازی بھی بند کرو، کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا، میرا فیوچر بن رہا ہے تو میں کیوں نہ جاؤں۔'' میں نے بے رخی کی حد کر دی تھی۔
''ٹھیک ہے تم جاؤ، دیکھ لینا کوئی کسی کے بغیر مرتا ہے یا نہیں بلکہ کوئی مرے گا تب ہی تم جا سکو گے۔'' وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
اگلی صبح جب میں سب سے مل کر گھر سے نکلا تو پاپا میرے ساتھ تھے وہ مجھے ائیر پورٹ تک سی آف کرنے جا رہے تھے، گاڑی میں خود ڈرائیو کر رہا تھا، میں نے دیکھا میری گاڑی کے پیچھے اس کی گاڑی بھی آ رہی تھی، میں مسکرا دیا، یقیناً جاتے جاتے وہ ناراضگی ختم کرنا چاہتا تھا، مگر یہ میری خام خیالی تھی، جیسے ہی مین روڈ پر گاڑی ڈالی اس نے مجھے کراس کیا اور اپنی گاڑی میری گاڑی کے آگے کر لی، پاپا نے میری طرف دیکھا اور میں نے ناسمجھی سے کندھے اچکا دیے، آگے چوراہے پر ٹریفک سگنل تھا، میں نے گاڑی روک دی اور اس نے ٹریفک وارڈن کے اشارہ کو بھی نظر انداز کر دیا اور بائیں طرف والی سڑک سے آنے والے ٹرک کے ساتھ گاڑی ٹکرا دی، بس اک لمحے میں آناً فاناً یہ ہو گیا تھا اور میں خون رگوں میں سرد ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

ہسپتال کے بستر پر لیٹے تکمیل کا سر میں نے بے اختیار چوما۔
''تجھ پر ایک چھوڑ دس امن قربان، میری جان، یہ کیا کیا تو نے؟'' دل ہی دل میں، میں اس سے مخاطب ہوا۔
اللہ کا شکر تھا کہ سر پر چوٹ نہیں آئی تھی، بائیں ٹانگ کافی متاثر ہوئی تھی لیکن فریکچر سے بچ گئی تھی، باقی چھوٹی موٹی خراشیں تو پورے جسم پر تھیں، اس نے آنکھیں کھولیں اور میں نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔
''تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟'' میری آنکھوں سے حقیقتاً آنسو رواں تھے، اس کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا خیال ہی جان لیوا تھا۔
''ہو جاتا، پھر تم کہیں جاتے تو نہیں نا۔'' وہ بمشکل کہہ سکا۔
''میری توبہ جو میں کہیں جاؤں، کبھی کہیں نہیں جاؤں گا ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گا۔'' میری بات پر اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں، اسی لمحے سارے گھر والے کمرے میں داخل ہوئے اور میں سائیڈ پر ہو گیا، سب سے پیچھے امن تھی اور اس کی الزام دیتی نظریں مجھے مزید شرمندہ کر رہی تھیں، اس دن میں نے باہر جانے کے خیال پر ہمیشہ کے لئے لعنت ڈال دی تھی، سب گھر والے تکمیل کی طرف متوجہ تھے اور میں امن سے نگاہیں چراتا باہر نکلا تو میرے پیچھے عقیقہ بھی نکل آئی۔

''تاشفین!'' بھائی کا لاحقہ استعمال کیے بغیر اس نے مجھے آواز دی میں نے پلٹ کر دیکھا اور رک گیا، وہ میرے برابر چلنے لگی۔

''جہاں اتنے محبت کرنے والے ہوں، وہاں ایک شخص کی محبت سے آپ کو دستبرداری اختیار کرنی پڑے تو کیا چھوڑ کر چلے جانا چاہیے؟ کیا باقی سب کی محبت کوئی معنی نہیں رکھتی؟'' مجھے صحیح معنوں میں جھٹکا لگا، اس کی بات اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں سکا، بس حیران اور ساکت نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''آ جائیں کینٹین چلتے ہیں، وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ تھاما اور میں کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ چلتا گیا ایک کونے کو ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد غنیتہ نے چائے کا آرڈر دیا اور پھر میری طرف متوجہ ہوگئی۔

''تم نے کیسے جانا؟'' میں نے لب کشائی کی۔

''جو بندہ آپ سے محبت کرتا ہو، وہ آپ کے اندر کی بات ایک لمحے میں جان لیتا ہے بلکہ امن سے آپ کی محبت سالوں پرانی ہے، پھر مجھے کیسے نہ پتہ ہوتا۔'' اس نے ٹیبل پر کہنیاں جماتے ہوئے کہا۔

''تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' اب گڑبڑانے کی باری غنیتہ کی تھی۔

''ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں۔'' اس نے ذرا سنبھل کے جواب دیا۔

''لیکن اور کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ تکمیل بھی نہیں۔'' میں نے بحث کرنا چاہی۔

''یہ سب چھوڑیں بس اتنا بتائیں کہ امن کی محبت ہم سب کی محبت پر بھاری ہے، اس سے بھاگنے کے چکر میں آپ ہم سب سے خود کو دور کر رہے تھے، یہ کہاں کا انصاف ہے تاشفین۔''

''میں کیا کروں غنیتہ، تم مجھے بتاؤ۔'' اب اگر وہ جان ہی گئی تھی تو مکرنا بے کار ہی تھا۔

''آپ کچھ بھی نہ کریں، عنقریب تکمیل بھائی کی امن کے ساتھ منگنی ہو جائے گی تب آپ دیکھیئے گا، خود بخود آپ کا امن کے لئے سوچنے کا انداز بدل جائے گا۔''

''کیسے؟''

''تکمیل کا حوالہ آپ کی سوچ بدل دے گا۔''

''اگر ایسا نہ ہوا؟''

''ایسا ہوگا، آپ کی غیرت کبھی یہ گوارا نہیں کرے گی کہ اپنے بھائی کی امانت کے لئے اس قسم کے جذبات رکھیں۔''

''محبت کب ایسی باتیں دیکھتی ہے۔''

''نہ دیکھتی ہو، مگر تکمیل بھائی کی محبت اتنی پاورفل ہے کہ اس کی ہونے والی بیوی کے لئے آپ کا دل و دماغ ایسا کچھ سوچنا چھوڑ دے گا۔''

وہ اس کی بات کے جواب میں خاموش رہا تھا۔

''تاشفین!'' اس نے لمحہ بھر ٹھہر کے پکارا۔

''ہوں۔'' میں کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' اس کے لہجے کی بے قراری میں نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔

''بہت بے چینی ہے غنیتہ، دل کیسے قرار پائے گا۔''

''بے شک اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔'' میں نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سب کے ہوتے ہوئے بھی اکیلا پن محسوس کرتا ہوں۔'' مجھے خبر بھی نہ ہوئی اور اس سے شیئر کرنے بیٹھ گیا۔

''اللہ تعالیٰ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' اس نے سکون سے جواب دیا۔

"میں تو ایک گناہ گار سا بندہ ہوں میری ایسی اوقات کہاں۔"

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، وہ مدد کرے گا۔" وہ غیر محسوس انداز میں میرا کیتھارسس کر رہی تھی شاید۔

"اللہ کی مدد کیسے شاملِ حال ہو گئی۔" میرے سوال پر وہ یوں مسکرائی جیسے کسی ناسمجھ بچے کے سوال پر ٹیچر مسکرائے۔

"صبر اور نماز سے مدد لیا کریں۔"

"دل بہت غمگین ہے۔" میں نے چائے کی جانب دیکھا جو ویٹر کب کا رکھ گیا تھا اور وہ پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

"غم پتہ ہے کسے کہتے ہیں؟" اس نے اب کے سوال کیا، میں خاموشی سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"اللہ تعالیٰ کی اور اپنی مرضی کے فرق کو غم کہتے ہیں، جس دن آپ نے اس بات کو سمجھ لیا، اس دن آپ غمگین ہونا چھوڑ دیں گے، اللہ کی مرضی یقیناً آپ کی مرضی سے بہتر ہوتی ہے، اپنے دل کو اللہ کی رضا میں راضی کر لیں، بہت سکون محسوس کریں گے۔"

"دعا کرو گی میرے لئے؟" میں نے ہلکا سا آگے کو جھک کر استفسار کیا۔

"ساری دعائیں آپ کے لئے ہی تو ہیں۔" کہہ کر اس نے زبان ہونٹوں تلے دبائی۔

"اور محبت؟" میرا سوال بے ساختہ تھا، اس کا چہرہ ایک لمحے میں سرخ ہوا تھا، میں پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا، جھکا ہوا چہرہ، لرزتی پلکیں، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے اور لب کچلتی مجھے کافی مختلف لگی۔

"غنیّہ! مجھے ابھی ابھی ایک بات پتہ چلی ہے۔" میں ٹیبل پر بازو رکھ کر آگے کو جھکا۔

"کیا؟" اس نے بغیر نظریں ملائے پوچھا۔

"کہ تم اپنے لئے آنے والے اتنے اچھے اچھے پرپوزلز سے انکار کیوں کرتی رہی ہو۔" اس نے فق چہرے سے میری جانب دیکھا اور کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر تیز قدموں سے چلتی اندر چلی گئی، مجھے اس کے جواب کی ضرورت تھی بھی نہیں، اس کی خاموشی میری بات کا بڑا اچھا جواب دے گئی تھی۔

"اُف! یہ کیا کیا تم نے غنیّہ، میں نے تو امن کی جگہ کسی کو بھی نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، امن نہیں تو کوئی بھی نہیں، سب جانتے بوجھتے بھی برزخ میں جلنے کو تیار بیٹھی ہو، او مائی گاڈ۔" میں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

بتاؤ عشق جیسا عذاب ہے کوئی
تم جو دوزخ کی بات کرتے ہو؟

☆☆☆

غنیّہ، ہانی اور امن کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی، تکمیل کا بھی ایم بی اے مکمل ہو چکا تھا اور اس نے میرے ساتھ آفس جوائن کر لیا تھا، پاپا اور چچاؤں میں کے درمیان جتنی محبت تھی اس سے بڑھ کر میرے اور تکمیل کے درمیان تھی اس لئے کبھی بزنس الگ کرنے یا حساب کتاب کرنے کا کسی نے نہ سوچا تھا، نہ ہی مستقبل میں ہی ایسا کوئی امکان تھا، تکمیل ویسے بھی میرا سایہ بنا رہتا تھا، وہ تھا ہی سراپا محبت، ہر کسی کا احساس کرنے والا، وجاہت تو ہمارے سارے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے بے تحاشہ عطا کی تھی، لیکن تکمیل کی تو بات ہی الگ تھی پھر اس کی عادات اتنی پیاری تھیں کہ اس سے خود بخود محبت ہو جاتی تھی، جو لوگ زیادہ قریبی نہیں تھے وہ ہمیں بھائی ہی سمجھتے تھے۔

دو دن بعد امن اور تکمیل کی منگنی تھی، ساتھ

ہانی اور شاہ زیب کی بھی، شاہ زیب چچی (تکمیل
کی والدہ) کے کسی کزن کا بیٹا تھا اچھا، سلجھا ہوا
لڑکا تھا، کسی ملٹی نیشنل فرم میں جاب کرتا تھا ہانی
کے لئے اس کا پروپوزل آیا تو، چچا چچی متردد تھے
کہ غنیتہ سے پہلے ہانی کا رشتہ نہیں طے کرنا چاہتے
تھے مگر ہم سب کے سمجھانے پر رضا مند ہو گئے،
غنیتہ کے لئے پرپوزل آتے رہے لیکن جانے کس
امید کے تحت انکار کرتی رہی جبکہ میں واضح طور پر
اپنا ارادہ اس پر آشکار کر چکا تھا۔

''تم کیوں انکار کرتی ہو غنیتہ؟ درست وجہ
بتا دو مجھے تمہارا پوائنٹ آف ویو جائز لگا تو وعدہ
کرتا ہوں کبھی فورس نہیں کروں گا۔'' آج تکمیل
نے اسے جالیا، تکمیل کے سوال کے جواب میں
آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے، مگر وہ کچھ
بول نہ پائی۔

''ٹرسٹ می گڑیا، بھائی ہوں تمہارا۔''
تکمیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر
بے ساختہ چوما۔

''کوئی بھی وجہ نہیں ہے بھائی بلیو می۔'' وہ
اس کے کندھے سے لگ کر سسک اٹھی۔

''بس بھائی کی جان۔'' تکمیل نے پیار
سے اس کے بال سہلائے۔

''چلو شاباش اب بتاؤ۔'' اس نے اسے خود
سے الگ کیا اور کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا
اور خود بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''آپ میری ایک بات مان لیں تب میں
آپ کی بات مان لوں گی۔''

''کیا؟''

''تاشفین بھائی کی شادی کروا دیں۔'' اس
کی بات پر وہ حیران رہ گیا۔

''تاشفین کا تمہاری شادی سے کیا تعلق؟''
بات دو منٹ بعد اس کی سمجھ میں آئی تھی اور وہ کھڑا
ہو گیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو غنیتہ؟ تم تاشفین سے۔''
بات اس نے ادھوری چھوڑ دی، غنیتہ نے مجرموں
کی طرح سر جھکا لیا۔

''تمہاری خوشی میرے لئے بہت اہم ہے
مگر تاشفین سے کیسے کہوں کہ۔'' وہ بات پوری
کرتے کرتے پھر رک گیا تھا اور دروازے سے
باہر کھڑی ہانی نے خود کلامی کی۔

''آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں
آئے گی مائی ڈیئر برادر۔'' تکمیل کے باہر نکلنے
سے پہلے وہ تاشفین کی طرف پہنچ چکی تھی تائی
(تاشفین کی والدہ) لاؤنج میں ایک ہمسائی کے
ساتھ بیٹھی تھیں دونوں باتوں میں مشغول تھیں۔

''تائی امی تاشی بھیا کہاں ہیں؟'' وہ ایک
لمحے کو رکی۔

''اپنے کمرے میں ہے بیٹا۔'' ان کا جواب
سن کر وہ تاشفین کے کمرے کی سمت بڑھ گئی
دروازے پر ہلکی سی ناکنگ کی۔

''آ جائیں۔'' تاشفین نے آواز دی تو د
دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی، تکمیل تاشفین ج
آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹا ہوا تھا اسے دیکھ کر اٹھ
بیٹھا۔

''آؤ گڑیا بیٹھو۔'' اور وہ اس سے تھوڑے
فاصلے پر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ دیں
گے تاشی بھیا۔'' اس نے تمہید باندھی۔

''کیوں نہیں تم حکم کرو میری گڑیا، بھائی کی
جان بھی حاضر ہے۔'' اس کے جواب پر و
مسکرائی، جیسے پہلے سے اس جواب کی امید ہو۔

''آپ سچ مچ میرے بھائی بن جائیں نا۔''
اس کی بات پر تاشفین حیران ہوا۔

''کیا میں تمہارا بھائی نہیں ہوں؟''

''میں غنیتہ کے حوالے سے کہہ رہی ہوں تاشی بھیا۔''

''وہاٹ؟ آر یو ان یور سینسز؟'' تاشفین کی آواز خود بخود بلند ہو گئی تھی۔

''یس آف کورس، ایسا کیا برا ہے اس میں؟''

''خدا کی قسم کسی نے نہیں کہا میں جو کہہ رہی ہوں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا گڑیا۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا برائی ہے غنیتہ میں؟''

''غنیتہ میں کوئی برائی نہیں ہے میں خود کو اس کے قابل نہیں پاتا۔''

''ٹھیک ہے آپ نہ مانیں، میں بھی شاہ زیب سے انگیج منٹ نہیں کر رہی۔'' تکمیل کی بہن تھی وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔''

''بالکل ٹھیک ہے تاشی بھیا، آپ کو کسی سے تو شادی کرنی ہے نا تو پھر غنیتہ کیوں نہیں، اگر میں خود سے آپ سے کہہ رہی ہوں تو اس کی کوئی وجہ ہے نا، کسی کے دل کی خواہش پوری کر دیں گے تو آپ کا کیا جائے گا، محبت آپ پر مہربان ہو رہی ہے تو مت منہ موڑیں اس سے۔'' اس نے ایک لمحے کو توقف کیا۔

''اور پھر کیا اپنی گڑیا کی بات ٹال دیں گے؟'' اس نے اتنے مان اتنے یقین سے کیا کہ میں سوچ میں پڑ گیا۔

''اوکے ٹھیک ہے مگر میں پہلے غنیتہ سے خود بات کروں گا۔'' میری بات پر وہ خوشی سے اچھل پڑی تھی۔

''یا ہو، تاشی بھیا مجھے یقین تھا آپ میری بات ضروری مانیں گے، چلیں میرے سامنے ابھی اس سے بات کریں۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا میرا موبائل فون اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھمایا۔

''کرتا ہوں بات مگر پہلے تم بھاگو یہاں سے، پھر کروں گا۔'' میں نے اسے ہری جھنڈی دکھائی۔

''اوکے اوکے میں جا رہی ہوں۔'' وہ خوشی خوشی اٹھ کر باہر بھاگی اور میں نے غنیتہ کا نمبر ملایا۔

''السلام علیکم!'' کال ریسیو کرتے ہی اس نے سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام!'' غنیتہ سلام کا جواب دے کر میں نے اسے پکارا۔

''جی......؟'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' میں نے بلا تمہید سوال کیا۔

''جی؟'' اس نے بہت حیرانی سے دریافت کیا۔

''پوچھ رہی ہو یا رضا مندی دے رہی ہوں؟'' میں ہلکا سا ہنسا۔

''آئی مین، کچھ نہیں...... وہ۔'' میری غیر متوقع بات نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

''غنیتہ تم سب کچھ جانتی ہو نا میرے بارے میں، امن کے لئے میری فیلنگز اور سب کچھ، یہ سب جانتے ہوئے بھی کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' غنیتہ شاید ابھی تک بے یقین تھی۔

''میں کوشش کروں گا غنیتہ تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہ ہو، گزری باتیں تمہارے سامنے نہ دہراؤں اور......''

''گزری باتیں اگر میرے ساتھ شیئر کرنے سے آپ کا دل مطمئن ہو گا تو مجھے کبھی برا نہیں لگے گا۔'' غنیتہ اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔

''جو جگہ آپ کے دل میں امن کے لئے

ہے، میں وہ لینے کی کبھی کوشش نہیں کروں گی، ہر کسی کی اپنی جگہ ہوتی ہے، مجھے یقین ہے میری ہمراہی میں آپ ہر غم ہر دکھ بھول جائیں گے۔"

"سوچ لو غنیتہ، کہنے اور پریکٹیکل کرنے فیس کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے میں سوائے نام کے تمہیں کچھ نہ دے سکوں۔"

"مجھے یہ بھی منظور ہے، آپ کے خدشات اپنی جگہ مگر میں آپ سے دعوے سے کہتی ہوں ایک دن، آپ کو بھی مجھ سے محبت ہوجائے گی۔"

"اتنا یقین؟" میں حیران ہوا۔

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے رات میں مما پاپا آرہے ہیں تمہاری طرف تکمیل اور ہانی کی منگنی سے ایک دن پہلے ہمارا نکاح ہوگا۔"

"نکاح......اور کل؟"

"ہاں کل، تمہارا امتحان ذرا جلدی اسٹارٹ ہوجائے نا۔" میں نے دوستانہ انداز میں اسے چھیڑا۔

☆☆☆

سب حیران تھے کہ تاشفین کو راتوں رات ہوا کیا، کہاں شادی کے لئے مانتا ہی نہ تھا اور کہاں اتنا واویلا مچایا کہ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اگلی صبح غنیتہ کے لئے نوید زندگی لے کر آئی تھی اور تاشفین کے لئے امید نو، کیونکہ وہ نکاح کے بعد ساتھ بیٹھی غنیتہ کے چہرے کی جانب جب دیکھ رہا تھا تو اندر کہیں بے چینی میں کمی آرہی تھی، یہ شاید وہ اطمینان جو سب کو خوش دیکھ کر محسوس کر رہا تھا، جن کے دل شفاف ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو اللہ چن لے وہ پھر دوسروں کی خوشیوں سے حسد محسوس نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں، تکمیل اور امن کی منگنی سے اگلے دن وہ سعودیہ فلائی کر گئے تھے، غنیتہ کی خواہش تھی کہ ہنی مون کے نام پر ادھر ادھر ٹائم ویسٹ کرنے کی بجائے روضہ رسول پر حاضری دی جائے۔

روضہ رسولؐ کے سامنے کھڑے دونوں کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں اس قابل نہ تھا کہ یہ چہرہ لے کر آپ کا سامنا کرتا، آپ کی نظر کرم ہوگئی مجھ گناہگار پر اور میں حاضر ہوگیا۔" وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، غنیتہ نے اس کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا تو اس نے اس کی طرف رخ پھیرا، بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا اور پھر روضہ مبارک کو دیکھتے ہوئے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

"ایک نیک عورت میرے حصے میں آئی، میرے اللہ نے اسے ہی میری قسمت میں لکھا تھا، اس کا آنا میرے لئے نہایت خوش آئند ثابت ہوا، اس کی بدولت آج میں یہاں ہوں، حیرت ہے یہاں آنے کا خیال مجھے آج سے پہلے کیوں نہ آیا، شاید غنیتہ کو ہی وجہ بننا تھا اور مجھے اذن زیارت ملنا تھا، اس عورت کی مجھے کبھی بھی دل آزاری نہیں کرنی، انشاء اللہ۔" وہ دل میں عہد باندھ رہا تھا۔

یہ زیست کا نہیں صرف ایک کہانی کا انجام ہو شاید، ان لمحات کے ٹھہرنے کی کوئی حد نہیں، صورتحال اور نوعیت بدل جائے تو زندگی خود بخود حسین لگنے لگتی ہے پھر اندر جو کہیں تشنہ خواہشوں کی کسک ہوتی ہے وہ بھی ماند پڑنے لگتی ہے، شاید یہی زندگی ہے۔

☆☆☆

آج کی صبح فارہ کو بہت سہانی لگی بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس صبح کے انتظار میں فارہ کو رات کو نیند بھی مشکل سے آئی، دروازے پہ دستک ہوئی فارہ نے کہا۔

''اندر آجاؤ۔'' ملازمہ چائے کی ٹرالی لئے اندر آئی، فارہ نے کہا۔

''تم جاؤ چائے میں خود بناؤں گی۔'' ملازمہ نے حیرت سے اپنی مالکن کو دیکھا، کیا ان کی طبیعت خراب ہے یا سورج مغرب سے نکلا ہے، بارہ بجے سے پہلے نہ اٹھنے والی مالکن آج صبح آٹھ بجے کیسے اٹھ گئیں، ملازمہ دروازے سے باہر جانے لگی تو فارہ نے کہا۔

''لنچ کا جو مینو دیا تھا وہ کک سے کہنا کہ دو بجے تک تیار ہونا چاہیے۔'' ملازمہ ''جی اچھا'' کہتے ہوئے چلی گئی۔

فارہ کے پر جوش اور خوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آج اس کی آپا آرہی تھیں، آپا اور فارہ کو ملا کے یہ پانچ بہن بھائی ہیں، آپا سب سے بڑی، پھر راحیل بھائی اس کے بعد عینی پھر قاسم اور سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی فارہ، فارہ نے آپا کو ہمیشہ ماں کی جگہ رکھا ان دونوں میں سولہ سال کا فرق تھا۔

فارہ کو بچپن یاد آتا تو آپا کی یاد لازمی، کیونکہ بچپن میں ہر کام اس نے آپا کے ساتھ کیا، آپا سے ہی کھانا کھایا، آپا کی گاڑی میں سکول جانا، سکول میں جو کچھ وہ کرتی اچھا یا برا آپا کو آ کر بتاتی، آپا بیڈمنٹن کی بہت اچھی کھلاڑی تھیں جب وہ بیڈمنٹن کھیلنے کلب جاتیں تو فارہ نے ضرور ساتھ جانا ہوتا، اپنی شاپنگ تو اس نے کرنی ہی آپا کے ساتھ ہوتی تھی، پھر کسی اور کے ساتھ چلی جاتی تو اس کو مزا نہ آتا۔

آدھی ادھوری شاپنگ کرتی تا کہ اس کو مکمل کرنے کے لئے آپا کے ساتھ آئے، سوتی اپنے بیڈ پہ مگر اٹھتی آپا کے بیڈ سے، یہ نہیں کہ صرف اسے ہی آپا سے محبت تھی، آپا بھی اس سے بہت پیار کرتی تھیں۔

فارہ کلاس ٹو میں تھی کہ آپا کی شادی ہوگئی اور وہ بیاہ کے چھ ماہ کے اندر یاسر بھائی کے ساتھ کینیڈا چلی گئیں، وہ سال دو سال کے بعد پاکستان آتیں فارہ اس وقت کو اپنی انگلیوں پر گنتی تھی۔

وہ ڈاکٹر تھیں اور وقت کے ساتھ ساتھ بہت سو بر ہو گئیں تھیں، اصل میں فارہ کو اس لئے زیادہ خوشی تھی کہ آپا چار سال کے بعد آرہی تھیں، وہ فارہ کی شادی میں نہ آسکیں، کیونکہ وہ کینیڈا سے امریکہ شفٹ ہو گئیں تھیں اور ان کے لئے اس وقت ممکن نہ تھا کہ وہ پاکستان آتیں، مگر انہوں نے فارہ کے لئے بہت سے تحائف بھیجے تھے اور شادی کے تمام فنکشن میں اسکائپ کے ذریعے شامل تھیں۔

☆☆☆

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر گارڈ نے گیٹ کھولا گاڑی پورچ میں آ کر رکی، گاڑی کا دروازہ کھول کر آپا اور ماما باہر نکل آئیں، فارہ آپا کے ساتھ ماما کو دیکھ اور زیادہ خوش ہوگئی اور ماں کے گلے لگتے ہوئی بولی۔

''اب تو آپ کو فرصت مل گئی ہوگی، اپنی چھوٹی بیٹی سے ملنے کی۔''

آپا کو بتانے لگی کہ ماما اپنی سوشل لائف میں اتنی مصروف ہوتیں ہیں کئی دفعہ جب میں ماما کے گھر جاتی ہوں تو ماما نہیں ہوتیں اور میرے گھر تو اہم موقع پر ہی آتیں ہیں، فارہ آپا کو دیکھ کر اتنی خوش تھی کہ اس کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے، لنچ ٹائم تک فارہ کی ساس اور سسر بھی آ گئے

تھے، تمام گھر والے جن میں فارہ کے ساس سسر، جیٹھانی، جیٹھ، شوہر اور بچے سب ٹیبل پر موجود تھے، خوشگوار ماحول میں گپ شپ کرتے ہوئے کھانا کھایا گیا، فارہ کی سسرال کا شمار ایلیٹ کلاس میں ہوتا تھا، فارہ کی ساس ایک ٹرسٹ چلاتی تھیں جس کا مقصد غریب افراد کی فلاح بہبود تھا۔

سسر اور شوہر کامیاب بزنس مین تھے، جیٹھ آرمی میں کرنل تھے، فارہ اور اس کی جیٹھانی کا وہی شوق تھا جو زیادہ تر اس کلاس کی عورتوں کا ہوتا ہے شاپنگ اور گپ شپ، اس کے علاوہ دونوں کو ایک دوسرے سے مقابلے کا بہت شوق تھا، جیسے اگر فارہ کی جیٹھانی کسی باہر کے ملک سیر تفریح کے لئے گئی ہے تو چاہے جو مرضی ہو جائے فارہ نے بھی باہر کے ملک کا چکر ضرور لگا کے آنا ہے، حتی کے بیٹے کو سنبھالنے کے لئے جب فارہ نے چوکیدار کے بیٹے کو رکھا تو فوراً ہی جیٹھانی صاحبہ نے اپنے بچوں کے لئے چوکیدار کے دوسرے بیٹے کو رکھ لیا۔

آپا نے فارہ کے ساتھ بھرپور دن گزارا ویسے تو فارہ بھی بہت دفعہ آپا کے پاس گئی تھی مگر اپنوں کے بیچ اپنوں کے ساتھ اپنے ملک میں جو خوشی اور مزہ ہوتا ہے، آپا جب واپس جا رہی تھیں تو فارہ کو آپا بہت بجھی بجھی ہوئی محسوس ہوئیں، جیسے کوئی بات انہیں ناگوار گزری ہے، فارہ کو پریشانی ہوئی کہ ایسی کون سی بات ہے جو آپا کو پسند نہیں آئی، اس نے تو آپا کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ویسے بھی ان کی طبیعت اتنی اچھی ہے کہ اگر کوئی کمی رہ بھی جائے تو وہ بھی وہ برا نہ مانے پھر ایسی کون سی بات تھی جو آپا کو ناگوار گزری ہے۔

☆☆☆

اگلے دن امی کا فون آیا کہ جمعہ کو وہ ایک فیملی ڈنر رکھ رہی ہیں کیونکہ سالوں بعد ان کے سارے بچے اکٹھے ہوئے ہیں، راحیل اور اس کی فیملی کوئٹہ سے آئی ہے، فارہ کے بھائی راحیل آرمی میں تھے اور ان دنوں کوئٹہ میں پوسٹڈ تھے۔

''عینی بھی رہنے آرہی ہے اور تم بھی رہنے آ جاؤ، سب بہن بھائی کچھ دن اکٹھے گزار لو۔''

فارہ نے تو پہلے ہی پروگرام سیٹ کیا ہوا تھا، امی کے گھر جانے کا، وہ تو اسی دن یاسر کی اجازت سے چلی گئی۔

اگلے دن امی فائزہ بھابھی اور عینی شاپنگ کرنے چلی گئی، آپا طبیعت کے ناساز ہونے کی وجہ سے نہ جا سکی اور فارہ کو تو پہلے بھی یہی حال تھا کہ جہاں آپا وہاں فارہ اس لئے وہ گھر پر آپا کے پاس رک گئی، اس نے آپا اور اپنی چائے بنا کے لئے اور آپا کے پاس آ کر بیٹھ گئی، اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے اس نے آپا سے کہا کہ۔

''آپا مجھے لگتا ہے کہ آپ کو میرے سسرال میں کوئی بات اچھی نہیں لگی تھی۔'' آپا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ایسی بات نہیں تمہارا سسرال بہت ویل منیرڈ اور سلجھا ہوا ہے لیکن مجھے تمہارے سسرال میں نوکروں اور خاص طور پر تمہارے سسرال والوں کا اور تمہارا جو رویہ ان دو بچوں کے ساتھ اس سے تکلیف ہوئی ہے، فارہ تمہیں نانا ابا یاد ہیں وہ آرمی سے کرنل ریٹائرڈ ہوئے تھے، بہت دبنگ اور غصے والے تھے، خاندان کے کسی شخص کی اتنی جرأت نہ تھی کہ ان کی بات رد کرتا، مگر نوکروں اور کام کرنے والوں کے ساتھ وہ بہت محبت اور نرمی سے پیش آتے تھے، گھر کے نوکروں کے علاوہ وہ سڑک پر جھاڑو لگانے والے جمعدار سے بھی بہت اچھی طرح ہم کلام ہوتے تھے، وہ کہتے تھے کہ نبی پاکؐ اپنے غلاموں اور خادموں

سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے اور انہیں میرا بچہ کہہ کر بلاتے تھے، اسی وجہ سے نانا ابا بھی اپنے سے چھوٹے نوکروں کو بیٹا کہہ کر بلاتے تھے، تمہیں یاد ہے فارہ جب میں بیڈمنٹن کھیلنے جاتی تھی تو نانا ابا وہاں سے کچھ فاصلے پر بنی ہوئی کچی بستی کے بچوں اور لڑکے لڑکیوں کے لئے چھوٹے چھوٹے تحفے لے کر جاتے تھے پھر ان کے درمیاں کھیلوں کا مقابلہ کرواتے تھے صرف جیتنے والوں کو ہی نہیں بلکہ تمام بچوں کو کسی نہ کسی بہانے ضرور کچھ نہ کچھ دیتے تھے، سردیوں اور گرمیوں کے موسم آنے پر تمام ملازمین کو ایک ایک نیا جوڑا لے کر دیتے تھے۔

''آپا مجھے نانا ابا کی باتیں یاد ہیں مگر ان کے جیسے لائف اسٹائل آج سے بیس سال پہلے تک تو ٹھیک تھا مگر اب آپ ایسا کریں گے تو لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے یا آپ کو پاگل بولیں گے۔''

''فارہ اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے، آج سے بیس سال پہلے کے لوگوں کے سینگ تھے یا آج کل لوگوں کو پہیے لگے ہوئے ہیں، یہ سب آپ کا مذہب آپ سے کہتا ہے یہ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں میں یہ نہیں کہتی کہ تم اپنے بچوں کے لئے ملازم نہ رکھو ضرور رکھو مگر ان کو انسان بھی سمجھو جس بچے کی اپنی عمر کھیلنے کی ہے وہ تمہارے بچوں کو کھلا رہا ہے، دیکھو تم دن میں تھوڑا سا وقت نکال کر اگر ان بچوں کو پڑھا دیا کرو تو اس میں کیا برائی ہے اور اگر تم یہ خود نہیں کرنا چاہتی ہو تو تم کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر لو جو ان بچوں کو بنیادی تعلیم تو سکھا سکے، تم نہیں جانتی کہ اس عمل کے ذریعے تم ایک مہذب معاشرے کی بنیاد میں اپنا حصہ ڈالو گی، تمہاری ساس ایک فلاحی ادارہ چلا رہی ہیں جو غریب افراد کی بہبود اور تعلیم کے لئے کوشش کر رہا ہے کیا ان کی نظر میں کبھی یہ دونوں بچے نہیں آئے، ان کو نظر آتا ہوگا مگر اتنا حوصلہ نہیں ہوگا کہ اپنے لائف اسٹائل سے نیچے آیا جائے اس کو کہتے ہیں چراغ تلے اندھیرا، چلو تم یہ بھی نہ کرو مگر ان بچوں سے نرمی سے بات تو کر سکتی ہو جب اپنے بچوں کے لئے کھلونے یا کپڑے خریدو ان کے لئے بھی کچھ ضرور لیا کرو، یہ خیال رکھو کہ ان کے کھانے اور کے وقت ان پر کوئی بوجھ نہ ڈالو اگر اپنے بچے کو کسی پارک یا فن لینڈ لے کر جا رہی ہو تو کبھی ان کو بھی لے جاؤ اور اگر یہ سب بھی نہیں کر سکتی ہو تو اس بات کا احساس رکھو کہ وہ بھی انسان ہیں، فارہ جب ٹی وی یا اخبار میں میں یہ دیکھتی ہوں کہ لوگ اپنے گھریلو ملازمین بچے بچیوں پر اتنا ظلم کرتے ہیں کہ بعض اوقات وہ معصوم اپنی جان سے جاتے ہیں یا ان میں کوئی نفسیاتی خلا آ جاتا ہے تو یقین مانو میرا دل کرلاتا ہے کہ ہم کیسے انسان ہیں جو ان مجبور اور بے بس بچوں کو اپنے ظلم اور فرسٹریشن کا نشانہ بناتے ہیں ہم ایک دن کیا ایک گھنٹہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کے متعلق نہیں سوچ سکتے ہیں تو پھر پرائے بچوں کے ساتھ ایسا کیوں۔'' فارہ نے کہا۔

''آپا آپ نے یقینا ایک اچھی بات کی طرف میری توجہ کروائی ہے، میں کوشش کروں گی کہ ان بچوں کے ساتھ اپنے سلوک میں بہتری لاؤں۔''

آپا تو فون پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گئیں مگر فارہ سوچنے لگی کیا وہ ایسا کر سکے گی، اس کے سسرال والے اسے ایسا کرنے دیں گے کیا وہ ایسا عمل کر سکے گی جو اس کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے کیا وہ مہذب بن سکے گی۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

اٹھائیسویں قسط کا خلاصہ

امرکلہ، امرت کو ٹوکتی ہے کہ کبھی سجدے کا جواز نہ پوچھنا۔
فنکار پہلی بار فیصلے کے لئے پیش ہوتے ہیں۔
ھالار بہت برے حالات سے دوچار ہو کر جوزف کے ساتھ نکل جاتا ہے۔
امرت پرچہ این جی او کے حوالے کر کے آ جاتی ہے اور گوہر کو گھر روانہ کرتی ہے، گوہر کی واپسی پر ماں اسے کہتی ہے کہ وہ امرت کے لئے اس کا رشتہ لے جائیں گی، وہ حیران ہو جاتا ہے۔
امرت، امرکلہ کو بتاتی ہے کہ اس کے لئے گوہر کا رشتہ آیا ہے، امرکلہ کا ری ایکشن توقع کے برعکس ہے۔
فنکار دربار پہ حاضر ہوا ہے اور کئی کیفیتوں سے دوچار ہے، یہ اس کے لئے تیسرہ مرحلہ ہے جہاں وہ پھنس گیا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

انتیسویں قسط
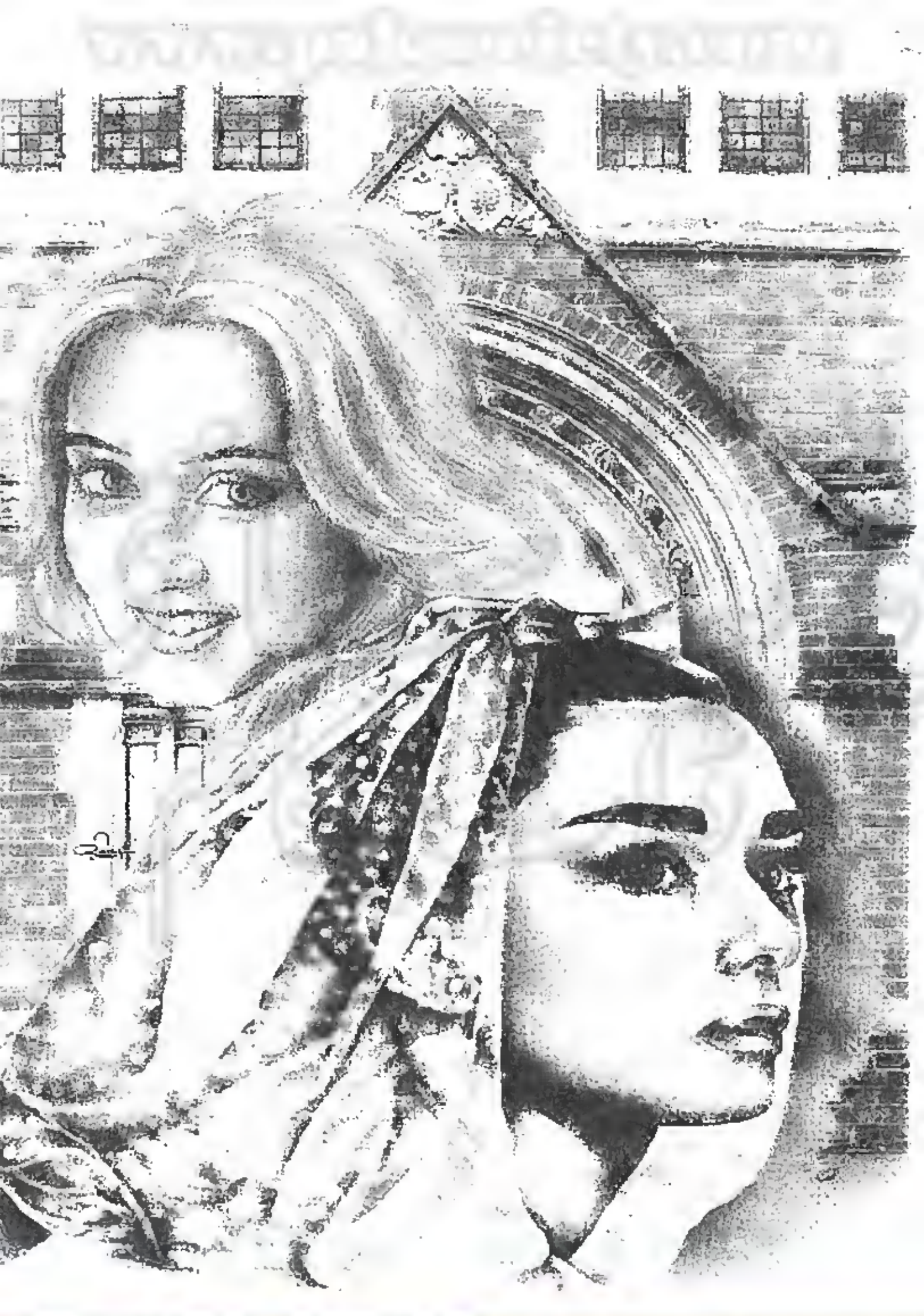
وہ درگاہ کے صحن سے لوٹ آیا تھا، کانپ رہا تھا، اس نے اپنے کانوں سے ذکر کی گونج سنی تھی، پتہ تھا کہ درگاہ کے اندر اس وقت کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے، مردے بولتے ہیں، مردے بات کرتے ہیں۔

آوازیں مدھم تھیں، مگر واضح تھیں، آوازیں ہلا دیتی تھیں، ان آوازوں میں سحر تھا، ان آوازوں میں طاقت تھی، وہ بڑبڑا رہے تھے، اوطاق کی کوٹھی میں ہانپ رہے تھے۔

''کیا آپ کو دمے کا دورہ پڑا ہے سائیں؟'' اوطاق میں ایک ملازم سو رہا تھا، نیند سے بیدار ہو کر اندر آیا تو اسے بری طرح ہانپتے ہوئے دیکھا اور پریشان ہو گیا۔

وہ اس وقت بولنے کی حالت میں نہیں تھے، ملازم دوڑ کر لاھوت کو لے آیا، لاھوت پریشان ہو گیا تھا، انہیں گاڑی میں ڈالا شہر کی طرف بھاگا۔

سانس اکھڑا ہوا تھا ان کا، دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی بہت دیر بعد ہلکی ہوئی، سانس کچھ نارمل ہوئی تو لاھوت نے ٹھنڈی سانس بھری، کوئی اور تو تھا نہیں شہر میں علی گوہر کو بلایا تھا۔

''کچھ بتا نہیں رہے کہ ہوا کیا ہے۔'' لاھوت کو دل ہی دل میں احساس ضرور تھا کہ شاید اس کی وجہ سے اور خاندان کے بڑھتے ہوئے پریشر سے وہ فکر مند ہو گئے ہیں۔

خاندان میں ان کے خلاف ہوائے مخالف چل رہی تھی، وہی شخص تھا جو خاندان کو اپنی آخری امید لگ رہا تھا، اس کے ایک باغی فیصلے نے پھر سے سب کو بدل دیا، نظریات بدل دیئے، سوچ بدل دی، خفگی بڑھ گئی۔

''خاندان میں سردار تبدیل ہو گیا۔'' اعتراض نہ لاھوت کرنا چاہتا تھا نہ انہوں نے کچھ کہا۔

مگر گاؤں کے وہ لوگ جو ہاری تھے جن کے لئے اسی باغی نے آواز اٹھائی تھی، ہاریوں کو زمینداروں سے حقوق لے کر دیئے تھے، وہ زمیندار تو ان کے خلاف تب ہی تھے، موقع ڈھونڈ رہے تھے، جو کہ مل گیا۔

صبح تک وہ کچھ بہتر تھے اور انہوں نے گاؤں واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا، وہ اندر سے ڈرے ہوئے تھے سہمے ہوئے تھے، مگر اب راہ فرار اختیار کرنے کا نہ آپشن تھا نہ گنجائش، وہ اپنا آخری وقت اسی گاؤں میں گزارنا چاہتے تھے۔

ہاریوں نے زمینداروں سے قرضے لینے چھوڑ دیئے، پرانے قرضوں کا حساب چکتا ہو گیا اور اب فیصلہ ہوا کہ وہ پورے حق کے بغیر زمین میں کھیتی نہیں کریں گے۔

کچھ ظالم وڈیروں کو نا چاہتے ہوئے بھی ہاریوں کی یکجہتی کے سامنے ہار ماننا پڑی تھی، وہ ایک کیس میں جیت گئے تھے، دوسرے کیس میں بھی جیت گئے، لڑکی کی شادی کا مسئلہ حل ہو گیا۔

ایک روایت ٹوٹ گئی، خاندان والوں میں سے کچھ لوگ غیر سید تو نہیں مگر دوسرے سید خاندانوں میں اپنی بیٹیوں کے لئے رشتے ڈھونڈنے لگے تھے۔

نا چاہتے ہوئے بھی، کچھ تو معاملہ ان سب لوگوں کے ہاتھ سے نکلا تھا، سب کو غصہ تھا کہ یہ کیسے ہمیں بے وقوف بنا گیا۔

گوہر نے امرت کو بتایا تھا، امرت کو زندگی میں پہلی بار اس شخص پر فخر محسوس ہوا تھا، گوہر اسے

احساس دلا رہا تھا کہ۔

"دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ وہ کچھ اچھا کریں گے، ان کے فیصلے کے پیچھے کوئی منطق ہو گی اور تمہیں یقین نہیں آتا تھا۔"

مگر امرت کی ناراضگی بہر حال اپنی جگہ پر قائم تھی۔

تیسرے مرحلے میں جب وہ کھڑے ہوئے تو کانپ گئے، کیونکہ وہ مرحلہ تیسرا نہیں آخری تھا اور وہ اس پر پورے نہیں اتر سکے تھے، ان کے دل میں کچھ چیزوں کے شکوک تھے جو یقین میں بدل گئے تھے۔

مگر دکھ صرف اپنا تھا کہ فیس کیوں نہ کر سکا، وہ اپنے آپ کو ہارا ہوا تصور کر رہے تھے اور اس دن کے بعد انہوں نے مزار پر جانا چھوڑ دیا، وہ خود کے سامنے اپنے ڈر کا اعتراف کر چکے تھے اب ان کے پاس سوچنے کو بہت کچھ تھا، مگر جیسے کرنے کو کچھ نہ تھا۔

اس بار پھر سے بازی پلٹی، انہوں نے ڈر کے معذرت کر لی اور پھر سے کچھ کرنے کے لئے عملی میدان میں اترے اور وہ تھا اسکول، ایک منفرد نصاب کا اسکول۔

چھوٹے پیمانے پر، فرید اور گوہر، دیگر کچھ لوگوں کی مدد سے انہوں نے اسکول کا افتتاح کیا، اپنے حصے کی کچھ زمین بیچ کر، گاؤں سے نزدیک مین روڈ کے نزدیک جہاں کھیت تھے۔

وہاں پر اپنی زمین میں ایک چھوٹی سی عمارت بنائی، دو تین کمرے تھے، بچے ہر عمر کے تھے جو ان کی کلاس میں تھے، نصاب کا معاملہ کچھ الگ ہی تھا، کچھ مختلف کلاسز کے سبجیکٹ گوہر، فرید اور مختلف دو تین نوجوان کرا لیتے تھے اور آخری مرحلہ ہوتا تھا ان کا جن میں دو تین سیشن ہوتے تھے، آخری سیشن میں کہانی سنائی جاتی تھی اور بچے سوال کرتے تھے، وہ ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کبھی ہنس دیتے، کبھی مسکرا دیتے اور کبھی حیران ہو جاتے اور اس دن بھی جب فرید نے ان سے پوچھا کہ۔

"اب آپ کی زندگی میں کیا ہے؟" وہ اس سوال کا جواب دینا چاہتے تھے، کلاس میں وقفہ تھا، جب اچانک گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

فرید بغیر سوال کا جواب سنے معذرت کر کے کمرے سے باہر نکل گیا یہ کہہ کر کہ وہ انتظار نہیں کرے گی۔

ان کو پتہ تھا کون، وہ دیکھنا چاہتے تھے، وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ۔

"امرت بتاؤ تمہیں کیسا لگا اب میرا فیصلہ، دیکھا میرا کوئی مقصد نہ تھا، تم نے دیکھا مجھے بادشاہی نہیں چاہیے تھی، تخت نہیں چاہیے تھا، جبھی مجھے دھکیلا گیا اور میں یہاں کھڑا ہوں۔" وہ چاہتے تھے بس ایک بار وہ ان پر فخر کرے۔

ایک دفعہ حالار بھی ان کو کہے کہ۔

"ابا آپ حق پر تھے، آپ نے ہمارے ساتھ نہ آ کر ایک مضبوط فیصلہ کیا تھا۔" وہ ایک بار امرت کو بتانا چاہتے تھے کہ۔

"جس وقت تم نے میرا ہاتھ تھاما تھا اور چلنے کو کہا تھا اس وقت میرا دل کیا میں سب چھوڑ کر

تمہارے ساتھ چل پڑوں۔"
"میں نے دل پر پتھر نہیں پہاڑ رکھا تھا اور وہ پہاڑ اب تک میرے دل پر ہی دھرا ہے، جسے ہٹانا میرے بس سے باہر ہے، میری آخری سانس سے پہلے بس اس پتھر کو آ کر ہٹا دینا امرت۔"
اور بھی بہت کچھ تھا، جو دل میں تھا، انہوں نے دعا کی تھی وہ ان کے سامنے آئے، برا بھلا کہے، تا کہ ان کو صفائی کا موقع ملے، مگر ایسا پتہ تھا ہونا آسان نہیں ہے، کھڑکی میں کھڑے تھے جب اس پر نظر پڑی تھی، تک گئی تھی، اس نے نظر چرائی تھی، وہ کھڑکی میں سے ہٹ گئے، گاڑی دھول اڑاتی نکل گئی، وہ کتنے منٹ تک ساکت تھے۔

☆☆☆

جھگی کے اندر اور باہر مکھیوں کی بھنبھناہٹ کا میلہ لگا ہوا تھا، سونا پولیس کے ساتھ ان خانہ بدوشوں کی مسافرانہ جھگیوں تک آئی تھیں، اسے پتہ چلا تھا سادھنا چار مہینہ پہلے ان خانہ بدوشوں کے گروپ کے ساتھ نکل گئی تھی۔
اور اس نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا اس بچی کو، زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی ماتا کو اس قدر مجبور پایا تھا، زندگی میں پہلی بار اسے سادھنا کی اہمیت کا اندازہ ہوا تھا، لمحے کے لئے اس کا دل چاہتا تھا وہ ملے اور وہ ہمیشہ سے زیادہ اس کو چھڑی سے برابر کر دے، اتنا مارے، اتنا مارے کہ لال کر دے، تا کہ وہ کبھی ایسی حرکت نہ کر سکے، کئی لمبے راتوں کو سوتے سوتے اس نے سادھنا کے لئے اپنے دل میں نفرت کا غبار اٹھتے ہوئے محسوس کیا تھا، مگر زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔
بہت دفعہ اس نے سوچا کہ اس نافرماں اولاد کو بھلا دے، اس کے تئیں سادھنا نے اسے حد درجہ تکلیف دی تھی، بے انتہا دکھ دیئے تھے، بہت زیادہ ستایا تھا، وہ اولاد ہی کیا جو ماں کو اتنا ستائے، اس کا بس چلتا تو وہ اپنے دل سے ماتا کا جذبہ نکال پھینکتی اور پھر خوب مزا چکھاتی، اگر وہ کبھی لوٹ بھی آتی تو اسے دھکے دے کر نکال دیتی، وہ اپنی لمحے لمحے کی پریشانی کا بدلہ اچھی طرح گن گن کر لے لیتی، پھر جا کر اسے تسکین ملتی۔
مگر اس کے لئے یہی سب کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا، وہ راتوں کو جو سوتے ہوئے بیدار ہونے کے بعد اٹھتی اور سادھنا کو سب کے درمیان غیر موجود پاتی تو اس کا دل ڈوب جاتا تھا۔
ماتا ہمیشہ سونا کی انا سے جیت جاتی تھی اور سونا ہار جاتی تھی۔
سونا کی انا ہمیشہ جیتی تھی، مگر ابھی ماتا کا حساب کتاب چل رہا تھا، انا کہیں بہت پیچھے جا کھڑی تھی، ماتا کے پیچھے۔
تبھی جب اسے پتہ چلا کہ خانہ بدوش مسافروں کا قافلہ خاک چھانتا ہوا پھر اک گوٹھ میں کسی نزدیکی جگہ آ پہنچا ہے، تو وہ دوسرے دن ہی پولیس آنس گئی اور ابھی اسی جگہ آ کھڑی تھی، جھگی کی حالت اس کے گھر سے بھی کئی گنا بدتر تھی۔
خراب تھی، وہ حیران تھی، اگر سادھنا اسی قافلے کے ساتھ گئی تھی تو اسے کیا ملا ہو گا، وہ اپنے گھر سے زیادہ بدتر زندگی گزارتی ہو گی، ایسی صورت میں اسے فوراً واپس آ جانا چاہیے تھا، زیادہ سے زیادہ چند دن۔

''مگر ہوسکتا ہو وہ واپس آنا چاہتی وہ، مگر قافلہ کہیں بہت دور چلا گیا ہو، اتنی سی بچی کو رستوں کا کہاں پتہ ہوگا، وہ مجبور ہوگی، کہاں آسکی وہ گی۔'' ماستا کے پاس سو باتیں ہوتی ہیں، سو بہانے، پولیس والے ہر اک جھگی کی تلاشی لے رہے تھے۔

ایک عورت آدھی سندھی آدھی سرائیکی میں پولیس والوں کو گالیاں بک رہی تھی، افراد منتشر تھے اور پریشان کے پولیس والوں نے یہاں کیوں دھاوا بول دیا مگر تسلی اس لئے تھی کچھ لوگوں کو کہ یہاں سے ملنا ہی کیا تھا جو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

ایک جھگی کا پردہ ہٹایا تھا، باہر کے شور سے لاپرواہ وہ اوندھی لیٹی میلے سے کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچ رہی تھی جب سونا ایک سپاہی کے ساتھ جھگی کے اندر آئی تھی ایک لحہ تھا جو بہت مشکل تھا۔

سونا کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی، سادھنا کی آنکھوں میں پہلے حیرت پھر خوف نے جگہ لی تھی، اس نے غیر یقینی کیفیت سے نکلنے کے بعد فوراً سے کاغذ اپنے سینے سے بھینچ لیا تھا، سونا کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا، وہ نہ اسے مار سکی، نہ گلے سے لگا سکی۔

بس اسے ایک ہاتھ سے گھسیٹتی ہوئی جھگی سے باہر لے آئی تھی اور گاڑی تک، سادھنا جیسے رونا اور بولنا بھول گئی تھی، اسے لگا لمحے کے لئے وہ چنگل میں پھنس گئی ہے وہ ایک آزاد فضا سے پھر سے قید میں جارہی ہے، وہیں امرکلہ کو اطلاع ملی تھی، وہ پہنچ گئی تھی، اس نے سادھنا کو لپٹا کہ بہت سارا پیار کیا تھا۔

سادھنا کئی دیر تک اس سے لپٹی رہی تھی اور سونا اجنبیوں کی طرح گز بھر کے فاصلے پر کھڑی تھی، اس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہا تھا، یہ اسے پتہ تھا، یہ ایک ماں جانتی تھی، یہ سونا جانتی تھی، وہ ان چار مہینوں میں انگاروں پر چلی تھی اور اس کی بیٹی اس اجنبی کے ساتھ لپٹی تھی اور اس طرح لپٹی تھی جیسے کسی بچھڑے ہوئے سے ملا جاتا ہے، امرکلہ نے سونا کی آنکھیں دیکھی تھیں، اسے رحم آگیا تھا، وہ جتنی تلخ سہی، پر تھی تو ایک ماں ہی۔

اس کے بعد اس نے سادھنا کو الگ کر کے سونا کے آگے کیا۔

''مارو اسے، اتنا مارو کہ اس کی عقل ٹھکانے آجائے۔''

سونا کی یہی چاہ تھی، جو وہ سمجھتی تھی، سادھنا امرکلہ کے ساتھ پھر سے لپٹ گئی تھی، جو عورت اسے خود آگے کر کے مروا رہی تھی، وہ پناہ کے لئے اسی کی طرف گئی تھی، سونا کا دل دھک سے رہ گیا۔

کچھ بھی تھا وہ اس کی ماں تھی، اس نے نو ماہ پیٹ میں رکھا تھا، پیدا کیا تھا اسے، پالا تھا، بڑا کیا تھا اور وہ بچی ماں سے اس حد تک خائف تھی۔

سونا کو پہلی بار اپنے آپ پر نفرین بھیجنا پڑی۔

''ایک ماں کے لئے یہ کتنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ ناکام ماں رہے۔'' سونا کو رونا آگیا تھا، وہ زمین پر بیٹھ گئی تھی، اس نے اپنے دونوں ہاتھ سے چہرے کو چھپایا تھا، وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی تھی، امرکلہ کے لئے یہ لحہ ملامت کا لحہ تھا، اس نے خائف نظروں سے سادھنا کو دیکھا تھا اور لگی

کے نکڑ سے آگے بڑھ گئی تھی، سونا کے رونے میں تیزی آ گئی تھی، سادھنا نے اس کے چہرے سے اس کے ہاتھوں کو اپنے کمزور دبلے ہاتھوں سے ہٹایا تھا اور اسی لمحے سادھنا سونا سے لپٹ گئی تھی، اس نے پہلی بار کہا تھا۔

''ماں مجھے مار دو۔''

امر کلہ کہیں نہیں تھی، گلی کے نکڑ کے موڑ سے اندر گیٹ کے باہر ایک سونا تھی جو ماں تھی، ایک سادھنا تھی جو ماں کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔

''ماں مجھے مار دو۔''

سونا نے اسے قریب کر کے خود سے بھینچ لیا تھا، سادھنا کی آنکھوں سے نکلے آنسو اسے بے قرار کرنے لگے تھے۔

پہلی بار جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا، وہ روئی تھی اور ماں نے اس کے آنسو پونچھے تھے، وہ سونا نہیں تھی، سونا کہیں نہیں تھی، بس ماں تھی۔

☆☆☆

آج پھر اس کے سامنے ایک کنفیوژڈ سا علی گوہر کھڑا تھا، جو وقت سے پہلے پہنچا کرتا ہے، وہ آدھے گھنٹے بعد پہنچا تھا۔

''میں نے ڈیٹ مارنے کے لئے تمہیں نہیں بلوایا جو آدھا گھنٹہ اضافی ضائع کر دیا تم نے میرا۔''

وہ ناراض تھی، اسے ناراض ہونے کا حق تھا، پہلی بار وہ امرت کے سامنے شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔

دریائے سندھ اپنی پوری مستی میں لہریں اچھال رہا تھا وہ دونوں پتھریلی سیڑھیوں کے زینے پر آ کر بیٹھ گئے۔

''میرے لئے رشتہ آیا ہے، ایک۔'' وہ بڑے بے ترتیب طریقے سے بغیر کوئی تمہید باندھے بے زاری سے بتانے لگی۔

''علی گوہر کوئی بھی لڑکی تمہارے رشتے سے انکار کرتے ہوئے سو دفعہ سوچے گی، یہ نہیں کہ تم جیسا ہیرو شہر بھر میں نہیں ملنا اور یہ بھی نہیں کہ تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''تمہیں بہت برا لگا ہے نا امرت۔'' وہ ہراساں ہو کے بولا۔

''نہیں گوہر، مجھے کیوں برا لگے گا۔''

''میرے لئے رشتہ آیا ہے، رشتہ ہوا نہیں ہے، آتے تو کتنوں کے ہیں، مگر اچھے برے کا سوال وہاں ہوتا ہے جہاں پر ہاں یا نہ میں فیصلہ ہو اور وہ مرحلہ میرے سر پر ہی کھڑا منڈلا رہا ہے، تمہارے رشتے سے انکار کے لئے میرے پاس تو کوئی بڑی وجہ نہیں ہے۔''

''امرت! مجھے تم پر بھروسہ ہے کہ تم انکار کر دو گی۔''

''میں کیوں انکار کروں گوہر؟ رشتہ میں نے بھیجا ہے کیا؟''

''دیکھو امرت لڑکی والوں کی طرف سے انکار اچھی علامت ہے، لڑکا اگر انکار کرے تو وہ

ٹھکرانے والی بات ہو جاتی ہے۔"
"مرد بنو علی گوہر، بزدلوں کی طرح میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے سے نشانہ خطا بھی ہو سکتا ہے۔"
"بہت مشکل ہے امرت میرے لئے گھر والوں کو منع کرنا، اماں کی خواہش سنبھالی نہیں جاتیں، بہت خوش ہیں وہ مجھ سے زندگی میں پہلی بار وہ مجھ سے خوش ہوئی ہیں۔"
"تو پھر ہو جانے دو، مگر میں نے تمہارے لئے کبھی ایسا نہیں سوچا۔"
"دیکھو امرت! تم بہت لائق فائق ہو، تمہیں تمہارے جیسا ملنا چاہیے، میں تمہارے قابل......"
"بس کرو گوہر، تمہیں ایسی صورتحال میں الٹا سیدھا بولتے دیکھ کر مجھے ہی بہت دکھ ہوتا ہے۔"
"اب پہلی بات یہ کہ رشتہ تمہاری مرضی سے نہیں آیا؟"
"ظاہر ہے نہیں آیا۔" وہ لمبی سانس بھر کر بیٹھ گیا۔
"تم اب انکار چاہتے ہو یہی نا؟"
"تم ٹھیک سمجھی ہو۔"
"شرم آنی چاہیے تمہیں، مسئلہ کری ایٹ کر کے پھر فرار۔"
"ٹھیک کہتی ہو۔" لہجہ شکستہ تھا۔
"گوہر! ہر بار معجزے نہیں ہوا کرتے، معجزے صرف تب ہوتے ہیں، جب ان کی ضرورت ہوتی ہے، مسائل جو خود انسان کے پیدا کردہ ہیں، ان مسائل کا حل بھی اس نے کرنا ہے، میرے گھر والے مجھ سے دلائل میں جیت گئے ہیں، ہر بات کا مطلب مقصد مفاد پوچھتے ہیں، میں ایسی پوزیشن میں ہوں جب ان کے سامنے انکار کرنے کا مضبوط جواز میرے پاس نہیں ہے، دوسری یہ بات کہ تم مرد ہو کر بھی ہمیشہ بے بسیوں کی انتہاؤں پر سفر کرتے ہو، مجبوریوں کے رشتے پہاڑ ہوتے ہیں گوہر۔"
"کس مخمصے میں پھنسا دیا ہے تم نے مجھے، میں خود سے زیادہ تم سے شرمندہ ہوں امرت، رشتوں کی تمیز نہ بھولنے لگ جاؤں۔"
"گوہر تمہارے بہت مسائل ہیں، سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تم نے مسائل کو اب تک آسان نہیں کیا اور سفر بہت آگے کر گئے ہو، اردگرد دیکھا کرو، پہلے اپنی بکھری زندگی کے ظاہری مسائل سنبھال لو اس کے بعد روح کی بے چینیوں کو دیکھنا، گوہر تمہیں میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ گھر والوں کے لئے زندگی آسان کر دو اور پہلی بار میں ہی انہوں نے مجھ سے میری قربانی مانگی ہے۔"
"اس میں بھی تمہارا ہی قصور ہے گوہر، تم نے ان کے سامنے آپشن جو نہیں رکھے ہیں، جب آپشن زر رکھے جائیں تب ون سائیڈڈ فیصلہ ہوتا ہے۔"
"پھر کیا کروں امرت؟"
"نکالتی ہوں تمہیں اس مسئلے سے اگر چاہو تو۔"
"میرے لئے آسانی پیدا کر دو کہ میں انکار کر دوں۔"

"کیسے؟"
"میرے گھر والوں کو اور اپنے گھر والوں کو آپشنز دو تا کہ چناؤ آسان ہو۔"
"مطلب؟" وہ چناؤ کے متعلق فکر مند تھا۔
"اپنے گھر والوں کے سامنے امر کلہ کا نام مینشن کرو اور میرے لئے فرید کا رشتہ بھیج دو۔"
وہ اسے کہہ رہی تھی پھانسی کا پھندہ لٹکا دو اور مجھے بھی تختہ دار پر چڑھا دو، گوہر کو کم از کم ایسا لگا۔

"بہت عزت کرتا ہوں میں اس کی، اس سے کہیں زیادہ محبت کرتا ہوں، عشق کا نہیں پتہ، بس اس سے قریب تر ہوں شاید، نہیں بتا سکتا، مگر امرت یہ کام میرے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔"
"اس کی رضا کے بغیر، اس کا نام بھی لے لوں، تو زبان سڑ جائے گی میری، محبت اس کی اجازت نہیں دے گی، کہے گی زبان سڑے تو سڑ جائے پر اس کا نام پہ حرف نہ آئے۔"
"تم ڈرتے ہو اس سے گوہر۔" وہ ہنس پڑی۔
"شکر ہے امرت تم نے کبھی محبت نہیں کی، ورنہ میں ہنس رہا ہوتا اور تم ہنس نہ سکتیں۔"
"گوہر! محبت کو صرف اصولوں کی بھینٹ چڑھا دو گے؟"
"اس نے کہا ہے امرت کہ میری اور اس کی منزل الگ ہے، اس نے یہ بھی کہا کہ میرے رستے میں نہ آنا، اس کے رستے میں جاؤں گا تو پتھر کا بت بن جاؤں گا، وہ اگر مڑ کر نہ دیکھے گی تو مر جاؤں گا۔"
"علی گوہر! تم بہت سچے ہو اپنی محبت میں، وہ ناقدری نہیں ہے، جانتی ہے، محبت تو کر سکتی ہے مگر عورت شادی ایک مرد سے کرتی ہے تم مرد بن کر دکھاؤ تو وہ شادی کا بھی سوچے، تم عاشق بن کر پھرتے ہو، وہ معشوق بن کر بیٹھی ہے۔" اس سے زیادہ محبت کی خوبصورت مثال گوہر نے آج سے پہلے نہ سنی تھی۔
"اسے میرا عاشق بننا بھا گیا ہے، وہ خوش ہے میری بے چینی میں۔"
"نہیں گوہر، وہ فیصلہ نہیں کرنا چاہتی، تمہیں پتہ ہے، یہ کہنا کافی ہو گا کہ تم پہلی سیڑھی پر ہو، وہ دوسری پر قدم رکھ چکی ہے، اس سے پہلے کہ تیسری پھلانگ لے اور تمہاری پہنچ سے دور ہو جائے اسے آواز دو، اسے ایک دفعہ آواز دو علی گوہر۔" وہ اس کے برابر کھڑی تھی۔
"اسے آواز دو، دل سے آواز دو، ایک بار ہی آواز دو۔"
گوہر کو سب کچھ دھندلا دکھائی دینے لگا تھا، لمحے بھر کو دنیا دھندلا گئی تھی، تاریک ہونے کے قریب تھی، دل لگ رہا تھا جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو، سینے کے اندر تنگ پڑ رہا تھا، سینہ چیر کر باہر آنے کو بے قرار تھا، کسی باغی کی طرح اعلان جنگ کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا، اندر ہی پھڑ پھڑا رہا تھا، اڑنے کے لئے پر تول رہا تھا، ایک بار پھر لگا جیسے پرندے کی طرح اڑ جائے گا، سنبھالا نہ جائے گا، ہاتھ سے نکلے گا، تو نظر سے اوجھل ہو جائے گا پھر نہ ملے گا، وہ پچھلی سیڑھی پر کھڑا تھا اور یہ سوچ رہا تھا، دل کی سوچ رہا تھا۔
اس میں اور امر کلہ میں صرف ایک فرق نمایاں تھا، وہ دل کو سنبھال سنبھال کر تھکا جا رہا تھا،

جبکہ امر کلہ نے پہلے قدم پر ہی دل نکالا، پاؤں میں رکھا اور کچل کر نکل گئی۔
وہ آج تک سہا ہوا چوکھٹ پر پڑا تھا، کچی کوٹھی کی چوکھٹ پر، جو ڈھے گئی، جس کی عمارت کچی تھی، ایک طوفان سے ہی ڈھے گئی، اب وہاں مٹی اڑتی تھی، دھول جمی ہوئی تھی، وہ جا کہ دیکھتی دل میلا ملتا، دھول سے اٹا ہوا، اسے اٹھا کر صاف کرنا پڑتا اور پھر رکھ لینا پڑتا اس کے لئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنا تھا وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی، پیچھے مڑ کر دیکھنا اس کی عادت نہ تھی۔
مگر صرف ایک لمحے کے لئے اسے لگا جیسے اسے کوئی طاقت پیچھے کی طرف دھکیل رہی ہے، اسے کوئی آواز بلا رہی ہے، گیلی آنکھوں کی دھندلی دنیا، سانولی دنیا، سانولی دنیا کے دھندلے نقش واضح ہونے لگے تھے، اس نے زندگی میں دوسری بار سجدہ کیا تھا، اس بار بھی بغیر وضو، بغیر کلمے کے، بغیر مذہب بدلے، مگر سجدے میں جو شدت تھی، اسے لگا وضو کر کے کیا تو اٹھنے نہ پائے گی، کلمہ پڑھ لیا تو جان دے دی گی، پہلی بار پتہ چلا لوگ کلمے پر جان کیوں دے دیتے ہیں، ابھی تو صرف سجدہ بے قراری تھا، مگر لگا جیسے کسی نے جھٹکا۔
"کہتے ہیں کہ سجدہ کرو تو شیطان روکتا ہے۔"
سوچنے لگی کون سا وضو کیا تھا، شاید نفس کی کارستانی ہے، مگر دل کچھ اور کہے جا رہا تھا، جس سجدے میں جھکی تھی، دل کہیں اور ہمک رہا تھا، ٹکراؤ بڑا مبہم تھا، الجھا ہوا، اس کے دل کی یہ مجال، اس نے دل کو سمجھایا نہیں ڈانٹا۔
مگر نہیں یہ ہمت اسے کہیں اور سے مل رہی تھی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، کسی نے آواز سے آواز نہیں دی تھی، احساس سے آواز دی تھی، وہ سجدے کے لئے تڑپنا چاہتی تھی دل اس کے لئے تڑپنے لگا تھا، اسے پہلی بار اپنا آپ کمزور لگا، پہلی بار کسی نے دل پر زور مار دیا تھا، انجام بڑا خطرناک تھا، وہ ڈر گئی تھی، پسینے میں تر ہو گئی تھی، ماں نے اس کی گھبراہٹ کو حیرت سے دیکھا، پھر حیرت فکر میں بدلی تھی۔

☆☆☆

اس بار اسپیشلی طور پہ سونا سے ملنے کے لئے آئی تھی، وہ سادھنا کے بہن بھائیوں کے لئے چیزیں لائی تھی، سادھنا کے لئے چیزیں لائی تھی، سونا کے لئے فروٹ لائی تھی۔
اس کے ہاتھ میں چیزوں کا شاپر بھرا ہوا تھا، سونا نے دروازہ کھولا! اس کے بعد کئی لمحے سونا دروازے سے نہیں ہٹی تھی، وہ اسے اندر لے آنا نہیں چاہ رہی تھی، وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ سادھنا کو تم نے چیزوں سے خرید لیا ہے مگر مجھے نہیں خرید سکتیں، میں ماں ہوں اس کی، میں نے ایک عمر گزاری ہے، میرے بال دھوپ میں سفید نہیں ہوئے ابھی تک مگران کا اصل رنگ برقرار نہیں رہ سکا ہے، وہ بے رنگ ہو گئے ہیں، نہ سفید دکھتے ہیں نہ ہی کالے اور پھر بالوں کا رنگ نہ بدلے مگر اس نے اپنی جلد کی رنگت اسی دھوپ میں جھلسا دی ہے۔
مزدوریاں کر کر کے جل گئی ہے، یہ سب چیزیں آٹھ دن کا غلہ بیچ کر وہ بھی لا سکتی ہے، مگر اس کی سزا میں وہ آٹھ دن اپنے بچوں کو بھوکا نہیں رکھ سکتی۔
امر کلہ کو لگا تھا اس سے دوسری غلطی ہوئی ہے، وہ دروازے کے بیچ کھڑی تھی، اس کا دل چاہ

رہا تھا وہ دروازے سے ہی بھاگ جائے، اسے تھیلا پکڑانے کا حوصلہ نہیں تھا سونا کو، سونا نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا وہ ڈوب مرنے والی ہوگئی تھی۔

سونا کے بچے پیچھے کھڑے حسرت سے تھیلوں کو دیکھنے لگے، ننھا سونا کی چولی کے دامن سے لپٹ گیا تھا، اس نے بڑی تیزی سے بچے کو دھکیلا تھا، سادھنا کچے کمرے کے دروازے سے باہر نکلی تھی اور رک گئی تھی، مگر اس کی باچھیں ضرور کھلیں تھیں، سادھنا کو اپنے پیچھے دیکھ کر سونا ہٹ گئی تھی، سادھنا دوڑتے ہوئے امرکلہ کے ساتھ لپٹ گئی تھی اس لپٹنے میں کوئی اجنبیت نہ تھی، سونا نے جان بوجھ کر اس طرف نہیں دیکھا تھا، امرکلہ نے بچوں میں چیزیں بانٹ دی تھیں اور فروٹ کا تھیلا لے کر وہ سونا کے قریب آئی تھی، جو منجلی چارپائی پر گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھی تھی اس کے چہرے پر ناگواری صاف ظاہر تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ہمیں باجی، ہمیں عادت نہیں ہے ان پھلوں کی، سوکھی روٹی اور دلیے سے پیٹ بھرتا ہے ہمارا۔''

''تم لوگ بہت اعلیٰ ظرف ہو سونا، روکھی سوکھی میں خوش رہتے ہو، پتہ ہے میں بھی بچپن میں بہت بار روکھی سوکھی کھائی ہے میں بہت وقت لنگروں اور خیراتی کھانوں سے بھوک مٹائی ہے، اب وہ لذت مجھے خود کے بنائے ہوئے کھانوں میں محسوس نہیں ہوتی ہے۔'' وہ اس کے سامنے منجی کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔

''سرہانے بیٹھ جا باجی۔'' سونا جگہ سے کھسکی تھی۔

''نہیں سونا، میں عادی ہوں۔'' وہ دونوں پاؤں اوپر چڑھا کر بیٹھ گئی تھی۔

''بچے چھری اور پلیٹ لانا ذرا۔''

ننھا پلیٹ اور چھری لے آیا تھا، وہ پھل کاٹنے لگی تھی، اس نے سیب، خربوزہ، انگور اور آم کاٹ کر پلیٹوں میں بھرے تھے، ایک بڑی پلیٹ بچوں کو دی تھی، ایک اپنے سامنے رکھی۔

''تم کھاؤ نا، مجھے اکیلے کھاتے ہوئے برا لگے گا۔'' اس نے کینوں کی کاش اٹھاتے ہوئے سونا کو آفر کی۔

''آپ کھالیں باجی۔'' اس کے لہجے میں صاف رکھائی تھی۔

''میں تو کھاؤں گی، مجھے بہت بھوک لگی ہے، کچھ پکا ہے؟'' وہ اپنے اور سونا کے درمیان کی اجنبیت ختم کر دینا چاہتی تھی۔

''ہمارے پاس جو ہوگا باجی وہ آپ کے کھانے کے لئے نہیں ہے میں کچھ لاتی ہوں باہر سے۔'' اسے بہر حال لحاظ آ گیا تھا۔

''نہیں سونا، تم بیٹھی رہو، میں تھوڑی دیر تم سے باتیں کرنے کے لئے آئی ہوں۔''

سادھنا کچے آم کی چٹنی روٹی پر رکھ کر لائی تھی اس کے لئے، اس نے بہت شوق سے کھائی تھی، سونا کے دل سے میل تھوڑا کم تو ہوا تھا یہ گیا نہ تھا۔

''تم پھل کھاؤ سونا ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔'' سونا پھل کھانے لگی تھی اور دیکھتے دیکھتے پلیٹ چٹ ہوگئی تھی، اس نے روٹی ختم کی اور سونا نے پھل ختم کیے تھے۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ میں نے تمہارے گھر کا کھانا کھایا ہے، یقین کرو اس میں بہت ذائقہ تھا، اس چٹنی میں، میں جب بھی آؤں تم میرے لئے ایسی چٹنی ضرور بنانا کیریوں اور مرچوں والی۔" اس نے چٹخارے لے کر کھایا تھا۔
"آپ کیوں آنے لگیں ہم غریبوں کے گھر۔"
"اگر تمہیں برا لگتا ہے تو نہیں آؤں گی گھر پہ، البتہ دروازے پہ بیٹھ کر ایک لسی کا گلاس اور ایک پلیٹ چٹنی کی ضرور دینا، چوکھٹ پر بیٹھ کر کھا کر چلی جاؤں گی۔"
"تم لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہو، عقل والی باتیں کرتے ہو، ہمیں نہیں ایسی گھڑولیاں کرتی آتیں۔" امر کلہ کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی تھی۔
"دھوپ بہت تیز ہے، ذرا سایہ ڈھلے تو میں نکلوں اگر تمہیں برا نہ لگے تو تب تک میں تمہارے کمرے میں بیٹھ کر تھوڑا استا لوں؟" اس نے سادھنا کو کہا تھا باجی کو کمرے میں لے جا۔
"نہیں تم میرے ساتھ چلو سونا، ہمارے ہاں یہ روایت ہے مہمان کے ساتھ رہا جاتا ہے۔" سونا ناچار اس کے ساتھ اندر آئی، اس کے لئے تھوڑی بہتر رلی نکال کر بچھائی تکیہ رکھا، وہ سرہانے کر کے تکیہ لیٹ گئی۔
"میرے پاس بیٹھو سونا۔" اس نے ہاتھ پکڑ لیا تھا اس کا، وہ بیٹھ گئی۔
"کیوں ساتھ بٹھا رہی ہیں باجی، پسینے کی بو نہیں آئے گی؟"
"پسینہ تو ہر کسی کو آتا ہے سونا۔"
"نہیں باجی، غریبوں کو بڑا بدبو والا پسینہ آتا ہے۔"
"نہیں سونا، پسینہ کسی کا بھی خوشبودار نہیں ہوتا۔" وہ سونا کی معصومانہ باتوں پر مسکراتی رہی تھی۔
"میں جانتی ہوں تمہیں مجھ سے شکایتیں ہیں سونا۔"
"باجی مجھے لچھے دار باتیں کرنی نہیں آتیں، آپ سیدھا سیدھا بولیں، سادھنا کو لینے آئی ہیں نا؟"
"سادھنا کو لینے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"اگر ایسا ہی ہے تو کیا تم سادھنا کو میرے ساتھ جانے دو گی؟"
"میں خود تیرے گھر اسے چھوڑنے کے لئے آ رہی تھی، پر میرے پاس تیرے گھر کا پتہ نہیں تھا، سونا تم بالکل ایسا نہیں کرو گی، وہ تمہاری بیٹی ہے اسے تمہارے پاس رہنا ہے، وہ تمہاری بڑی بیٹی ہے، گھر کے کاموں کے لئے ہاتھ بٹانے کے لئے تمہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔"
"وہ خوش نہیں ہے باجی یہاں پر، وہ اس جھگی میں خوش تھی، جہاں سوکھا ٹکر ملتا تھا اسے سونے کے لئے ایک چادر تک نہ تھی، وہ وہاں خوش تھی، تم نے کبھی سوچا ہے سونا وہ وہاں خوش کیوں تھی؟ تمہیں پتہ ہے سونا، میں ملی ہوں اس جھگی والی عورت سے، اس کے پاس کچھ نہیں ہے، سوائے زبان کے، وہ زبان کی بہت میٹھی ہے، اس نے بچوں چھوڑا ہوا ہے کہ وہ کھیلیں کودیں، کھیتوں میں کام کریں، وہ کچھ نہیں دیتی سوائے پیار کے، یقین کرو سادھنا وہاں ایک لمحہ نہ ٹک پاتی اگر اسے

وہاں پر محبت نہ ملی ہوتی، اس عورت کا دل اتنا بڑا ہے سونا کہ اس کے کچھ نہیں ہے، تب بھی اس نے سادھنا کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور اب جب سادھنا تمہیں ملی ہے تو وہ بہت خوش ہے۔''

''ہاں باجی، سونا کا دل چھوٹا ہی ہے۔''

''نہیں سونا، ماں کا دل کبھی چھوٹا نہیں ہوتا، ماں بننے کے بعد عورت کا دل بہت بڑا ہو جاتا ہے از خود بڑا ہو جاتا ہے۔''

''تو باجی، پھر تو سوچ کہ جو سادھنا کو میں کٹ ڈالتی تھی تو کیوں ڈالتی تھی۔''

''مجھے پتا ہے سونا تم یہ سب اس کے بھلے کے لئے کرتی تھیں، تمہیں لگتا تھا وہ مہنگے خواب پال رہی ہے، یہ سب اسے خود سمجھ جانے دو سونا، اپنے فیصلے آگے چل کر اسے خود کرنے دو، وہ سمجھدار ہے، وہ فیصلہ کر سکتی ہے، اسے اعتماد میں لو، ابھی اسے پڑھنے کی ضرورت ہے، اسے کتاب دو اور رات کو بیٹھ کر اسے کھانا پکانا اور سینا پرونا سکھاؤ، اسے گھر کے کام دو، وہ بگاڑے تو بگڑو مت، کہو کہ اگلی دفعہ بہتر ہوگا، تم اس کی ماں ہو، تمہارا اس پر حق ہے اور اس کا تم پر، ماں اگر ماں بن کر ایک بار دکھا دے سونا تو بچہ بچہ بن کر دکھاتا ہے، یہ روٹھنا جھگڑنا، اپنے جیسوں کے ساتھ ہوتا ہے، ماں کو چاہیے بچوں کے ساتھ بڑی بن کر رہے، تم مارا کرو، مگر اگلے لمحے وہ تمہارے ہی دامن میں آ کیں ایسا رویہ رکھو، وہ ہر کچھ تمہیں کہیں، ہر بات تم سے بانٹیں، ان کو اتنا قریب کر لو، یہ پڑھے لکھوں والی نہیں، سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں جو بغیر پڑھے ہی سمجھی جا سکتی ہیں، انسان کو ہر چیز کا پتہ ہوتا ہے، اچھے اور برے کا اندازہ تو ایک بچے کو بھی ہو جاتا ہے، اپنی سختی کو پیار اور نرمی میں بدل دو، دیکھو کچھ بھی ضرورت سے زیادہ نہیں چنگا، سختی تب کرو جب اس کی ضرورت ہو، غصہ تب کرو جب بچہ پیار سے نہ سمجھتا ہو، مارو تب جب سمجھانے سے نہ سمجھے، تم نہیں، ہمارے ہاں ساری مائیں پہلے مارتی ہیں پھر جا کہ سمجھاتی ہیں، خود میری ماں بھی ایسی ہے، آج تک ایسی ہے، وہ نہیں بدل سکتی، مگر میں چاہتی ہوں تم بدلو، مجھے آج تک اپنی ماں پر وہ بھروسہ نہیں ہے، مگر میں چاہتی ہوں سادھنا تم پر بھروسہ کرے، دل اس کا بھی بڑا ہے، فکر مند وہ بھی ہوتی ہے، مگر اسے بھی صرف رعب چلانا آتا ہے، تمہیں پتہ ہے تم جانتی ہو نہیں۔'' اپنی بات ختم کر کے وہ بڑے اطمینان سے اٹھی تھی۔

''مجھے جانا ہے۔''

''سو جا باجی، شام میں نکلنا باہر بڑی لو ہے۔''

''وہ تو ہے پر مجھے اپنی دوست امرت کے ساتھ بہت ضروری ملنا ہے، اس سے ملوں گی اور آج رات تک گھر پہنچنا ہے، اماں کو ذرا بخار تھا، دیر سے نکلی تو ان کو فکر ہوگی، رات کے پہلے پہر میں پہنچ جانا چاہتی ہوں۔''

سونا سمجھ گئی اسے صرف اکیلے میں اس سے بات کرنی تھی، سب بچوں کو اس نے پیار کیا تھا۔

''پھر کب آؤ گی باجی؟'' سادھنا کا سوال اس نے کیا تھا، سادھنا کے چہرے پر بڑی مطمئن مسکراہٹ آ گئی تھی، جو سونا نے بھی دیکھی اور امر کلہ نے بھی دیکھی اور محسوس کی تھی، سادھنا گلی تک اس کے ساتھ آئی تھی، اس نے سادھنا کو بہت سمجھایا تھا کہ ماں کا خیال رکھے، اسے رنج نہ دے، وہ سادھنا کے دل سے چاہتی تو پوری طرح ماں کی طرف سے جو میل تھا وہ نکال سکتی تھی، مگر وہ چاہتی

تھی یہ کام سونا خود کرے، وہ پودا اس کے دل میں خود لگائے، جس کا پھل بھی اسی کا تھا، بہت دنوں بعد اسے آرام آیا تھا۔

امرت سے مل کر سر شام ہی وہ نکلی تھی اور رات کے پہلے پہر میں ماں کے لئے دوائی اور پھل لائی تھی، وہ دیکھتے ہی اس پر بگڑی تھی کہ جو چار پیسے ہیں وہ فوراً ختم کر دینا۔

وہ سکھی کے ساتھ مل کر بس مسکراتی ہی رہی تھی ان باتوں پر جب تک ان کی پوری گری نہ نکل گئی۔

☆☆☆

''رحمان اور رحیم میں دو جدا جدا راز سمائے ہوئے ہیں، جیسے بصارت اور بصیر میں فرق ہوتا ہے، رحمان پوری مخلوق کے لئے ہوتا ہے اور رحیم خاص کے لئے۔'' بولتے ہوئے ان کی نظر دروازے سے باہر کھڑی چادر میں لپٹی امرکلہ پر پڑی تھی۔

''تم باہر کیوں کھڑی ہو میری بیٹی اندر آؤ۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، فرید بھی اٹھا تھا۔

کلاس ختم ہو جانے کے بعد جب بچے چلے جاتے تھے تو وہ آپس میں بیٹھ کر باتیں کر لیا کرتے تھے، جن دنوں میں وہ کھیتوں پر ہوتے علی گوہر کو بلوا لیتے وہ اور فرید مل کر سنبھال لیتے تھے۔

امرکلہ نے پہلے معلوم کروایا تھا اور جب پتہ چلا کہ گوہر نہیں ہے تو نکل آئی تھی۔

''آپ کیسے ہیں سر!'' وہ اندر آ کر فاصلے پر رک گئی تھی، انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، تم آ جاؤ، بیٹھو، ٹھیک لگ رہی ہو، مگر کیا ٹھیک واقعی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں سر! مگر بہتر نہیں ہوں، آپ سے مجھے بہت سارے سوال کرنے ہیں۔'' وہ بولتے بولتے فرید پر نظر پڑتے ہی رکی تھی۔

''میں باہر جاؤں؟'' اسے اندازہ تھا۔

''نہیں...... ہم باہر جائیں گے، ہوا اچھی چل رہی ہے، چلو اس درخت کی چھاؤں میں بیٹھتے ہیں، تم کتابیں سمیٹ کر رکھو فرید۔'' وہ اسے کہہ کر امرکلہ کے ساتھ باہر آنے لگے۔

''سنو، امرکلہ کے لئے پانی لے آؤ اس کے بعد ہیرو کے ہوٹل سے چائے ضرور لانا۔''

''جو حکم ہو سر کا۔'' اس نے دوستانہ انداز میں امرکلہ کی طرف دیکھا تھا۔

''لوگ حال پوچھنے سے بھی گئے، آپ سے صرف حال نہیں، احوال بھی ہوں گے، فکر نہ کریں۔'' وہ کہتے ہوئے فنکار کے ساتھ باہر آ ئیں۔

''آپ ابھی رحمان اور رحیم کی صفتوں کی کیا بات کر رہے تھے۔''

''یہ بھٹائی سائیں کی شاعری کے فلسفے کی وضاحتیں ہی تمہیں روشنی بھی تھی، اس کے بارے میں ہم بہت لمبی گفتگو کریں گے، مگر پہلے تم وہ بتاؤ جس کے لئے تم نے اتنا لمبا سفر کیا ہے اور کر کے یہاں پہنچی ہو۔''

''میں نے سنا تھا کہ سندھی صوفیا کے فلسفے میں عورت عاشق مرد معشوق، عورت طالب مرد

مطلوب، حتی کہ عورت عابد اور مرد معبود۔"

"نعوذ باللہ، مجھے مجازی خدا والی بات سے اختلاف رہا ہے امر کلہ، عورت اور مرد صرف جنس مخالف ہیں وگرنہ یہ ایک فلسفے میں جڑے ہوئے ہیں، کئی مرد اور عورتوں کی سوچیں، باتیں، فطرتیں، ملتی ہیں حتی کہ شکلیں تک، مگر تم یہ بات بھی چھوڑو، ہم اس پر بھی گفتگو کریں گے تم سیدھی سیدھی اپنی بات پر آؤ۔" وہ درخت کے سائے سے گزر کر آگے جا رہے تھے جہاں جنگل کے اونچے درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

"تمہیں کیڑے مکوڑوں سے ڈر تو نہیں لگتا نا؟"

"مجھے ڈر نہیں لگتا، آپ جہاں چاہیں بیٹھ جائیں۔" وہ ایک مٹی سی درخت کے تنے کی لکڑی پر بیٹھ گئے اور اسے سامنے درخت کی اوٹ میں بنائی گئی چھوٹی سی بینچ نما لکڑی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میرا سوال یہ ہے کہ الفت مجاز، اور الفت حقیقی کا آپس میں ٹکراؤ کیوں ہوتا ہے، مجاز ہمارا رستہ کیوں روک لیتا ہے، جیسے ضرورت جنون کا رستہ روک لیتی ہے، مگر نہیں یہ بھی ایک غلط مثال ہے، مجھے درحقیقت اچھی طرح سے مثالیں دینی نہیں آتیں، اسی لئے میرے کئی سوال جواب کے لئے تشنہ رہ جاتے ہیں۔"

"تم نے عشق مجاز نہیں کیا الفت مجاز کیا ہے، مجھے بہت اچھا لگا ہے، میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔" فرید سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا، وہ لسی اور پانی لایا تھا، امر کلہ نے ایک گلاس لسی کا لیا اور ایک پانی کا، بڑی پیاس تھی، فرید پانی اور لسی کے برتن لے کر جانے لگا تھا۔

"سر!" اس کا ذہن جنگل کے پرندوں کی چہچہاتی آوازوں میں کھو گیا تھا۔

"بولو...... کچھ مشکل نہ پوچھنا۔"

"آپ نے کبھی بقاء اور فناء کے فلسفے پر سوچا ہے۔"

"امر کلہ پہلے ایک فکر کو مکمل ہو جانے دو۔" وہ اسے اپنی بات پر واپس لانا چاہتے تھے۔

"اس نے میرا رستہ روکا ہے، وہ کنکر بن گیا ہے پتھر بنتا جا رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ پہاڑ بن جائے، وہ رستے سے ہٹ گیا ہے سر۔"

"علی گوہر کی بات کر رہی ہو نا، کاش وہ میرا سگا بیٹا ہوتا، انسان بھی کتنی معصومانہ خواہش کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ وہ صرف خواہش پالنے کے لئے پیدا ہوا ہے، جبکہ نفس خواہش پیدا کرتا ہے، مجھے حیرت ہے عقل کیوں پالتی ہے اسے۔"

"عقل نہیں پالتی، امر کلہ عقل کچھ اور چیزوں کو پالتی ہے، عقل کسی اور چیز کی تلاش میں ہے اور ہم اسے اپنے پیچھے پیچھے بھگاتے جا رہے ہیں۔"

"مگر تم اپنی بات پر واپس آؤ۔"

"آپ کے پاس میری بات کا جواب نہیں ہے۔" اس نے بغیر مسکرائے کہا تھا، وہ دنگ رہ گئے۔

"آپ بتائیں، آپ نے کبھی مردوں کو بولتے ہوئے سنا ہے؟"

"تم کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" انہیں شک ہوا۔

''تم پوچھنا نہیں بتانا چاہتی ہو؟''
''میں بتاؤں گی پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں، آپ نے کبھی مردے کو بات کرتے ہوئے سنا ہے؟''
اس نے دیکھا ہے نہیں کہا تھا، انہیں امر کلہ سے اس سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی، امر کلہ نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

☆☆☆

نواز حسین تانگہ لے کر آیا تھا مزار پر، فاطمہ ساتھ تھی، کوئی منت رہتی تھی، اس نے پہلی بار اس کی خوبصورتی کو نہیں محسوس کیا بلکہ پہلے دن سے محسوس کیا تھا، وہ خوش تھی، وہ رو رہی تھی، یہ خوشی کے آنسو تھے مگر اس نے نواز کو پہلی بار شیرو کہہ کر پکارا تھا اور خود ہی سہم گئی تھی، اسے لگا تھا نواز کو برا لگے گا، وہ لنگر بانٹتے ہوئے، حاضری دیتے، تلاوت کرتے اسی ایک بات کو سوچ رہی تھی، نواز کی خاموشی اسے کھل رہی تھی، درگاہ سے نکلتے ہوئے وہ خاصی شرمندہ تھی اور مزید تب ہوئی جب اس نے پوچھا کہ۔
''تم نے کچھ مانگا؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ کیا مانگنا چاہیے تھا؟ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔
''تم میرے ساتھ خوش ہو؟'' یہ وہی سوال تھا جو نواز اس سے روز پوچھتا تھا اور اس نے پہلی بار پوچھا تھا، اس کی ناراضگی یا بے دلی دور کرنے کی ایک معصومانہ کوشش تھی، وہ اس بات پر مسکرا دیا تھا، اس کی شرمندگی کم نہ ہو سکی تھی اس لئے اس نے اپنا سوال دہرایا تھا۔
''تم میرے ساتھ خوش ہو؟''
''نہیں۔'' نواز حسین نے اسے حیران کیا تھا۔
''میں تمہارے ساتھ مطمئن ہوں۔'' فاطمہ نے اپنے دل کو تسلی دی تھی۔
''میں چاہتی ہوں تم خوش رہو۔'' اس کی بات پر نجانے کیوں نواز کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی، اسے پہلی بار کسی نے کہا تھا کہ۔
''میں چاہتی ہوں تم خوش رہو۔'' یہ کہنا آسان ہوتا ہے کہ تم خوش رہو اور اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا، سوائے شکر کے۔
مگر جب کوئی کہتا ہے کہ میں تمہاری خوشی کی خواہش رکھتی یا رکھتا ہوں تو ایک الگ بات ہوتی ہے۔
''تمہیں پتہ ہے میں نے کیا مانگا تھا؟'' اس نے گھوڑے کی لگام کھینچنے کے بعد کہا تھا، وہ متوجہ ہوئی، ایک خوش فہمی نے دل میں جنم لیا تھا، اس کا دل بدل رہا تھا، ان دونوں کا۔

☆☆☆

امر کلہ نے اپنا آخری سوال دہرایا تھا۔
انہیں پتہ تھا اس کے بعد اس نے ان سے کچھ نہیں پوچھنا، اسے پتہ تھا کہ الفت مجاز اور الفت حقیقی کی فکر میں وہ خود بھی الجھے تھے۔

ہر کوئی الجھتا ہے، ہر کوئی مگر رستے تک نہیں پہنچ پاتا، کچھ بغیر گتھیاں سلجھائے چیپٹر کلوز کر دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ چیپٹر کلوز ہو گیا، مگر چیپٹر کبھی کلوز نہیں ہو سکتا، یہ ان کی بھول ہوتی ہے، زندگی کے کئی معاملے آپ لٹکا سکتے ہیں، لٹکا کر چھوڑ سکتے ہیں، چھوڑ کر بھول سکتے ہیں۔

مگر کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مسئلے نہیں ہوتے، وہ بہت اہم معاملے ہوتے ہیں، ان کو لٹکا کر چھوڑا نہیں جاتا، چھوڑ کر بھولا نہیں جاتا اور بھول کر کلوز نہیں کر دیا جاتا، کچھ چیپٹر روز اول سے کھلے ہوتے ہیں، آپ کے بس نہیں چلتے ان پر۔

''امر کلہ، کہتے ہیں کہ ساٹھ سال کے بعد ہر انسان اپنے پیدا ہونے کا مقصد جان لیتا ہے۔''

''آپ بھی جان گئے ہوں گے سر، مگر مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے، میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔''

''ہاں امر کلہ میں نے مردوں کو بولتے ہوئے سنا ہے، میں نے آوازیں سنی ہیں قبروں کی، وہ وہی ذکر کر رہے تھے، جو ذکر میں کرتا ہوں، اس کا یہ مطلب ہے کہ مردے نہیں بولتے، روحیں بولتی ہیں اور روحیں کبھی نہیں مرتیں، جسم مر جاتے ہیں اور روحوں کو کون نہیں مرنے دیتا؟'' امر کلہ کو ان سے اسی سوال کی توقع تھی۔

''کچھ سوالات آپ کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتے، ساتھ ساتھ چلتے ہیں، آپ ان سے نظر نہیں چرا سکتے، چرا کے بھول نہیں سکتے، بھول کر نکال نہیں سکتے، چاہے آپ کی روح ہی نکل جائے۔''

''میں نے سجدہ کیا تھا، مجھ سے سجدہ کروایا گیا تھا۔'' وہ رو دی۔

''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ مذہب بدلے بغیر سجدہ کیوں کیا، وضو کیا نہیں کیا، کلمہ پڑھا نہیں پڑھا، کیونکہ یہاں ایسے بہت سارے لوگ ہیں جو وضو بھی کرتے ہیں اور کلمہ بھی پڑھتے ہیں، مگر سجدہ نہیں کرتے، اگر کرتے ہیں جھکتے ہیں، مگر دل نہیں جھکتے دل کافر منکر نہ سہی پر دل فرماں بردار نہیں ہوتے۔''

''اگر دل سجدہ کرے تو سمجھو سجدہ ہو گیا، میں اپنا سوال کیا واپس لے لوں، آپ دوبارہ یہ سوال کریں۔''

''روحوں کو زندہ کون رکھتا ہے؟ قبر میں جسم کو محفوظ کون رکھتا ہے؟ کون کہتا ہے کہ سب کی ہڈیاں گل جاتی ہیں، کون کہتا ہے کہ سلسلے رک جاتے ہیں، میں نے مردوں کی آواز سنی ہے اور میں نے کل رات مردے کو دیکھا ہے۔'' امر کلہ کی آواز گیلی تھی۔

''تم نے بہت کچھ دیکھ لیا امر کلہ اور شاید بہت کچھ رہتا ہو، میں اپنا سوال دہرا دوں؟۔''

''عشق مجازی عشق حقیقی کا رستہ کیوں روکتا ہے؟''

آخری قسط، انشاء اللہ آئندہ ماہ

ردائے خواب
سحرش رانی
DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"امی ایک بات سن لیں آپ میری......
آپ کچھ بھی کہہ لیں، شادی تو میں مدیحہ سے ہی کروں گا۔" وہ پھٹ سرخ آنکھیں لئے ماں کے سامنے جم کر کھڑا تھا۔

"ارے ہے ہی کیا، اس لڑکی میں سوائے اچھی صورت کے، دو گز لمبی زبان ہے اس کی، قینچی کی طرح تیز چلتی ہے، اس گھر میں بہو بن کر آئی تو مجھے دارالامان میں جگہ ڈھونڈنی پڑے گی، میں تو بیٹے سے بھی جاؤں گی۔" اماں کا وہی روز کا رونا، بیٹا جو ایک ہی تھا، چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی۔

"اب اتنی بھی بری نہیں ہے وہ، آپ کو تو بلاوجہ ہی چڑ ہے اس بیچاری سے۔" اس نے مدیحہ کی سائیڈ لی تو امی جتھے سے اکھڑ گئیں۔

"ارے دیکھو تو سہی، ابھی سے اس کے لئے ماں سے لڑتا ہے، زن مرید بن کر تو ماں کو کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔" امی چادر منہ پر رکھے رو دینے کو تھیں۔

"اپنی چاچی کو دیکھا ہے، کتنی تیز عورت ہے وہ، مدیحہ بھی تو اسی کی بیٹی ہے ناں، ماں سے دو قدم آگے ہی ہے، مجھے تو پہلے ہی شک تھا جبھی تو بھاگ بھاگ کر اس گھر میں گھستا تھا نا، تیری حرافہ چاچی نے تجھ پر تعویذ کروائے ہوئے ہیں، اسی عورت کی زبان بولتا ہے تو۔" امی غم و غصے میں نڈھال ہو رہی تھیں۔

"امی! یہ جڑے ہوئے ہاتھ دیکھو میرے، آپ کی تو ہر بات تعویذ سے شروع ہو کر کالے جادو پر ختم ہوتی ہے، خیر آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، ابا آجائیں تو ان سے میں خود بات کر لوں گا۔" وہ کہتا گیٹ پار کر گیا تھا۔

"ہاں اب باپ بیٹا مل کر میرے خلاف اکٹھے ہو جاؤ، تمہارے ابا تو ویسے ہی تیار بیٹھے ہوتے ہیں اس حرافہ کے لئے مجھ سے لڑنے کو۔"

امی گڑھے مردے اکھاڑنا شروع ہوئیں تو پھر بس بولتی ہی چلی گئیں۔

☆☆☆

"بات کی گھر والوں سے؟" مدیحہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"ہاں امی کو کھری کھری سنا کر تو آیا ہوں، صاف کہہ دیا کہ شادی کروں گا تو مدیحہ سے مگر نہ جی، مجال ہے جو امی مان جائیں، اب شام میں ابا گھر آئیں گے تو ان سے بات کروں گا، وہ تو مان ہی جائیں گے۔" اس نے چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک تو پتا نہیں تائی کو مجھ سے مسئلہ کیا ہے، وہ تو ابھی سے میرے پیچھے پڑی ہیں، شادی کے بعد تو میرا جینا حرام کر دیں گی۔" اسے فکر لاحق ہو گئی۔

"تو فکر نہ کر، امی کو سمجھا دوں گا میں۔" اس نے مدیحہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"سمجھائے گا تو تب نا، جب وہ شادی کے لئے مانیں گی، مجھے تو لگتا ہے کہ تائی کہیں کوئی ایسا عمل نہ کروا دیں کہ ہماری شادی ہی نہ ہو، کوئی جادو وادو۔" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"وہ پتھر بتا دو جس سے میں اپنا سر پھوڑ لوں، تعویذ گنڈے، جادو، عمل، بس کر دو یار، نکل آؤ ان چیزوں سے اب۔" اس نے عاجز آ کر کہا۔

"ٹھیک ہے جب تیری اماں نے کچھ کر دیا نا تب بیٹھے ہاتھ ملتے رہنا۔" وہ غصے سے کہتی اندر چلی گئی تھی۔

"اچھا اب بات تو سنو۔" وہ اس کے پیچھے اندر آیا تھا۔

"اُدھر امی ناراض، اِدھر تم ناراض۔"

"ہاں تو جا کر مناؤ نا اپنی امی کو، جنت مل جائے گی تمہیں، مجھے منا کر کیا مل جائے گا

تمہیں۔'' اس نے خفگی سے کہا تو شاہد نے اسے کلائی سے پکڑ لیا۔

''تم تو میری کل کائنات ہو مدیحہ، تمہارے بغیر تو میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' اس نے اتنے نرم لہجے میں کہا تھا کہ بے اختیار مدیحہ کے چہرے پر خوشی کی لہر سرایت کر گئی تھی اور وہ ہاتھ چھڑوا کر رخ پلٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''لیکن تیری امی اور تیری بہنیں، انہیں تو میں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔'' اس نے خفگی سے منہ بنایا۔

''تجھے شادی مجھ سے کرنی ہے یا میری امی اور بہنوں سے؟'' وہ اس کے مد مقابل آ کھڑا ہوا۔

''شادی تو تجھ سے کرنی ہے مگر رہنا تو تیری ماں بہنوں کے ساتھ ہی نا، تو کون سا مجھے الگ گھر میں رکھے گا۔'' اس نے ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... اب بس...... بندہ ذرا اچھی باتیں بھی کر لیتا ہے، اتنی پیاری شکل اور اتنی کڑوی باتیں۔'' چہرے پر اتار چڑھاؤ واضح تھا۔

☆☆☆

''اکلوتا بیٹا ہے میرا شاہد، اور اس گھنی میسنی عورت کی بیٹی بیاہ کر لے آؤں، اب تک تو ویسے بھی وہ ہمارے ہی ٹکڑوں پر پل رہی ہیں دونوں ماں بیٹی، جب سے تمہارے بھائی کی موت ہوئی ہے، آفتیں ہمارے گلے پڑی ہیں، بھلا بتاؤ اب جہیز میں کیا لائے گی وہ، ارے دنیا والوں کو کیا دکھائیں گے کہ بہو جہیز میں کیا لائی۔'' امی نے تو خوب رونا پیٹنا ڈالا ہوا تھا۔

''عصمت! آہستہ بولو، ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، ہمیں جہیز کی کیا ضرورت۔'' وہ دوکان کا حساب کھولے بیٹھے تھے۔

''ارے دنیا والوں کو کیا منہ دکھائیں گے، پہلے کیا کم کر رہیں ہیں ان ماں بیٹی کے لئے، سارا خرچ تو ہم ہی اٹھا رہے ہیں نا، اتنا پیسہ لٹا رہے ہیں اب کیا بیٹا بھی وار دیں۔'' امی کے تو سر پر لگی اور پیروں پر بجھی۔

''ویسے بھی مدیحہ کی شادی کہیں بھی ہوئی، کرنی تو ہمیں ہی ہے نا، باہر کہیں کی تو جہیز بھی تو پھر ہمیں بنانا پڑے گا، اگر اپنے شاہد کے لئے کر لیں گے تو جہیز کے پیسے تو بچ جائیں گے نا۔'' ابا نے بات ہی ایسی کی تھی کہ دل دو لمحات کے لئے چپ ہوا تھا مگر۔

''ارے ہم کیوں دیں گے جہیز، مدیحہ کے ماموں دیں نا۔'' امی تو میدان میں اتر آئیں تھیں۔

''ہونہہ، اتنے اچھے اس کے ماموں ممانیاں ہوتیں تو کیا بیوہ بہن اور یتیم بھانجی کو گھر نہ لے جاتے، کیسے قیوم کے مرنے کے بعد سارے رابطے ختم کر دیے، اب وہ دیں گے جہیز۔'' ابا نے منہ بنایا۔

''نہ تو ہمیں کس بات کی چٹی ہم کیوں دیں گے جہیز۔'' امی پھٹ پڑیں۔

''ہاں تو نہیں دیں گے نا جہیز، بہو بنا کر گھر لے آئیں گے تو جہیز کی کیا ضرورت۔'' ابا نے ایک اور رجسٹر کھولا۔

''ارے میں تو اس طرار لڑکی کو دس منٹ گھر میں برداشت نہیں کر سکتی تو ساری عمر کیسے کروں گی؟'' امی کو فکر سے غش پڑ رہے تھے۔

''ویسے شاہد نے شادی تو مدیحہ سے ہی کرنی ہے اس لئے اچھا ہے کہ تم رولا نہ ہی ڈالو اور میں کل ہی بھابھی سے بات کر لوں گا، سادگی سے شادی کر دیں گے۔'' ابا ہنوز اپنے کام پر توجہ مبذول کیے ہوئے تھے، ادھر امی سر پکڑ کر بیٹھی

تھیں۔

☆☆☆

ناپسندیدہ بہو، وہ بھی بغیر جہیز کے، امی کا تو کلیجہ منہ کو آرہا تھا، امی تو مہمانوں سے نظریں ہی نہیں ملا پا رہی تھیں، مدیحہ دلہن بنے چاند کا ٹکڑا لگ رہی تھی، چاند سی بہو پا کر امی کو تو دن میں تارے نظر آرہے تھے، امی سمیت شاہد کی چھ عدد بہنیں بھی اس شادی کے حق میں نہیں تھیں، لیکن دوسری طرف ابا کا اکلوتا ووٹ ہی سب پر بھاری تھا، سو کسی عورت کو ایک نہ سنی گئی اور مدیحہ نے بہو بن کر اس گھر کی دہلیز پار کر لی تھی۔

شاہد اور مدیحہ کی تو دلی مرادیں بھر آئیں تھیں، مگر پہلے دن سے ہی امی اور مدیحہ کے درمیان نوک جھونک شروع ہو گئی تھی، امی اسے کسی کام کا کہتیں تو وہ جم کر بیٹھی رہتی کہ میں تو نئی نویلی دلہن ہوں، اپنی چھ عدد بیٹیوں کو کہیں کہ وہ کام کریں اور سال تک وہ نئی نویلی دلہن ہی رہی تھی اور ایک سال میں ہی شاہد ماں اور بیوی کے درمیان تنازعات سے تنگ آ چکا تھا، لیکن وہ کرتا کیا نہ کرتا مدیحہ تھی بھی تو اس کی محبت اور محبت کیا تھی کہ بندہ پہلے خود جان بوجھ کر دروازے میں انگلی دے، پھر چیخیں مارے، انگلی تو وہ دے بیٹھا تھا اب چیخیں مار رہا تھا۔

امی صبر کر بھی جائیں مگر مدیحہ امی سے بھی دو قدم آگے تھی، وہ ہر بات پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔

''بس بہت ہو گیا شاہد، یا تو مجھے الگ گھر لے کر دے یا اپنی امی کو سمجھا دے کہ مجھ سے نہ الجھا کریں، کیسے جاہلوں کی طرح بات بات پر لڑنا شروع کر دیتی ہیں۔''

''مدیحہ!'' وہ چیخا تھا۔

''تمیز سے بات کر، تو میری امی کو جاہل کہہ رہی ہے، ذرا تو عزت کیا کر، ساس نہ سہی تائی ہی مان لیا کر۔'' ماں کی بے عزتی پر خون کھول اٹھا تھا، وہ الگ بات ہے کہ وہ خود کئی بار کہہ چکا تھا کہ اس گھر میں جہالت ہے اور گھر والے جاہل۔

''میں کیوں تمیز سے بات کروں، انہوں نے بھی تمیز سے بات کی ہے، ہر بات کے ساتھ تو ڈیڑھ کلو کی تازی گالی منہ پر مارتی ہیں۔'' وہ بھی پورے جوش میں تھی۔

''کچھ بھی ہے، ماں ہیں وہ میری اور تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم عزت کرو ان کی۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''ہاں تو تمہاری ماں ہیں، خود تو تم عزت کرتے نہیں اور مجھے کہہ رہے ہو کہ میں عزت کروں، اپنے گریبان میں جھانکو شاہد میاں، تم نے کبھی دھیمے لہجے میں بات کی ہے اپنی ماں سے جو میں کروں، ہر وقت تو خود چیختا چلاتا رہتا ہے، برتن پٹختا ہے خود جو منہ میں آتا ہے ماں کو کہہ دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں عزت کیوں، جب بیٹے ماں باپ کی عزت نہیں کرتے تاں تو انہیں بہوؤں سے بھی امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ عزت کریں گی، پہلے خود تمیز سیکھو پھر مجھے سکھانا۔'' وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی تھی اور وہ شل وجود لئے کھڑا تھا، گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہی نہیں تھی سب کچھ تو عین سامنے تھا، زندگی میں پہلی بار مدیحہ نے کوئی کام کی بات کی تھی، وہ کس بنیاد پر اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی ساس کی عزت کیا کرے، جبکہ وہ خود ہمیشہ مدیحہ کے سامنے اپنی ماں سے لڑتا جھگڑتا تھا مگر وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ سب اس کے والدین کی عزت کریں، مگر خود...... اسے علم ہی نہیں ہوا کہ شرمندگی کے آنسوؤں نے اس کا چہرہ بھگو دیا تھا۔

☆☆☆

الحدیث

"زکوٰۃ سے مال کی حفاظت"

ارشاد نبویؐ ہے کہ "اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے حضور میں عاجزی اور گریہ زاری سے استقبال کرو۔"

"جنگل ہو یا۔ سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔"

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تب آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔"

انہوں نے عرض کیا نہیں۔

"پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو پھر اس کی زکوٰۃ دیا کرو۔" (بحوالہ ترمذی شریف)

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والے، رعب جمانے والے، دھمکیاں دینے والے، یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں، ہر فعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے۔

اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو، نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین ہی رہتے ہیں۔

فرحین ملک، دھوریہ

فرمان رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"قابل رشک دو ہی آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز اس کے حکم کے مطابق اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔"

فرح طاہر، ملتان

زندگی گزارنے کے بہترین طریقے

۱۔ اس طرح زندگی گزارو کہ جب تک تم زندہ رہو لوگ تم سے ملنے کے لئے بے قرار رہیں اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ تو تمہاری یاد میں آنسو بہائیں۔

۲۔ ان پھولوں کی طرح زندگی گزارو جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتے ہیں جو انہیں مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

۳۔ پھولوں کی طرح اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دو، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مزاروں پر بھی سجتے ہیں اور سہرے کی لڑیوں میں بھی مسکراتے ہیں۔

نزمین بٹ، گوجرانوالہ

(حدیث مبارکہ)

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

جب تم کسی کو دوست بناتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان بنا لو، تاکہ تم اس کی برائیوں کو دفن کر سکو۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ دنیا میں سب سے غریب وہ ہے، جس کا کوئی دوست نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق وہی پورے کر سکتا ہے جو بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔

۴۔ مسائل کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

کنول فریاد حسین، جلالپور جٹاں

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

''سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کریں اور اس بات سے کہ ان پر بیٹھیں اور اس سے کہ ان پر گنبد (یا عمارت) بنائیں۔

سعدیہ عمر، سیالکوٹ

ذرا سوچیئے

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کر دے۔

☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

☆ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور معاف کر دینا ملکوتی عمل ہے۔

☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔

☆ میرے خیال میں موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔

☆ ہر چیز کو اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ یا آخری بار دیکھ رہے ہو پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔

☆ دل پر مصیبتیں مت ڈالو کیوں، دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

رملہٰ نذیر ملک، دستوریہ

حدیث مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی شخص زبان سے بات کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس سے کچھ نقصان بھی ہو گا، حالانکہ وہ اس کے سبب ستر سال تک نیچے آگ میں گرتا رہتا ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی میں کئی حکمتیں ہیں لیکن خاموشی اختیار کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

فرح راؤ، کینٹ لاہور

علامات محبت

حضرت سیدنا ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

''میں نے ساحل پر ایک نوجوان کو دیکھا، اس کا رنگ اڑا ہوا تھا جبکہ چہرے پر مقبولیت کے انوار اور قرب و محبت کے آثار دکھائی دے رہے تھے، میں نے اسے سلام کیا تو اس نے احسن انداز میں جواب دیا۔''

میں نے پوچھا کہ۔

''محبت کی علامت کیا ہے؟''

جواب دیا۔

''دربدر کی ٹھوکریں کھانا، لوگوں میں رسوا ہونا نیند نہ کرنا اور دربارگاہ الٰہی سے دوری کا خوف رکھنا۔''

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

محبت

خدا کی ہے یہی پہچان شاید
کہ کوئی اس جیسا نہیں ہے
تقاضا ہے محبت کا کہے جا!
کوئی اس کے سوا کچھ نہیں ہے

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

سچے موتی

- تم اللہ کے ذکر میں دل لگالو سکون اطمینان تم میں لگالیں گے۔
- کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بادلوں کی طرح گرجتے ہیں اور سمندروں کی طرح بولتے ہیں مگر ان کی سوچ گندے جوہڑوں تک محدود ہوتی ہے۔
- گم شدہ چیزیں بالعموم وہیں ملیں گی جس جگہ سے گم ہوئی تھیں، سوائے محبت کے۔
- آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔
- کسی بھی مقام کے اونچے شجر پر ہم خوش کلامی کی سیڑھی کے ذریعے چڑھ سکتے ہیں مگر بد کلامی کی معمولی سی لغزش سے ہم دھڑام سے نیچے بھی گر جاتے ہیں۔
- اگر تم چاہو تو خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔

افشاں زینب، شیخوپورہ

گر جو چاہو تو سنو

☆ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر کبھی اعتماد نہ کرو۔

☆ انسان کو اس کے اوصاف عظیم بناتے ہیں کیونکہ کوا بلند مینار پر بیٹھنے سے عقاب نہیں ہو جاتا۔

☆ قانون غریب کو پیٹتا ہے اور امیر قانون کو پیٹتے ہیں۔

☆ دوست کی ناکامی پر غمگین ہونا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا۔

☆ اگر تم ہنستے ہو تو تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی لیکن اگر روتے ہو تو اکیلے روؤ گے۔

☆ نمک میں کوئی ضرور پراسرار تقدس موجود ہے کہ یہ ہمارے آنسوؤں اور سمندر میں بھی موجود ہے۔

☆ جو چیز پیچھے ہٹ جاتی ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

☆ محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب اللہ کے ہاتھ میں ہمیں اسی سے کام لینا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

☆ اکثر جو مصائب امیروں کو درپیش ہوتے ہیں غریب ان سے محفوظ رہتے ہیں۔

علینہ طارق، لاہور

انداز ہمدردی

بس میں بہت زیادہ رش تھا ایک بزرگ سیٹ نہ ہونے کے باعث ڈنڈا پکڑے کھڑے تھے قریب ہی اک سیٹ پر ایک نوجوان کھڑکی پہ سر ٹکائے سو رہا تھا کنڈیکٹر نے اس خیال سے اسے جگانے کی کوشش کی کہ کہیں اس کا اسٹاپ نہ نکل جائے نوجوان آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

''میں سو نہیں رہا ہوں، تم اپنا کام کرو۔''

''سو نہیں رہے ہو تو پھر اس طرح آنکھیں بند کیے کیوں بیٹھے ہو۔'' کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

''میں بزرگوں کو کھڑے ہو کر سفر کرتے نہیں دیکھ سکتا۔''

تسنیم طاہر

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

میں سوچتی ہوں محبت عجب دھوکا ہے
جو مل نہ سکے بھی اس کی آس رہتی ہے
جسے پا نہ سکیں کبھی اس کا دھیان رہتا ہے
جو بجھ سکے نہ کبھی ایسی پیاس رہتی ہے

....

لوگوں نے ہنر اپنا دکھایا بھی بہت ہے
جا جا کے اس میں نے منایا بھی بہت ہے
سچ پوچھو تو پیارا بھی بہت لگتا ہے دل کو
وہ شخص کہ دل جس نے دکھایا بھی بہت ہے

....

میرے ہونٹوں پہ مہکتے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کتنی طرح کے غم پلتے ہیں
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے ہیں

رملہ نذیر ملک ---- دھوریہ

صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دکھ کی دھوپ کے آگے سکھ کا سایہ ہے
جھوٹ تو قاتل ٹھہرا اس کا کیا رونا
سچ نے بھی انسانوں کا خون بہایا ہے

....

خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پہ
ہم جو ہنس ہنس کر سب سے ملتے ہیں
خود سے مل کر بہت اداس ہوتے ہیں

....

جب کانچ کی کنواری عمروں کو مٹی میں رل جانا ہے
تو کیوں رضا یہ عمر بھر کے میلے اچھے لگتے ہیں

فرح طاہر ---- ملتان

اگر ہو سکے تو کر خود میں کشش پیدا
ہر کسی کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لئے پرکھا نہیں کرتے

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں درو دیوار کی ساری تحریریں مٹی
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

سیاس گل ---- رحیم یار خان

کیا وقت آ پڑا ہے یہ ہم سے نہ پوچھیے
ہم لوگ کب رسول و خدا کے غلام ہیں
کچھ اس طرح بڑھی ہیں یہاں خود پرستیاں
ہم لوگ صرف اپنی انا کے غلام ہیں

عامرہ اینڈ عائشہ ---- حویلی بہادر شاہ

اور بات کہ لب چشم پوش ہو جائے
کچھ تو غم اسے بھی ہمارے حال کا تھا

....

محبتوں میں بھی قائل تھی لب نہ کھولنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر سوال کا تھا

کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

حدوں کی ضد سے تو کر آزاد مجھے
دل میں بسایا ہے تو آنکھوں میں اتار مجھے
میرے جذبوں میں ہے پاکیزگی
تو جس رشتے سے چاہے پکار مجھے

فرحین ملک ---- دھوریہ

ظفر اس بھیڑ میں گم ہی نہ ہو جاؤں کہیں میں
جدھر سارے کے سارے ہیں ادھر ہونے سے ڈر لگتا ہے

....

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے
آسمان سبزگوں پہ اک تارا، اک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو، یہ خوشنما منظر تو ہے

....

راز ہستی کچھ نہیں اکثر یہ دیکھا گیا ہے
بے خبر ہنستے رہے، با خبر روتے رہے
عمارہ ---- ملتان

ٹوٹ جائیں نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائش میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگی چاہتیں میری
ڈاکٹر زاہد جاوید ---- وہاڑی

کبھی فرصتیں جو نصیب ہوں
چلے آنا مرے پاس تم
ہیں ادھورے کتنے معاملے
میری ذات سے تیری ذات تک
فراح راؤ ---- کینٹ لاہور

آئینہ گر تجھے معلوم نہیں ہے شاید
لوگ محروم خدوخال ہوئے جاتے ہیں

....

توڑ دیتا ہے بدن لذت اشیاء کا خمار
لوگ مر جاتے ہیں بازار سے گھر آتے ہوئے

....

پہلے شکوہ تھا، یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں
نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

ہم لوگ تو خوشبو کی طرح ہیں ترے اطراف
ہم سادہ دلوں سے تو سیاست نہیں کرنا
میں خود کو میسر نہیں آیا ہوں ابھی تک
تم سے بھی نہ مل پاؤں تو حیرت نہیں کرنا

....

چلیے وہ شخص ہمارا تو کبھی تھا ہی نہیں
دکھ تو یہ ہے کہ تمہارا بھی نہیں ہو سکتا
دنیا اچھی بھی نہیں لگتی ہم جیسا کو سلیم
اور دنیا سے کنارا بھی نہیں ہو سکتا
شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ سوار کرتے

....

یہ میری نظر کی بلندیاں تجھے کس مقام تک لے گئیں
وہ تمہارے قدموں کی دھول تھی مجھے کہکشاں کا گماں ہو
دنیا میں اس کا کوئی خریدار نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا میرا نصیب

....

لذت گناہ میں جس نے جنت بھی ہار دی
میرے وجود میں اسی آدم کا خون ہے
افشاں زینب ---- شیخوپورہ

ایک نیا راستہ نکالا ہے
ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے
ہم ہواؤں سے خواب پکڑیں گے
ہم نے نظروں سے جال ڈالا ہے

....

آنکھوں کا رنگ بات کا لہجہ بدل گیا
وہ شخص ایک شام میں بدل گیا
شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ
منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

....

امجد ہماری بات وہ سنتا تو ایک بار
آنکھوں سے اس کو چومتے تعزیر جو بھی تھی
علینہ طارق ---- لاہور

میرا دامن تو صاف تھا لیکن
شہر سارا خلاف تھا لیکن
ایک پری کی مجھے بھی چاہ رہی

کبھی تو روئے گا وہ بھی کسی کی بانہوں میں
کبھی تو اس کی ہنسی کو زوال ہونا ہے
ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہونا ہے

....

ٹوٹا تو ہوں مگر ابھی بکھرا نہیں فراز
میرے بدن پہ جیسے شکستوں کا جال ہے

عاصمہ سلیم ---- ملتان

خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

....

وہ کچھ سنتا تو میں کہتا، مجھے کچھ اور کہنا تھا
وہ پل بھر کو جو رک جاتا، مجھے کچھ اور کہنا تھا
غلط فہمی نے باتوں کو بڑھا ڈالا یونہی ورنہ
کہا تھا کچھ وہ سمجھا کچھ مجھے کچھ اور کہنا تھا

....

شیشہ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اور ہی تھا
خلق کی بھیجی ہوئی ساری علامت اک سمت
اس کے لہجے میں چھپا تیر و تفنگ اور ہی تھا

نبیہ طارق ---- کراچی

زیست کرنے کے سب انداز سے ازبر تھے
مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید
خاک اڑاتے ہوئے بازاروں میں دیکھا سب نے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید

....

کئی کتابیں تھیں دیمک نے جن کو چاٹ لیا
بہت سے لفظ تھے ایسے کہ جو پڑھے نہ گئے

....

غم بیاں کرنے کو کوئی اور ڈھنگ ایجاد کر
تیری آنکھوں کا یہ پانی تو پرانا ہو گیا

نازیہ عمر ---- پشاور

آپ کتنے اچھے ہیں آپ کتنے پیارے ہیں
آپ کو بتاؤں کیا آپ ہی کے بارے میں
خواب، شعر اور نغمہ کون خوبصورت ہے
دلکشی بتائے کیا دلکشی کے بارے میں

....

بے اعتبار وقت پہ جھنجلا کے رو پڑے
کھو کے کبھی اسے تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر بھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

....

جہاں بھی ملتا ہے وجہ ملال پوچھتا ہے
جو حل طلب ہیں ابھی وہ سوال پوچھتا ہے
عجیب دشمن جاں ہے کہ وار سے پہلے
وہ مجھ سے میرے بچاؤ کی چال پوچھتا ہے

معکنون شاہ ---- لاہور

بدلا یوں رنگ آپ نے حیرت زدہ ہوں میں
گرگٹ کو مات دے گئی فطرت جناب کی
ہر ایک کے لئے نہ کھلا رکھ اسے قتیل
یہ دل ہے ایک گھر اسے بازار مت بنا

....

عجیب رنگوں میں گزری ہے زندگی اپنی
دلوں پہ راج کیا پھر بھی پیار کو ترسے

....

میں اس کو جانتا ہوں وہ جس کا نصیب ہے
کیسے اسے بتاؤں مجھے کیا نہیں ملا
وہ بھی بہت اکیلا ہے شاید میری طرح
اس کو بھی کوئی چاہنے والا نہیں ملا

شازیہ ثمن ---- جھنگ

وہ کھیل کھیل میں ہوتا گیا بہت محتاط
ہنسی ہنسی میں ہم اپنے حواس کھو بیٹھے
سمندروں کے سفر میں تمہیں یہ کیا سوجھی
ہمارے جیسا ستارہ شناس کھو بیٹھے

☆☆☆

ملتان

سعدیہ جبار

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟

ج: تم کیا کر رہی ہو۔

س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟

ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔

س: اب بتا بھی دیں؟

ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔

س: آپ عید الاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔

س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔

ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔

س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟

ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟

ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔

س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟

ج: پی جی ایام کی تپتی کو فس کے ناصر۔

س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟

ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔

س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟

ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

جہلم

فرح عامر

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔

ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔

س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

رضوان علی

رحیم یار خان

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟

ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور "گرل" کا بھائی آ جائے۔

س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟

ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔

س: سکون کی تلاش؟

ج: اپنے اندر تلاش کرو۔

س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟

ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

فائزہ قاسم ----- سکھر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: تمیں سی لائی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تا کہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہو سکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

فریال امین ----- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

نعیم امین ----- کراچی

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا جی کیا کہتا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نازیہ کمال ----- حیدرآباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹ گئی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

خودکشی اور محرومی

ایک صاحب رنگین ٹی وی اور ڈی وی ڈی اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتے نہر کی طرف جارہے تھے راستے میں ایک دوست نے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے، کدھر جارہے ہو؟''

''خودکشی کرنے جارہا ہوں۔'' ان صاحب نے جواب دیا۔

''مگر ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟''

دوست نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ صاحب غصے سے چلائے۔

''ان ہی چیزوں کے ساتھ ڈوبوں گا، میری بیوی مجھ پر نہ سہی ان چیزوں پر تو محرومی کا ماتم کرے گی ناں۔''

یقین

وکیل، چور سے۔

''اب جبکہ میں نے تمہیں بری کروادیا ہے تو یہ تو بتاتے جاؤ، کہ تم نے چوری کی بھی تھی یا نہیں؟''

چور۔

''عدالت میں آپ کی بحث سن کر مجھے یقین سا ہورہا ہے کہ میں نے چوری نہیں کی۔''

فرحین ملک، دستوریہ

''قطعہ''

کیا عجب شخص تھا محفل میں وہ آنے والا
وہ بھری بزم کو یوں لوٹ کے جانے والا
جانتے ہو میاں تہذیب اسے تم کہ نہیں
تھا یہی شخص میرے شعر چرانے والا

سباس گل، رحیم یار خان

مرغی کی دعا

ایک مرغی نے تین انڈے دیئے اور دعا مانگی کے بچے نیک نکلے چند دنوں بعد ایک بچہ نکلا جو نماز پڑھ رہا ہے پھر دوسرے دن دوسرا بچہ نکلا جو تسبیح پڑھ رہا تھا، تیسرے دن بچہ ہی نہ نکلا، دو دن اور گزر گئے آخر کار مرغی پریشان ہوگئی اور اللہ سے دعا مانگنے لگی، تب ہی انڈے سے آواز آئی امی جان! پریشان مت ہوں میں اعتکاف پر بیٹھا ہوا ہوں۔

زرمین بٹ، گوجرانوالہ

ٹی وی

ایک آدمی گھر پہنچا تو دیکھا کہ ٹی وی ٹوٹا پڑا ہے اور اس کا بیٹا اس میں جھانک رہا ہے۔

باپ نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ارے تم نے یہ کیا کیا؟''

بیٹے نے جواب دیا۔

''اس میں ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو، اب میں نے ٹی وی توڑا ہے تو نجانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔''

فون

ایک آدمی فون پر دوسرے آدمی سے۔

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

دوسرا آدمی۔

''میں بول رہا ہوں۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

پہلا آدمی ادھر ہے۔
"نہیں بھی میں بول رہا ہوں۔"
رملہ نذیر ملک، وتوریہ

پرانی کاریں

"دادو ماں، دادو ماں!" چار سالہ اصغر نے بڑے تجسس سے اپنی دادی سے پوچھا۔
"جب کاریں پرانی ہو جاتی ہیں، گلنے سڑنے لگتی ہیں تو ان کو کیا کرتے ہیں؟"
"وہ کچھ بھی نہیں۔" دادی اماں نے سکون سے کہا۔
"وہ تمہارے دادا خرید لیتے ہیں۔"
فرح طاہر، ملتان

نظم

"تاکید"
سنو! زمیں زادے
فلک بوس کہساروں کے سفر پہ جاؤ
تو سفر طلب میں امان دل کھو نہ دینا
وہ خواب جو ابھی تیری پلکوں میں زندہ ہیں
انہیں ابھی تعبیر کا آئینہ مت دینا
وہ آرزوئیں جو ابھی تیرے من میں پوشیدہ ہیں
انہیں فقط احساسات کا پیرہن عطا کر دو
کہ یہ پیرہن امانت دل
اور خوبصورت جذبوں کا
سب سے بڑا امین ہے

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

وجہ

ایک ٹریولنگ سیلز مین نے ایک بڑے کاروباری ادارے کے منیجر سے کہا۔
"میں آپ کو تمام ملازمین کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کون شادی شدہ ہے اور کون کنوارا۔" اس وقت ملازم وقفے میں کھانا کھانے باہر گئے ہوئے تھے۔

جب وقفہ ختم ہوا تو سیلز مین دروازے میں کھڑا ہو گیا اور اندر داخل ہونے والے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس نے جن ملازموں کو شادی شدہ بتایا، وہ واقعی کنوارے نہیں تھے۔
منیجر نے حیران ہو کر پوچھا۔
"آپ نے یہ اندازہ کیسے کر لیا؟"
سیلز مین نے جواب دیا۔
"شادی شدہ ملازمین جب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے پائیدان پر پاؤں صاف کیے لیکن کسی بھی کنوارے نے اس سلیقے کا اہتمام نہیں کیا۔"

نرجس راؤ، کینٹ لاہور

صحیح جواب

ٹیچر نے کلاس کے لڑکوں کو کلاس روم میں ہی بیٹھ کر مضمون لکھنے کے لئے موضوع دیا۔
"اگر مجھے دس کروڑ روپے مل جائیں تو میں کیا کروں گا؟"
سب لڑکے تیزی سے مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے لیکن سلیم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا، وقت ختم ہونے پر ٹیچر نے سب سے پیپرز جمع کیے تو سلیم نے سادہ کاغذ تھما دیئے۔
"یہ کیا......؟" ٹیچر نے غصے سے کہا۔
"سب لڑکوں نے دو، دو تین تین صفحوں کے مضمون لکھے ہیں مگر تم نے کچھ بھی نہیں لکھا، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔"
"سر! دس کروڑ روپے ملنے کے بعد میں یہی کروں گا۔" سلیم نے اطمینان سے کہا۔
نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

یقین

یونیورسٹی کے ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے پوچھا۔
"جب مرد کسی لڑکی سے کہتا ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہے، تو کیا لڑکی

اس کی بات پر یقین کر لیتی ہے؟"
"ہاں...... بشرطیکہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا جھوٹا ہو۔" دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

راز

مسز کاشف کا کہنا ہے کہ "ان کی پیدائش کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔"
"کیا آپ کو معلوم ہے وہ راز۔"
"کیوں نہیں! یہ راز ان کی تاریخ پیدائش ہے۔"

"میرے خیال میں یہ کہنا مشکل ہے، ابھی آپ کے کتے کو میری گاڑی نے کچل دیا۔"
"اُف...... ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ میرے ٹرک نے آپ کی گاڑی کو ٹکر مار کر کباڑا کر دیا ہے۔"

قوت گویائی

"اللہ کی قدرت بھی عجیب ہے، ایک گدھے کو گدھے نے دولتی ماری تو وہ بولنے لگا۔"
"اچھا...... مگر قوت گویائی واپس لانے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔"
"وہ کیا؟"
"وہ یہ کہ بیوی کو میکے بھیج دیا جائے۔"

طریقہ

"بیٹے! رک جاؤ تم اتنے تیز کیوں بھاگ رہے ہو، تمہاری سانس پھولی ہوئی ہے۔"
"انکل! میں دو لڑکوں کو جھگڑا کرنے سے بچا رہا ہوں۔"
"کون ہیں وہ لڑکے؟"
"ایک میں اور دوسرا عاصم! وہ دیکھیں وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔"

افشاں زینب، شیخوپورہ

تاثیر مسیحائی کی

آپریشن ٹیبل پر مریض کو دیکھتے ہوئے سینئر سرجن نے نئے سرجن سے کہا۔
"آپ نے یہ کیا آپریشن کیا ہے؟"
نئے سرجن نے چونک کر جواب دیا۔
"کیا اس کا آپریشن کرنا تھا، میں نے تو اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے۔"

علینہ طارق، لاہور

شریفانہ طریقہ

ایک شخص نے اپنے پڑوسی سے پوچھا۔
"آج کل خالد صاحب نہیں آ رہے، وہ خیریت سے تو ہیں؟"
"آپ کو معلوم نہیں، انہیں کار چرانے کے الزام میں تین سال کی سزا ہو گئی ہے۔" پڑوسی نے بتایا۔
"کمال ہے۔" ان صاحب نے حیرت سے کہا۔
"خالد صاحب بھی بڑے بے وقوف آدمی ہیں، انہیں بھلا ایسی کیا آفت آ پڑی تھی کہ کار چرانے چل دیئے، کار حاصل کرنے کے لئے شریفانہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے؟ بھئی قسطوں پر کار لے لیتے اور قسطیں ادا نہ کرتے۔"

شمائل وہاب، کراچی

ایک سے بڑھ کر ایک

○ "محلے میں لوگوں کی بھلائی کے لئے تالاب بنانا بہت ضروری ہے، کیا آپ بھی چندہ دے کر تعاون کریں گے؟"
☆ "جی جی کیوں نہیں، میری طرف سے دو بالٹی پانی حاضر ہے۔"

☆☆☆

صائمہ محمود

عامرہ اینڈ عاشہ: کی ڈائری سے ایک غزل

جو خیال تھے نہ قیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
مری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گل آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو مری طلب، میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

فرحین ملک: کی ڈائری سے ایک نظم

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے
سر درت کا روپ دھارے
دل کے آنگن میں اترتی ہے
تو پلکوں پر ستاروں کی دھنک مسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے ان چھوئے ہیولوں سے بھی
ان دیکھی سی، ان جانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے، ان گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گنگناتی ہیں
نفس ک تار میں سناٹا یکدم چیخ اٹھتا ہے
تو یوں محسوس ہوتا ہے
ہوائیں سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہوگا؟
یہ بھی جو زخم دیتی ہے کبھی سینے نہیں دیتی
محبت روٹھ جائے تو، کبھی جینے نہیں دیتی

سباس گل: کی ڈائری سے ایک نظم

سفر میں شام سے پہلے
اگر
بے آس ہو جاؤ
کوئی جگنو، کوئی تتلی، کوئی بھی رنگ
اپنے پاس نہ پاؤ
تو
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا
اور
اپنا سفر آغاز کر لینا
تمہیں ہر موڑ پر رستہ صاف اور روشن دکھائی دے گا
دھنک کے ساتوں رنگ تمہارے گرد اک ہالہ بنائیں گے
تتلیاں اپنے پروں کا مخملی پن تمہارے ساتھ کر دیں گی
سفر کی سختیوں سے وہ تمہیں محفوظ کر دیں گی
بس
اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا

فرح طاہر: کی ڈائری سے ایک نظم

''مجبوری''
بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کہ ہم نے سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں

پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

رملہ نذیر ملک: کی ڈائری سے ایک نظم
"شیشے کا"
اعتبار شیشے کا، امتحان شیشے کا
دیکھو کھیل مت کھیلنا شیشے کا
ان دنوں جہاں ہم ہیں ہم کو ایسا لگتا ہے
یہ زمین شیشے کی، آسمان شیشے کا
ٹوٹنا تو ہے آخر، ٹوٹنے سے کیا ڈرنا
پتھروں کی بستی میں کیا دھیان شیشے کا
ہم بھی کتنے سادہ ہیں، دھوپ سے بچاؤ کو
سر پہ تان رکھا ہے سائبان شیشے کا
شہر ہے محبت کا اور حیران ہوں میں
ہر مکین شیشے کا، ہر مکان شیشے کا
جز مرے بتاؤ تو اور کون دے سکتا
فصل بوئی پتھر کی اور لگان شیشے کا

کنول فریاد حسین: کی ڈائری سے ایک نظم
کوئی سورج جاگے میری دھرتی پہ
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کر مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے شانے پر ہاتھ رکھے
آنسو پونچھ کر آنکھوں سے
رکے رکے لہجے میں کہے
یوں تنہا سفر بھی کٹتا نہیں
چلو ہم تم دونوں ساتھ چلیں

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل
میں نے پایا ہے وہی جو تھیں آشنائیں تیری
میرے آنچل سے لپٹی رہیں دعائیں تیری
گہرے پانیوں پہ جھکی آنکھیں میری سرشام
اور میری آنکھوں میں جھلکیں نگاہیں تیری
ایک ہم کو بھی راس نہ آئے تیرے موسم دنیا
ایک بے مہر بہت تھیں ہوائیں تیری!
صدیوں کی مسافت بھی رائیگاں ٹھہری
بڑھنے ہی نہ دیتی تھیں آگ صدائیں تیری
جانے والے نے وقت رخصت یہ بھی نہ پوچھا
قدم اٹھتے ہی کیوں آنکھیں بھر آئیں تیری
میں دشت کے سفر پہ کب تنہا تھی غزل
مجھ کو ہر گھڑی تھامے رہیں بانہیں تیری

زمین بٹ: کی ڈائری سے ایک غزل
وہ جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سمندر، وقت، ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس پڑے کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صباء ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ دے دم آخر
مجھے گماں ہے آئی قضاء ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

فرح راؤ: کی ڈائری سے ایک غزل
تجھے اظہار محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے مرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں گلزار نہ بھڑکا ہوتا
یوں تو مجھ سے ہوئیں صرف آب و ہوا کی باتیں
اپنے ٹوٹے ہوئے فقروں کو تو پرکھا ہوتا
یونہی بے وجہ ٹھٹکنے کی ضرورت کیا تھی
دم رخصت اگر یاد نہ آیا ہوتا
تیرا غماز بنا خود تیرا انداز خرام
دل نہ سنبھلا تھا تو قدموں کو سنبھالا ہوتا
اپنے بدلے میری تصویر نظر آ جاتی
تو نے اس وقت اگر آئینہ دیکھا ہوتا

حوصلہ تجھ کو نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا
ورنہ کاجل تیری آنکھوں میں نہ پھیلا ہوتا

نبیلہ نعمان: کی ڈائری سے ایک نظم

''کبھی کبھی''

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی

یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی
عجب نہ تھا کہ میں بے گانہ الم ہو کر
تیرے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا
ترا گداز بدن، تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا
پکارتیں مجھے جب تلخیاں زمانے کی
تیرے لبوں سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
حیات چیختی پھرتی برہنہ سر اور میں
گھنیری زلفوں کے سایہ میں چھپ کے جی لیتا

مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں تیرا غم، تیری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں
زمانے بھر کے دکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہ گزاروں سے
مہیب سائے مری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پر ہول خارزاروں سے
نہ کوئی جادۂ منزل نہ روشنی کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں میری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے

شاہینہ یوسف: کی ڈائری سے ایک غزل

ملے کیسے صدیوں کی پیاس اور پانی ذرا پھر سے کہنا
بڑی دلربا ہے یہ ساری کہانی، ذرا پھر سے کہنا
کہاں سے چلا تھا جدائی کا سایہ نہیں دیکھ پایا
کہ رستے میں تھی آنسوؤں کی روانی، ذرا پھر سے کہنا
ہوا یہ خبر سناتی رہے اور میں سنتا رہوں
بدلنے کو ہے اب یہ موسم خزانی، ذرا پھر سے کہنا
گزر جانے والا کبھی زندگی میں خوشی پھر نہ پائے
یونہی ختم کر لیں، چلو یہ کہانی، ذرا پھر سے کہنا
سبھی کے سمندر کہا تو نے جو بھی، سنا پر نہ سمجھے
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی، ذرا سے کہنا

افشاں زینب: کی ڈائری سے ایک نظم

''میں گرہ میں باندھ کے حادثات''

نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سر رزم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پہ مانگتا پھرا منتیں
کبھی رات رات دعاؤں میں بسر ہو گئی
کبھی قافلے میری آس کے کسی دشت شناس میں کھو گئے
میرا پیرہن تھا پھٹا ہوا کہیں گرد گرد اٹا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا در بدر
کسی اجنبی کے دیار میں
کوئی دکھ ملا کسی موڑ پر کوئی غم ملا کسی چوک پر
کسی راہگزر کے سکوت میں کوئی درد آ کے ڈرا گیا
کبھی چل پڑا کبھی رک گیا کسی کشمکش کے غبار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں
میں گرہ میں باندھ کر حادثات
کہیں گم ہوا تیری کھوج میں

☆☆☆

افراح طارق

چکن مشروم سوپ

اشیاء

چکن کا گوشت (پکا اور باریک کٹا ہوا)	ایک سو پچاس گرام
چکن یخنی	ڈیڑھ لیٹر
خشک براؤن مشروم	پچاس گرام
خشک کالی مشروم	پچاس گرام
اجینوموتو	چوتھائی چائے کا چمچہ
لائٹ سویا	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ	ایک چٹکی
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

مشروم کو آئل گرم کر کے دو منٹ تک فرائی کریں، پھر نکال لیں، اب یخنی ڈال دیں اور کارن فلور کے علاوہ تمام اشیاء ڈال کر پانچ منٹ تک ابلنے دیں، اب اس میں پہلے مشروم پھر کارن فلور ملائیں اور اسے دو منٹ مزید پکنے دیں پھر فوراً گرم گرم پیش کریں۔

چکن نوڈلز سوپ

اشیاء

مرغی کا گوشت (چھوٹے ٹکڑوں میں)	دو سو پچاس گرام
نوڈلز	چار سو پچاس گرام
بند گوبھی (باریک کٹی)	ایک سو پچاس گرام
مرغ یخنی	ڈیڑھ لیٹر
نمک، چینی	دونوں آدھا آدھا چائے کا چمچہ
لائٹ سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

بڑے برتن میں پانی لے کر نوڈلز ڈالیں، انہیں ہلائیں، تاکہ بنڈل کھل جائے، چولہے پر چڑھا دیں اور چار پانچ منٹ پکائیں، اب انہیں اچھی طرح نچوڑ لیں، پھر کسی چھلنی میں تھوڑا سا تیل ملا لیں، گہرے فرائی پین میں آئل گرم کر کے مرغی کا گوشت دو منٹ تک فرائی کریں۔

مرغی نکال کر اسی تیل میں بند گوبھی فرائی کر لیں، اب یخنی اور باقی اشیا ڈال کر ایک منٹ پکنے دیں تاکہ بند گوبھی نرم ہو جائے، اب گوشت شامل کر دیں اور ایک دو منٹ پکائیں، ابلی نوڈلز کو آٹھ گرم پیالوں میں برابر برابر ڈال دیں اور اوپر گرم گرم سوپ ڈالیں، چلی سوس کے ساتھ فوراً پیش کریں۔

چکن ٹماٹو ودھ پاستا

اشیاء

مرغی کا قیمہ	ایک کپ
مکرونی	ایک کپ
ٹماٹر	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
ہری مرچ	تین عدد (بڑی)
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک نان اسٹک پین میں تیل گرم کریں، مرغی کا قیمہ، ادرک پیسٹ اور تھوڑا سا نمک ڈالیں اور اچھی طرح بھون لیں، ٹماٹروں کو ابال کر ان کا چھلکا اتار لیں اور میش کر لیں، ایک الگ پین میں ان میش کیے ہوئے ٹماٹروں کو ایک منٹ تک پکائیں، اس میں مکھن، کالی مرچ پاؤڈر، چائنیز نمک، نمک اور پیاز ڈال کر دو منٹ تک پکائیں۔

ٹماٹو کیچپ اور کارن فلور بھی ڈال دیں، جب یہ مکسچر گاڑھا ہونے لگے تو اس میں مرغی کا قیمہ بھی ڈال دیں، پانچ منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر پکائیں، میکرونی کو پیکٹ پر درج ہدایت کے مطابق ابال لیں۔

ایک سرونگ ڈش میں میکرونی کی تہ بچھا دیں اور اوپر سے ٹماٹو مکسچر، ہرا دھنیا اور ہری مرچ کو لمبائی کے رخ پر کاٹ کر ڈال دیں اور پیش کریں۔

چکن جلفریزی

اشیاء

مرغی	ایک عدد
پیاز درمیانہ	دو عدد
لہسن	دو جوے
سرخ مرچ	پچیس گرام (پسی ہوئی)
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹر	چار عدد
ادرک	تھوڑا سا
تیل	سو گرام
سوکھا دھنیا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کو ہڈی سے الگ کر کے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنا لیں، ٹماٹر اور پیاز چوپ کر لیں اور لہسن باریک کاٹ لیں، سوس پین میں تیل گرم کر کے پیاز تل کر نکالیں، اسی تیل میں مرغی کی بوٹیاں تلیں اور پھر ادرک، لہسن، نمک، مرچ، دھنیا، ہلدی ملا دیں، چمچہ چلاتے جائیں اور بھون لیں۔

اب ٹماٹر ملا کر مزید بھونیں، دو تین منٹ پکائیں، آخر میں تلی ہوئی پیاز ملا دیں اور گرم مسالا چھڑک دیں، ایک سرونگ ڈش میں ڈال کر پیش کریں۔

چکن جنجر

اشیاء

مرغی کا بغیر ہڈی کے	ایک پاؤ گوشت
ٹماٹر (آٹھ آٹھ ٹکڑے کر کے)	تین عدد
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	دو کھانے کا چمچے
ہلدی، مرچ سیاہ و سرخ	آدھی چائے کا چمچہ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	تین چار
لہسن	چار جوے
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

گوشت، لہسن، ادرک اور ٹماٹر ایک پین میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں۔ (بغیر پانی کے) قدرے خشک ہو جائیں تو آدھی چائے کا چمچہ، اجینوموتو، ایک چائے کا چمچہ نمک، آدھی چائے کا چمچہ ہلدی، سیاہ مرچ، لال مرچ ڈال کر بھونیں، پانی خشک ہونے کو ہو تو آدھا کھانا پکانے کا چمچہ گھی (تیل) ڈالیں۔

جب بھننے کے بعد سالن گھی چھوڑنے لگے تو دو کھانے کے چمچے دہی بغیر پھینٹے ڈال دیں پھر کٹی ہوئی ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور ایک کھانے کا چمچہ، ٹماٹو کیچپ ڈال دیں، آدھا چائے کا چمچہ پسا ہوا گرم مسالا ڈالیں اور چولہا بند کر دیں۔

چکن اور سویٹ کارن

اشیاء

مرغی کے ٹکڑے	چار عدد
ہری پیاز	تھوڑی سی
مکئی کے دانے	ایک کپ
دودھ	ایک کپ
مکھن	تین اونس
آلو کے قتلے	آدھا پاؤ
میدہ	ایک اونس
نمک و سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

(پودینہ اور لیموں کی قاشیں سجاوٹ کے لئے)

ترکیب

مرغی کے ٹکڑوں پر دو اونس مکھن ملیں، تھوڑا نمک چھڑکیں اور ان کو گرل کر لیں یا فرائی پین میں مل لیں، ایک دوسرے پین میں بقایا مکھن گرم کر کے پیاز آلو فرائی کریں اور ساتھ مکئی کے دانے بھی ڈال دیں، میدہ چھڑک کر فرائی کریں۔

آنچ سے ہٹا کر قدرے ٹھنڈا ہونے پر دودھ ملائیں اور پکا کر قدرے گاڑھا کریں، نمک و سیاہ مرچ ملائیں، ایک ڈش میں ڈالیں، اور اوپر تلے ہوئے چکن کے ٹکڑے ڈال دیں، اوپر پودینے کے پتے اور لیموں کی قاشیں سجا دیں، یہ ڈش مزے دار اور خوشنما ہے۔

چکن ٹماٹوز

اشیاء

مرغی (بغیر ہڈی)	دو سو پچاس گرام
ٹماٹر	آدھا کلو
پانی	دو پیالی
آئل	ایک بڑا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور پانی میں ابلنے کے لئے رکھ دیں، جب دیکھیں کہ گوشت گل گیا ہے تو اتار لیں، کڑاہی میں آئل گرم کر کے ٹماٹر ڈال دیں، دو منٹ پکنے دیں، چمچہ برابر ہلاتے رہیں، پھر مرغی کا ابلا ہوا گوشت اور نمک مرچ ملا کر تھوڑی دیر پکائیں، ابلے چاولوں کے ساتھ یہ ڈش خوب مزا دے گی۔

چکن ود مشروم گارلک

اشیاء

مرغی کا گوشت	ایک پاؤ
ادرک، لہسن	دو، دو چائے کا چمچے
اجینوموتو	دو چائے کے چمچے
مرغی کی یخنی	ایک کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
مشروم	بارہ عدد
چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

چینی	آدھا چائے کا چمچہ
مرغی کے ٹکڑوں پر (اجینو موتو)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

گوشت میں تمام اجزا لگا کر رکھ دیں، پھر ایک کپ تیل گرم کر کے گوشت کو تل کر نکال لیں، فالتو تیل بھی نکال دیں، تھوڑا سا تیل رہنے دیں، اس میں ادرک، لہسن ڈال کر تلیں اور پھر گوشت کو دوبارہ ڈالیں اور ریڈ چلی سوس، سویا ساس، یخنی، نمک، چینی، اجینوموتو وغیرہ ڈال دیں۔

گرم ہونے پر مشروم کو دو یا چار حصوں میں کاٹ کر ڈالیں، کارن فلور کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر ملائیں اور مناسب گاڑھا ہونے پر گرم گرم چائنز چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

چائنز چکن چیلو

اشیاء

مرغ	آدھا کلو
بند گوبھی	ایک پیالی
گاجر	ایک پیالی
سبز مرچ	بارہ عدد
سویا ساس	دو بڑے چمچے
زیتون کا تیل	حسب ضرورت
سیاہ مرچ، نمک	حسب ذائقہ
یخنی	دو پیالی

ترکیب

گاجر اور بند گوبھی کو باریک کاٹ لیں، سبز مرچ درمیان سے چیر دیں اور پیاز کاٹ لیں، مرغ کے ٹکڑوں کو تیل میں تل لیں، گاجر اور بند گوبھی کو ابال لیں، اب مرغ کے ساتھ مرچیں، پیاز اور تمام اشیا دو پیالی پانی میں ڈال کر پکائیں، پانچ منٹ بعد دو پیالی یخنی اور کارن فلور ملا دیں، جب گوشت گل جائے تو اتار لیں، دم دے کر سرو کریں۔

چکن نوڈلز لوف

اشیاء

نوڈلز (85 گرام فی، دو منٹ میں تیار ہونے والی)	تین پیکٹ
تازہ پارسلے یا ہرا دھنیا (کترے ہوئے)	چوتھائی کپ
مٹروں کے دانے (تازہ یا فریز شدہ)	آدھا کپ
چکن کارن سوپ	ایک بڑا پیکٹ
انڈے (ہلکے سے پھینٹے ہوئے)	دو عدد
ٹماٹو پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک و سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

سب اشیا اچھی طرح مکس کریں، 14+21 سینٹی میٹر کا ایک لمبوترا ڈبل روٹی والا لے کر اسے اندر سے چکنا کر لیں، نوڈلز کو پیکٹ پر دی ہوئی ہدایات کے مطابق ابال کر سارے مکس شدہ مسالے و سبزیاں ملائیں، ڈبل روٹی کے ٹن میں ڈال کر اوپر المونیم فوائل یا ڈھکن لگا کر گرم اوون میں 180 پر اتنی دیر پکائیں کہ نوڈلز سیٹ ہو جائیں، ٹھنڈا ہونے پر سلائس کی صورت میں کاٹ لیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی محبت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور وطن عزیز کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، آپ سب کو پیشگی رمضان المبارک۔

رمضان وہ مبارک مہینہ ہے، جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے تمام الہادی کتابیں اور قرآن پاک اسی مبارک مہینے میں نازل ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام اس ماہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن پاک سناتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنتے تھے۔

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، جس نے انسان کو تخلیق کیا وہ انسان کی تمام جسمانی اور روحانی ضروریات سے باخبر ہے، جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں، اس دور میں انسانیت جن معاشی، اخلاقی اور روحانی مسائل میں گھری ہوئی ہے، قرآن پاک میں ان تمام مسائل کا حل موجود ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغام لے کر دنیا میں آئے وہ قرآن پاک کی شکل زندہ جاوید ہے۔

قرآن پاک نے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی پورا کرنا لازم و ملزوم کر دیا ہے، حقوق العباد در حقیقت خیر خواہی کا جذبہ ہے، قرآن پاک نے انسان کو کامیاب زندگی گزارنے کے لئے جو لائحہ عمل دیا ہے اس کی بنیاد ہی اسی جذبہ پر ہے، لوگوں کی حق تلفی، ظلم و زیادتی کو سخت اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور وہ لوگ جو دوسروں کا بھلا چاہتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔

حقوق العباد کی ادائیگی پہلے والدین اور اہل و عیال سے شروع ہوتی ہے، پھر دیگر رشتہ دار پڑوسی اور پھر اس دائرہ میں تمام انسان آ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس ماہ دل کھول کر ان لوگوں کی مدد کریں جو ضرورت مند ہیں یہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے مستحق بن سکیں آمین۔

اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں، خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے دو باتیں، ایک تو ہمیشہ کی طرح یہی کہ درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کثرت سے کریں اسی میں ہماری آخرت کی کامیابی ہے۔

دوسری بات میں یہاں ان تمام مصنفین، اور قارئین جنہوں نے سردار محمود صاحب کی وفات پر ہم سے اپنے دکھ کا اظہار کیا اور غم کی اس گھڑی میں ہمارے ساتھ رہے، ہمارا غم بٹایا ادارہ حنا ان سب دوستوں کا مشکور ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں حویلی لکھا دیپالپور رابعہ انور کا ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ لیٹ ملا، جب کھولا تو لیٹ ملنے کی وجہ پتا چلی، سردار محمود صاحب کی وفات کی خبر انتہائی دکھی کر گئی، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ سردار صاحب کے درجات بلند کر کے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

اسلامیات میں پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھی ہمارے علم میں اضافہ ہوا، انشاء نامہ اس مرتبہ سردار محمود صاحب کے غم میں ڈوبا ہوا تھا، آہ بھر کر آگے بڑھے اور ام مریم کے ناول ''دل گزیدہ'' میں جا پہنچے، ام مریم آپ کی تحریر کی تعریف میں، ہم صرف یہی کہیں گے ون اینڈ اونلی آپ کے ناول کا ہر کردار اپنی اپنی جگہ اہم ہے اور بھرپور ہے، اس کے بعد فرح بخاری کے ناولٹ کی آخری قسط پڑھی، فرح نے بڑھی خوبصورتی سے تحریر کو سمیٹا، اس پر وہ مبارک باد کی مستحق ہے، مکمل ناولوں میں سب سے پہلے ''ادھورے خوابوں کا محل'' مصباح نوشین کی تحریر کو پڑھا، واؤ مصباح آپ کے ناول کا عنوان بے حد خوبصورت ہے، ناول کی پہلی قسط ہی اپنی طرف متوجہ کر گئی، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، ''یارمن'' کی بھی، نائلہ طارق کی تحریر تھی اس کا آخری حصہ شائع ہوا طویل تحریر لکھنے کی نائلہ نے اچھی کوشش کی، یقیناً آگے چل کر وہ مزید اچھی تحریریں پڑھنے کو دیں گی، ''ربت کے اس پار کہیں'' نایاب جیلانی کا ناول کم اور سفرنامہ زیادہ لگ رہا ہے پتا نہیں کیوں ان کی اس تحریر کو پڑھتے یہ کیوں احساس ہوتا ہے اسے کسی جاسوسی ڈائجسٹ میں شائع ہونا چاہیے تھا، سطر سطر تجسس اور سسپنس سے بھرپور ہے، نایاب کا مخصوص انداز جو کہ محبتوں کی چاشنی سے لبریز ہوتا ہے، نظر نہیں آرہا اس تحریر میں، نایاب آپ کی اس ناول کے لئے میں یہی کہوں گی کہ خوش شکل گلاب جامن مگر پھیکا، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول دو تین ماہ سے رخصتی کی اجازت مانگ رہا ہے لیکن لگتا ہے میزبان (یعنی فوزیہ آپی) کی محبتوں نے باندھ رکھا ہے، سدرۃ آپ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ''اک جہاں اور ہے'' کو لے کر آگے بڑھی ہے مگر اگر اب مزید طویل کریں گی تو آپ کے ناول کے کردار تھک جائیں گے اور تحریر میں وہ مزہ نہیں رہے گا جو کہ اس کا خاصہ ہے، باقی آپ بہتر جانتی ہیں۔

افسانوں میں سندس جبیں آئیں اپنے آخری قسط کے ساتھ، سندس یہ آپ کی ہیروئین اللہ تعالیٰ کو اپنا غم سنا رہی تھی یا خود کو دنیا کی مظلوم ترین لڑکی ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی، ''دھوپ کے سفر میں'' ارم ذاکر کی تحریر ''اچھی بہو'' عمارہ امداد ''ٹھہرے پانی میں ہلچل'' تمثیلہ زاہد کی تحریر بھی پسند آئیں جبکہ ''روزنِ کھلا'' سیما بنت عاصم کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ پائیں۔

رابعہ انور اس محفل میں خوش آمدید، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

فاطمہ رباب: چکوال سے لکھتی ہیں۔

میں ایک عرصے سے حنا کی خاموش قاری ہوں، لیکن اب شامل ہوتی رہوں گی، مئی کے شمارے میں سردار صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر دل افسردہ ہو گیا، میری دلی طور پر سردار محمود صاحب کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

ٹائٹل اس مرتبہ کوئی خاص اچھا نہیں تھا، یقیناً ادارہ کے سربراہ کی وفات کی وجہ سے سبھی لوگ اپ سیٹ ہوگئے، اسی لئے حنا کے ٹائٹل پر پھر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی شاید، خیر سردار صاحب کا دنیا سے چلے جانے کا ملال کرتے ہوئے آگے بڑھے، حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے انشاء جی کا نوحہ سنا، ''اے دور نگر کے مسافر'' کا ایک ایک لفظ آنسو میں ڈوبا ہوا تھا، اگلے ہی صفحے پر فوزیہ شفیق نے سردار محمود صاحب کے لئے اپنے تاثرات کو لفظی شکل میں ڈھالا ہوا تھا، فوزیہ جی سردار صاحب سے آپ کی عقیدت و محبت کا اظہار آپ نے بڑی خوبصورتی سے قلم بند کیا، آپ کے توسط سے ہمیں سردار محمود صاحب اور ان کی فیملی کے بارے میں جاننے کو ملا، میں نے کتنے ہی دن خود کو آپ کی تحریر کے دکھ میں ڈوبے پایا، مجھے آپ کی تحریر کی آخری سطریں بڑی اچھی لگیں کہ ''والدین کبھی نہیں مرتے وہ زندہ رہتے ہیں اپنے بچوں کی صورت، ان کی یادوں میں ان کی باتوں میں'' آپ کی ہدایات سو فیصد درست ہیں۔

تین چار دن کے وقفے کے بعد دوبارہ سے حنا کو اٹھایا اور اس کی بقیہ تحریروں پر نظر ڈالی، ''دل گزیدہ'' ام مریم اس مرتبہ بھی آپ بازی لے گئیں، بلاشبہ ناول بھی پڑھنے والوں کے دلوں میں گھر کرے گا، ایک ایک پیراگراف اور ایک ایک لفظ میں ایک دنیا آباد ہے، ایک جملہ سے کئی کئی معنی نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارے آمین۔

سدرۃ المنتہیٰ نے بھی بڑی خوبصورتی سے اپنے ناول ''اک جہاں اور ہے'' کو لکھ رہی ہیں، سدرۃ آپ کی یہ تحریر آپ کی بقیہ تحریروں سے ہٹ کر ہے، اس میں روحانیت کی جھلک نظر آتی ہے، ہر کردار اپنی اپنی جگہ پرفیکٹ ہے، اتنا اچھا ناول لکھنے پر آپ مبارک باد کی مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے آمین۔

نائلہ طارق آپ کا مکمل ناول ''یار من'' اگرچہ دلچسپ تھا مگر کہیں کہیں کہانی آپ کی گرفت کمزور تھی، بہت سی باتیں وضاحت طلب رہ گئیں بہر حال آپ نے اچھی کوشش کی، آگے چل کر یقیناً آپ کا شمار حنا کی بہترین مصنفین میں ہوگا۔

مصباح نوشین اپنے ادھورے محل کے ساتھ خوابوں کو دیکھ رہی تھی، مصباح کہانی کا سٹارٹ انتہائی متاثر کن ہے اور دلچسپ ہے اللہ کرے کہ آپ آگے چل کر اس تحریر کو یونہی دلچسپی بنائیں رکھیں، فرح بخاری ''وفا شرط'' بے آپ کی اچھی کوشش تھی، جبکہ نایاب جیلانی ''پربت کے اس پار کہیں'' میں نہ جانے ابھی اور کتنے خوبصورت علاقوں کا تعارف کروائیں گیں، مجھے یقین ہے آگے چل کر آپ کے یہ تمام کردار اکٹھے ایک ہی مالا میں پروئے جائیں گے، سندس جبین ''آخری خط'' آپ کی یہ تحریر کچھ الجھی الجھی سی تھی پتا نہیں کیوں پڑھ کر مزہ نہیں آیا، آپ کے نام کے ساتھ تو ہمیں ہمیشہ محبتوں کے دریا بہاتے مستقل سلسلوں میں ہر سلسلہ اپنی جگہ بہترین تھا، فوزیہ پلیز افراح طارق سے کہیں کہ وہ حنا کے دستر خوان میں اس مرتبہ رمضان کے لئے کچھ خاص چیزیں بنانا سکھائے۔

فاطمہ رباب خوش آمدید، سردار صاحب کے سلسلے میں آپ کے جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش افراح طارق کو پہنچا دی ہے، ہم آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆